رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ جنوری سنہ ۱۹۴۷ء

معارف

مجلس المصنفین دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیے سالانہ

دفتر دارالمصنفین اعظم گڑھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جس میں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتوں کی سیاسی علمی اور تمدنی تاریخ ہو، اس لئے دار المصنفین نے تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرایا ہے جس کے بعض حصے چھپ گئے ہیں اور بعض زیر طبع ہیں، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہیں، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہوں گے شائع ہوتے رہیں گے،

تاریخ اسلام حصہ اوّل (عہد رسالت و خلافت راشدہ) اس میں آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے (زیر طبع)

ضخامت: ۴۸۰ صفحے، قیمت: ۳/

تاریخ اسلام حصہ دوم، (بنو امیہ) اس میں اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،

ضخامت ۴۲۴ صفحے، قیمت: ۳/

تاریخ اسلام حصہ سوم، (تاریخ بنی عباس جلد اوّل) اس میں خلیفہ ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للہ ۳۳۴ھ تک دو صدیوں کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ اسلام حصہ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم) اس میں خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۵۶ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،

ضخامت ۴۳۲ صفحے، قیمت: صہ

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصہ اوّل، اس میں عثمان اوّل سے مصطفٰے رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے

قیمت: ۵/

تاریخ دولت عثمانیہ حصہ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ تا جنگ عظیم ۱۹۱۸ء

ضخامت: ۴۶۸ صفحے، قیمت: ۵/

مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڈھ،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتداء حکومت کا قیام، اور عہد بعہد کی ترقیوں اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے،

۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ صقلیہ حصہ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیوں کا مرقع ہے، جس میں عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہاء ادباء و شعراء کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،

۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

"جلد ۵۹" ماہ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۴۷ء "عدد ا"

مضامین

اعلان

یکم جنوری ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجروں کے لئے کمیشن سیرت پر ۲۵ فیصدی اور دوسری مطبوعات پر ۲۰ فیصدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط وکتابت بے سود ہوگی،

"منیجر دار المصنفین"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

صوبۂ بہار میں ۸۰ فی صدی اکثریت والے لوگوں نے ۱۳ فیصدی مسلمانوں پر جس "بہادری" اور "دلیری" سے ستم ڈھائے ہیں، وہ تاریخ کے صفحات بن چکے، اور اب اُن کے متعلق زمانہ کا مورخ اپنا فیصلہ لکھے گا، اس تباہی و بربادی کے بعد سب سے بڑا سوال اب یہاں کے مسلمانوں کے مستقبل کا ہے، بہار کے مختلف حصوں سے ہمارے یہاں یاس انگیز استفسارات آئے ہوئے ہیں، اور ہم نے وہاں اپنی آنکھوں سے بھی دیکھا کہ اچھے اچھے مضبوط لوگوں کے قدم اکھڑ چکے ہیں، وہ اپنے پشتہا پشت کے آبائی وطن سے ایسے بیزار ہیں کہ اُن میں اس کی طرف کوئی کشش باقی نہیں رہی، وہ اس مُوطن سے ہمیشہ کے لئے اپنا مُنہ موڑ لینے پر آمادہ ہیں، جس کی سرزمین پر ایمان کی شعاعیں پھیلی ہوئی ہیں جس کی فضا میں تکبیر کی صدائیں گونجتی ہیں، جہاں جابجا اولیا، و صالحین کے آثر و مقابر اور بزرگوں کی تعمیر کی ہوئی مسجدوں کے مینار بلند ہیں، اور انہی آبادیوں کے قبرستانوں میں اُن کے آباؤ اجداد و دیگر اسلاف محو استراحت ہیں،

اُن اسلاف نے کتنی جانفشانیوں سے اس علاقہ کو فتح کر کے اپنا گھر بنایا تھا، کیا وہ اس آسانی سے چھوڑ دیا جائے، حق کی راہ میں مرنا اور مارنا تو مسلمانوں کی زندگی کا شیوہ رہا ہے، مصائب سے خوف و ہراس مسلمان کی شان نہیں، اس بدحواسی اور ابتری کے ساتھ ترکِ وطن کرنا میرے خیال میں مسلمانوں کو برباد کر دے گا، اور اُن کی مزید اقتصادی تباہی کا باعث ہوگا، اس لئے اس مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا ہے،

ہجرت کی عمومی تحریک تو اُس وقت صحیح کہی جا سکتی ہے جب دو مساوی درجہ حکومتیں آبادی کے تبادلہ پر تیار ہو جائیں، یا اگر تبادلہ منظور نہ ہو، تو مسلم حکومت یا حکومتیں یکسر سب مسلمانوں کو اس صوبہ سے اپنے صوبہ یا صوبوں میں جگہ دینے اور دوسری سہولتیں مہیا کرنے پر آمادہ ہو جائیں، ہندوستان اور اس کے موجودہ صوبوں میں حکومت کا آئندہ نظام کیا ہوتا ہے، یہ ابھی پردۂ غیب میں ہے، اس لئے اس منزل میں ہجرت کی حوصلہ افزائی کرنا

بڑی ہی ذمہ داری کی بات ہوگی، جو لوگ حالات کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے اس صوبہ سے ترک وطن کرکے جا چکے ہیں، انھون نے اپنے پیچھے رہنے والون کو نہین دیکھا کہ اس صوبہ کے مسلمان پہلے سے زیادہ اقلیت مین ہوگئے، یا ہوجائین گے، مسلمانون کو جو کچھ کرنا ہے وہ وحدت کلمہ کے ساتھ کرنا ہے، اگر بہار کو آباد رکھنا ہے، تو سب رہین گے، اگر چھوڑ کر نکلنا ہے تو سب نکلین گے، اگر ہجرت اور ترک وطن ہی کی نوبت آئی، اور آیندہ اس صوبہ مین مسلم کی جان کی حفاظت کا اعتماد کے لائق کوئی نظام نہ بن سکا، تو پھر وہان کے معابد و مآثر راہ مین حائل نہین ہوسکتے، مسلم کی جان اور اس کا ایمان سب سے زیادہ بیش قیمت ہے، سوال صرف مسلمانون کی اجتماعی طاقت کا ہے، اس کی عدم موجودگی مین جب اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاک گھر خانۂ کعبہ کو بت پرستون کے قبضہ مین چھوڑ کر تشریف لیجا سکتے ہین، تو صوبہ بہار کے مسلمان وہان کی مسجدون اور بزرگون کے مزارون کی حفاظت پر مجبور نہین ہین،

لیکن بحمد اللہ اس صوبہ مین اتنے مسلمانون کی آبادی موجود ہے کہ اگر وہ اپنے انتشار کو دور کرلین، پاس پاس کی آبادیون کو ایک مرکزی ادارہ سے مربوط کرلین تو وہ بفضلہ حملہ آورون کا مقابلہ اپنی قوت اور بل بوتے پر کرسکتے ہین، انھین صرف فرمانِ الٰہی وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال ع ۸) پر نظر رکھنی، اور اس کی روشنی مین اپنی اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کرلینی ہے، تاکہ وہ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ کے مصداق بنین،

صوبہ بہار کے مسلمان ان دنون جس منزل مین ہین، ان کے مستقبل کی راہ عمل کے لئے سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیات کریمہ سے انھین بہترین رہنمائی مل سکتی ہے، ہندوستان مین اکثریت و اقلیت کا مسئلہ برطانوی حکومت کے آغاز سے عالم وجود مین آیا ہے، تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جہان رہے موجودہ زمانہ کی اصطلاح مین وہ اقلیت مین رہے، مگر ان کا قیام اللہ تعالیٰ کے فضل، اپنی خود اعتمادی اور قوت بازو پر تھا، وہ غیر کے سہارے جیتے نہ تھے، ان کی زندگی کسی دوسرے کی اطمینان دہی پر موقوف نہ تھی، انھون نے اپنے اقلیت مین ہونے کے باوجود حکمرانی کی، اور جہان رہے وہان انھون نے اپنے عقیدہ کی پختگی، اپنی سیرت و کردار کی مضبوطی، اپنے اخلاق کی بلندی، اور خصوصًا اپنی قوت ایمانی اور اپنے ہمسایون کے ساتھ حسن عمل سے اُن کو اپنا گرویدہ بنایا، اور اکثریت کے افراد کو اپنے مین ایسا جذب کیا کہ ہزارون سے بڑھ کر لاکھون اور کرورون کی تعداد مین ہوگئے،

یہی روش آج بھی اُن کے لئے محمود کہی جاسکتی ہے، لیکن مسلم اقامت گاہون مین مسلمانون کا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اپنی قوت وطاقت کے بھروسہ پر اطمینان کی زندگی بسر کرنا اس کی اولین شرط ہے، ضرورت ہے کہ

بہار مین اندرونی دیہی آبادیون کے مسلمان زمیندار اپنی زمینداریان ختم کرین، بڑے قصبون، آبادیون اوران کے آس پاس مین رہنے والے مسلمان زمیندار اپنی "خود کاشتہ اراضی" مین دیہی حلقون کے مسلمانون کو بعوض زمین دیکر بسائین، اور اپنے سرمایہ سے ان علاقون مین صنعتی کارخانے کھولین، اور اپنے اور نوآباد مسلمانون کے لئے معیشت کا سامان کرین یہ اور اس قسم کی مختلف تجویزین صوبہ کے مسلمان مفکرین سوچ سکتے ہین، اور بہار کے مسلمانون مین اس وقت جو عام انتشار اور خوف وہراس پھیلا ہوا ہے، اس کو دور کرسکتے ہین،

بہرحال یہ ساری تجویزین صوبہ بہار کے مسلمانون کی آیندہ زندگی سے وابستہ ہین، اور ظاہر ہے کہ ان کے بروے کار آنے مین کچھ دیر لگے گی، پھر مستقبل مین سیاسیات کے مسائل کس نہج پر طے ہوتے ہین، اس پر بھی نگاہ رکھنی ہے کہ اسی کی روشنی مین اس صوبہ کے مسلمانون کی قسمتون کا آخری فیصلہ ہونا ہے، سردست ضرورت ہے کہ وہ بڑے قصبون اور آبادیون مین مضبوطی سے اپنے قدم جمائے رہین، ہجرت کی فوری تحریک کو اس وقت تک کے لئے روکدین جب تک اُن کے لئے بہار کی سکونت کی ہرممکن تدبیر ناکام نہ ہوجائے، البتہ وہ لوگ جو اپنے لئے سردست بہار کے بڑے قصبون مین بھی کوئی معاشی سہولت حاصل نہ ہونے یا کسی اور سبب سے قیام نہ رکھ سکین وہ عارضی طور پر کسی دوسرے محفوظ مقام پر چلے جائین، مگر اس صوبہ سے اپنے وطن کا تمام تر تعلق برقرار رکھین، کہ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا'

صوبہ بہار کے دیہی حلقون کے ان ستم زدہ مسلمانون کی ایک دوسری مظلومیت بھی ذکر کئے جانے کے لائق ہے، کہ وہ جس دین پر قائم رہ جانے کے لئے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر پردیس مین نکلے ہین، اور مختلف امنوں میں پناہ گزین ہین، وہان ہم نے بڑی حسرت سے دیکھا کہ ان مین کی بڑی تعداد اپنے اس دین کے ابتدائی عقائد و مسائل سے بھی آشنا نہین ہے، ملک کے مختلف گوشون مین حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مرحوم کی تحریک سے وابستہ مخلصین کی جماعت اپنے طریق پر دین کی خدمت مین مصروف ہے، کیا اچھا ہو اگر وہ کچھ دنون کے لئے ملک کے دوسرے گوشون کو چھوڑ کر ان مظلومون تک پہنچین، اس وقت ان مین کام کرنے کی آسانیان حاصل ہین، وہ بڑی بڑی تعداد مین یکجا ہوگئے ہین، گاؤن گاؤن جانے کی ضرورت نہین ہوگی، پھر مصائب و آلام سے اُن کے دل خشیت و انابت سے معمور ہین، وہ دین کی باتون کو بڑی شیفتگی اور شگفتگی سے قبول کرین گے، صالح زمین موجود ہے، صرف چند باہمت و بیدار مخلصین کی ضرورت ہے کہ وہ دین کی خدمت انجام دینے کے لئے اللہ کا نام لے کر اُٹھ کھڑے ہون، انشاء اللہ وہ توفیق الٰہی سے کامران ہون گے،

مقالات

مجددِ ملت
اور
قومیات و سیاسیات حاضرہ

از مولانا شاہ عبد الباری صاحب ندوی

(۲)

تحریک خلافت کے دوران میں خود حضرت علیہ الرحمۃ کی نسبت ایسے ہی حدود ناشناس اخبارون اور لوگون نے لعن وطعن، سب وشتم، کذب وافترا، اور تخویف وتہدید کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا تھا، جان تک کی دھمکیان آتی تھین، مگر دیکھو کہ مجدد دین کی دینی حدود شناسی نے صرف علماً نہین عملاً بھی اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرماتے ہین کہ

"یہان تک نوبت آگئی کہ علاوہ لعن وطعن اور طرح طرح کے بہتان والزامات کی دھمکی کے خطوط آتے تھے کہ یا تو شریک ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے، حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ نے غایت شفقت ومحبت کی بنا پر ایک خاص معتمد کی زبانی کہلا بھیجا کہ وقت خطرہ کا ہے، اگر بظاہر تھوڑی سی شرکت کر لو تو گنجایش ہے"

مگر جو جامع المجددین جامع وکامل دین کی تجدید کے لئے آیا تھا، وہ محض جان کے خوف سے اپنی تجدیدی بصیرت کے خلاف کوئی قدم کیسے اٹھا سکتا تھا، اور جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ

"یہ آپ کی محبت وشفقت ہے سب سے بڑا خطرہ جان کا ہے سو اُس کے لئے میں اپنے نفس کو تیار پاتا ہون لیکن اس پر آمادہ نہین ہون کہ بلا سمجھے شرکت کر لون، اور نہ اس پر قدرت ہے کہ بظاہر تو شرکت

کروں، اور باطن میں الگ رہوں، اس کو منافقت سمجھتا ہوں"،

فرمایئے کتنے ہیں جو سیاسیات حاضرہ میں اس منافقت سے پرہیز فرماتے ہوں بلکہ یہ منافقت تو جدید سیاست میں عین مہارت ہے! ایک مقام سے خط آیا کہ آپ کی (حضرت علیہ الرحمۃ) خاموشی (تحریک خلافت کے باب میں) آپ کے چراغِ زندگی کو خاموش کردے گی" فرماتے ہیں کہ میں نے اس خط کو ردی کی ٹوکری میں ڈالدیا اور ہود علیہ السلام کا یہ قول یاد آیا :-

"فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم

مجھے بحمد اللہ ان واقعات سے بہت نفع ہوا، مخلوق سے نظر بالکل اُٹھ گئی"۔ (الافاضات الیومیہ حصہ اول ص ۲۹)

کہنا یہ ہے کہ دشمنوں کی دشمنی کے اس بحران میں بھی دین کے مجدد و محافظ کی زبان و قلم سے علماً کوئی ایک کلمہ بھی ایسا سنا گیا یا عملاً کوئی ایک جنبش بھی ایسی دیکھی گئی جو صراطِ مستقیم یا جادۂ شریعت سے ذرا متجاوز ہو، علم و عمل سب حدود کے اندر اور تجدید دین کے شایان شان نفس مسئلہ کی تحقیق میں تو حدود شناسی یہ کہ نہ کسی کی حمایت یا عداوت کے جوش و غلو میں ایک ظنی مسئلہ کو قطعی قرار دے دیا، نہ اُس میں اختلاف کی گنجایش ہوتے ہوئے مخالفون کے کفر و فسق یا جہل و ضلالت کا فتویٰ صادر فرمایا، بلکہ فرماتے ہیں کہ

"یہ تعاون و اتحاد شرعاً فی نفسہٖ نہ واجب ہے نہ حرام، ایک مباح امر ہے یہاں تک تو کوئی اختلاف نہیں، اب آگے بعض (یعنی خلافت کمیٹی والوں) کی نظر تو حکومت کے ساتھ عدم تعاون اور ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کے مصالح و منافع پر پڑی جن کا حاصل کرنا اُن کے خیال میں ضروری تھا، اس لئے انھوں نے ان دونوں باتوں کو واجب و جائز کہا اور بعض کی نظر اس عدم تعاون اور اتحاد کے ایسے موجودہ و آیندہ دینی مفاسد و مضار پر پڑی جن سے اجتناب ضروری تھا، انھوں نے ان دونوں باتوں کو ممنوع کہا، اور احقر کی بھی یہی رائے ہے، بس یہ حقیقت ہے اس اختلاف کی جس سے معلوم ہوا کہ اس کی دونوں شقیں قطعی نہیں بلکہ ظنی و اجتہادی ہیں جن میں اختلاف کی گنجایش ہے گو کوئی

چھوٹے درجہ کا طالب علم ہی کسی بڑے عالم سے اختلاف کرے،

کاش حضرت مجدد وقت کا یہ مجددانہ محاکمہ آج بھی ہمارے علماء اور عوام سب کے پیش نظر ہوتا تو لیگ، کانگریس اور جمعیۃ وغیرہ کے عوام وخواص علماء وجہلاء میں آپس میں یہ تھوک فضیحت، رسوائی وذلت اور ایک دوسرے کی توہین وتذلیل، سب وشتم کی گرم بازاری کیوں ہوتی، اور آج ہی کیا یہ بات تو قومیات وسیاسیات جیسے ظنی مسائل میں ہمیشہ ہی پیش نظر رکھنے کی ہے، مگر کیا کہا جائے، اور کیسے کہا جائے کہ مسلمانوں نے اپنے دینی اصول وتعلیمات کو خیرباد کہکر اپنی دنیا بھی کس درجہ ذلیل وبرباد کرلی! ورنہ حضرت مجدد وقت نے جو اس وقت سبق دیا تھا، وہی آج اور ہر وقت یاد رکھنے والا ہے، کہ

"محض اس (قسم) کے اختلاف سے کسی فریق کو دوسرے فریق پر لعن طعن، سب وشتم یا اُس کو گمراہ وجاہل کہنا یا کافر وفاسق ٹھہرانا یا قولاً وعملاً کسی طرح اُس کے ساتھ جبر وتشدد یا ظلم وایذا کی روش اختیار کرنا، یا کسی بزرگ کا اُس کو مخالف وبے ادب مشہور کرکے بدنام کرنا جائز نہیں"

(سوانح جلد سوم ص ۱۶۳)

پھر یہ بزرگ (حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) بھی آخر ہے بزرگ وعالم اور محقق ہی تھے، اور گو تحریک خلافت میں من حیث عالم ومقتداے دین ہی کے سب سے آگے تھے، مگر نفس مسئلہ کو کیا قطعی یا حق کو صرف اپنے ہی راے وتحقیق میں منحصر تصور فرماتے تھے، اس کے اندازہ کے لئے صرف اتنا جان لینا کافی ہوگا، کہ کسی موقع پر ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف شان کوئی کلمہ زبان سے نکالا تو فرمایا کہ

"تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ جو میرا خیال ہے، وہی صحیح اور حق ہے، اور مولانا تھانویؒ کا خیال سراسر غلط ہے"

اتنا ہی نہیں بلکہ ان مولوی صاحب کو حکم دیا کہ

"تم نے جس جس جگہ مولانا تھانوی کی نسبت کچھ کہا ہے، وہاں وہاں اُن کی مدح اور تعریف کرو

تاکہ اُس کا تدارک ہو جائے"

سُبحان اللّٰہ علماء ربانین کی شان ہی الگ ہے، (سوانح ص ۱۹۰)

اسی طرح گو حضرت علیہ الرحمۃ کو اپنی تحقیق کی بنا پر ترک موالات وغیرہ کے نام سے جو طریقے تحریک خلافت مین اختیار کئے گئے تھے، اُن سے جیسا کچھ اختلاف تھا کون نہین جانتا، مگر جب مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی نے خود حضرت ہی سے دریافت کیا کہ "ان مسائل مین جب اختلاف ہے، تو مجکو کیا کرنا چاہیے" تو جواب یہ عطا فرمایا گیا کہ "حضرت (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) ہم سب کے بڑے ہین، مجھ پر اُن کو ترجیح دینا چاہیے" (سوانح ص ۱۰۳) واقعی اگر نفس و نفسانیت درمیان مین نہ ہو، تو تحقیقی و اجتہادی اختلاف کبھی مخالفت و عداوت کی صورت کیسے اختیار کر سکتا ہے،

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تو حضرت علیہ الرحمہ کے بزرگ اور استاد ہی تھے، لیکن اپنے معاندین اور سب و شتم کرنے والون کے ساتھ بھی حضرت نے کیا جائز "مظلومانہ جر بالسوء" تک کو جائز رکھا، بس فرمایا تو یہ فرمایا کہ "کہہ لو بھائی جو تمھارا جی چاہے، اللہ سے معاملہ ہے، تو وہ تو دیکھ رہے ہین، تمھارے بُرا بھلا کہنے سے ہوتا کیا ہے، اور میرا ضرر ہی کیا، بلکہ نفع کی توقع ہے، کہ کچھ نیکیاں مل جائین، الحمد للہ مجھے ان قصون مین کسی سے بغض نہین ہوا، البتہ شکایت ضرور ہوئی، وہ بھی دوستون سے، مین نے سب کو دل سے معاف کر دیا، جو کچھ کہہ چکے وہ اور جو آیندہ کہو وہ بھی، میری وجہ سے اگر کسی مسلمان کو عذاب ہوا تو میرا کیا بھلا ہوگا، اور معافی مین تو امید ہے، کہ حق تعالیٰ میرے اوپر رحم فرماوین" (افاضات الیومیہ حصہ اول ص ۲۹)

سبحان اللہ اگر کسی مسلمان مین سچا دین موجود ہے تو وہ دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت مین خود اپنی راحت اور اپنے پرائے دوست دشمن سب کے لئے کتنی بڑی نعمت و دولت ہے، آج کل کی طرح رد و قدح، قیل و قال، اعتراض و جواب کو بھی ایک آدھ بار کے اتمام حجت سے زائد کبھی پسند نہین فرمایا، فرماتے ہین کہ

"مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤں کی طرف سے بیجا اعتراضات کی بوچھار ہے، جس میں اکثر کا سبب تعصب اور تحزب ہے، جس کے جواب کی طرف احقر نے کبھی التفات نہیں کیا (جس کی وجہ کیسی صحیح اور سچی یہ تھی کہ "آج کل جواب دینا قاطع اعتراض نہیں، بلکہ اور مطول کلام ہو جاتا ہے، تو وقت بھی ضائع ہوا، اور غایت بھی نہیں حاصل ہوئی"۔ (سوانح حصہ سوم ص ۱۵۵)

اس زمانہ میں جن چیزوں کو قومیات وسیاسیات کہا جاتا ہے، اگرچہ ان کا خمیر ہی تمامتر طرح طرح کے مفاسد سے تیار ہوا ہے، تاہم تحریک خلافت کے دوران میں حضرت مجدد وقت نے اپنے انتہائی معاندین و مخالفین کے معاملہ میں بھی یہی علم و عمل کی حدود شناسی و رہنمائی کا جو نمونہ چھوڑا ہے، اگر اسی کا لحاظ رہے تو کم از کم ہم آپس کی اس شرمناک تو ہین میں اور ایک دوسرے کی ایذا رسانی و آبرو ریزی کی رسوائی، اور جگ ہنسائی سے محفوظ رہ سکتے ہیں، جو ہماری قومی و سیاسی زندگی کا گویا شعار بن گیا ہے، کہ کوئی اختلاف مخالفت و عداوت بنے بغیر نہیں رہتا، نہ علم میں اختلاف رائے کے حدود کا خیال، نہ عمل میں اختلاف طرق کا تحمل!

باقی جہاں تک ان قومیات و سیاسیات کے نفس مقاصد اور وسائل کا تعلق ہے، تو اسلامی نقطۂ نظر سے نہ وہ مقاصد ہی مطلوب ہیں، اور نہ مجدد وقت کی نگاہ میں اُن کے حصول کے رائج الوقت وسائل ہی جائز ہیں، ہماری قومی و سیاسی جد و جہد کے مقاصد و وسائل سب غیروں کی تقلید میں اور غیروں ہی کی طرح مال و جاہ اور حکومت کی بے قید و بند ترقی اور حصول بن گئے ہیں، یعنی وہی علوء فی الارض کا ارادہ، حالانکہ اسلام کی تعلیمات پر کون سطحی نظر رکھنے والا بھی اس سے انکار کر سکتا ہے، کہ مسلمان کی زندگی کا مقصود نہ قارون بننا ہے، نہ فرعون، اس کا مرنا جینا تو صرف دین کی ترقی یا اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہے، قومی و سیاسی علوء فی الارض کے لئے نہیں، بلکہ کلمۂ حق کے اعلاء کے لئے مال و جاہ اور حکومت کے حصول کی اجازت بھی صرف انہی حدود تک اور انہی وسائل سے ہے، جو مرضی حق نے کلمۂ حق کی سربلندی اور دین کی ترقی کے لئے مقرر کر دیئے ہیں، "باقی آج کل ترقی کے بارے میں یورپ کی جو تقلید

کی جا رہی ہے" اس کی نسبت ارشاد ہے کہ

"یہ کورانہ تقلید ہے کیونکہ ان کی ترقی کا حاصل یہ ہے کہ کسی شے کے لئے کوئی حد نہیں، اُن کے یہاں تجاوز عن الحدود کا نام ترقی ہے، مگر اس کو کوئی عاقل ترقی نہیں کہہ سکتا، اور اسلام تو یقیناً نہیں کہہ سکتا، اسلام میں ہر شے کی ایک حد ہے،...... یورپ کی ترقی حقیقت میں ترقی نہیں، بلکہ جہل و حماقت ہے جس سے عافیت کے بجائے انسان آفت میں گرفتار ہو جاتا ہے، یہ ترقی نہیں بلکہ ترقی کا ہیضہ ہے، وبال جان ہے، کیونکہ جس شخص کی ترقی کی کوئی حد نہیں، وہ کسی حد پر مطمئن نہیں"[۱]

جس کو عافیت و اطمینان کی کچھ قدر ہے، اور قدر اصل میں اسی کو ہو سکتی ہے، جو جاہ و مال کی مادی ترقی یا خالص دنیا طلبی سے ماورا، کوئی اور اعلیٰ مقصد حیات سامنے رکھتا ہو جس کے حصول کے لئے وہ لازماً فرحت و عافیت کا طالب ہوگا، اور مادی و دنیوی حاجات پر از خود بقدر ضرورت اور حدود کے اندر قانع رہے گا، ورنہ ترقی کے اس "ہیضہ اور وبال" سے نجات پانے کی کیا صورت ہے، جس کا اس عالمگیر و عالم سوز جنگ نے سارے عالم کو مزہ چکھا رکھا ہے، اور مزہ یہ ہے کہ پھر بھی نہ یورپ کی آنکھیں کھلیں، نہ اُس کے اندھے مقلدوں کی! بلکہ مال و جاہ اور حکومت و سلطنت ہر راستہ سے مادی حرص و ہوس کا جنون تیز سے تیز تر ہو گیا ہے، اور صاف ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ کی سُنت اللہ اُن کی ہلاکت کا ترقی کے اسی ہیضہ اور حرص و ہوس کے اسی جنون کی راہ سے فیصلہ فرما چکی ہے!

زیادہ حیرت و حسرت اسلام کا نام لینے والوں پر ہے، کہ جو کتاب و سُنت کی عینک رکھتے ہیں اور جو اس دور میں خود دین کی اسی عینک کی اعانت سے ساری دنیا کی امامت و رہنمائی کے لئے اُمتہ مبعوثہ بنائے گئے تھے، وہ بھی آگے ہونے کے بجائے ان اندھوں کے پیچھے ہوتے ہیں، اور مال و جاہ اور حکومت و سلطنت کی ایسی حرص و ہوس کو ترقی کے پُر فریب نام سے معراج کمال سمجھنے لگے ہیں، جس کی بقول حضرت مجدد وقت

---

[۱] وعظ مسمی الحدود والقیود،

اسلام نے جڑ کاٹ دی ہے،

"موجودہ ترقی کا حاصل حرص ہے اور شریعت نے حرص کی جڑ کاٹ دی ہے، صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھے کبھی ایسے خیالات کو دل میں جگہ نہیں دی، اور نہ حضور ہی نے کبھی اس کی تعلیم فرمائی، نہ سیرت میں کوئی ایسا واقعہ ہے ان سب کی ترقی تو دین کی ترقی تھی، اگرچہ ساتھ ہی دنیا کی بھی وہ ترقی ملی، جو آج لوگوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں،

لیکن مقصود صرف دین کی ترقی تھی، چنانچہ اُن کی اس شان کو خود خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ	یعنی یہ وہ لوگ ہیں، کہ اگر ہم ان کو زمین پر
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ	قبضہ دیں، تو یہ نماز ادا کرتے رہا کریں
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ	زکوٰۃ دیتے رہیں، اور بھلائیوں کا حکم اور
	برائیوں سے روک ٹوک کرتے رہا کریں،

یہ ہے ترقی کے بعد اُن (سچے اور پکے مسلمانوں) کے خیالات کا نقشہ! اب ذرا آج کل جن چیزوں کو ترقی کہا جاتا ہے، اسلام کی نظر میں اُن کی تفصیل و تحقیق مجدد اسلام کی نظر سے ملاحظہ ہو :-

جس ترقی کو لوگ ترقی کہتے ہیں، اس کے تین حصے ہیں، مال عزت اور حکومت آج کل دوسری قوموں کے سامان عیش دیکھ کر مسلمانوں کی رال ٹپکتی ہے، مگر یہ نہیں جانتے کہ بھلائی و سلامتی اسی میں ہے کہ اُن کو دنیا زیادہ نہ ملے، ورنہ رات دن دنیا ہی کی فکر میں رہتے اور آخرت سے غافل ہو جاتے؛

"صحابۂ کرام سے بڑھکر کون نیک نیت ہوگا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خود صحابہ سے فرمایا کہ تمھاری کیا حالت ہوگی، جب کہ میرے بعد سلطنتیں اور شہر فتح ہوں گے، اور تمھارے پاس زیادتی کے ساتھ مال و سامان، غلام اور نوکر ہوں گے، صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے

عرض کیا یا رسول اللہ اُس وقت ہم عبادت کرنے کے واسطے فارغ ہو جائیں گے، اور مشقت سے بچ جائیں گے، حضور نے فرمایا کہ تمھاری یہی حالت اچھی ہے، جو آج کل ہے!!

"جب صحابہ کے لئے حضور نے دنیا کو زیادہ پسند نہیں فرمایا تو اور ون کے لئے کب پسند فرماوینگے اس لئے مسلمانوں کو دوسری قوموں کا مال دیکھ کر مال نہ ٹپکانا چاہئے، اولٰئک عجلت لھم طیبٰتھم فی حیٰوتھم الدنیا، یہ تو وہ لوگ ہین، جن کو ان کی نعمتین (جو کچھ بھی تھوڑی بہت ملنا تھین) دنیا ہی کی عارضی زندگی مین دے کر (ختم کر دی گئین) اور آخرت مین اِن کافرون کے لئے عذاب ہی عذاب ہے، اور مسلمانون کے لئے تو دائمی راحت جنت مین ہے' دنیا مین تو ان کو بس اتنی ترقی چاہئے کہ پیٹ بھر کر روٹی مل جائے، ستر ڈھانکنے بھر کا کپڑا، اور رہنے کو مختصر سا مکان، اور اتنا الحمد للہ بہت مسلمانون کو حاصل ہے، صحابہ کو حضور کے زمانے مین اتنا بھی حاصل نہ تھا تو ہم تو اُن کے مقابلہ مین گویا بادشاہ ہین،

"ارشادِ نبوی ہے کہ

من اصبح معافاً فی جسدہٖ آمنا	یعنی جو شخص اس حالت مین صبح کرے، کہ
فی سربہٖ عندہٗ قوت یومہٖ	بدن مین صحت ہو، دل مین بے فکری ہو،
فکانما حیزت لہ الدنیا	اور ایک دن کا کھانا اُس کے پاس ہو تو گویا
بحذافیرھا،	اُس کو تمام دنیا مل گئی،

آج کل کے ترقی پسند مسلمان تنزل کے اس وعظ کو خدا ہی جانتا ہے، کہ کس پیچ و تاب کے ساتھ سُن رہے ہون گے، ! مگر اس رنگ کو ذرا آزما دیکھین تو معلوم ہوگا، کہ دل کس طرح زندگی کے پیچ و تاب اور کڑھن سے پاک ہو گیا، کچھ نہین تو آزمانے ہی کے دیکھ لیا جائے،

سالہا تو سنگ بودی دلخراش
آزمون را یک زمانے خاک باش

باقی مال کو خود قرآن مین جو کہین کہین خیر یا بھلائی سے تعبیر فرمایا گیا ہے، تو ارشاد ہے کہ

"اس کی بھلائی ہونے کی شرطین اور حدود ہین جن کی رعایت نہین کی جاتی، اس لئے ہر مالی ترقی کو بھلائی کی ترقی نہین کہہ سکتے، اور جس درجہ مین مالی بھلائی ہے، اُس درجۂ ترقی کو ہم بھی نہین روکتے، جائز بلکہ فرض کہتے ہین، حضور کا ارشاد ہے کہ کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ حلال مال کمانا اور فرضون کے بعد فرض ہے"

اسی طرح عزت وجاہ کی ترقی کی نسبت ارشاد ہے، کہ وہ بھی حدود کے اندر نہ صرف مطلوب ہے بلکہ انحصار کہ [illegible] رسول کے بعد صرف مومنین ہی کا حق یعنی وہی صحیح و اعلیٰ عزت جو اللہ ورسول کے ساتھ تعلق اور ایمانی شرائط و حدود کے تحت حاصل ہو، چنانچہ خود

"حق تعالیٰ فرماتے ہین، وَلِلّٰہِ العِزَّۃُ وَرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤمِنِیْن کہ عزت تو بس (حقیقی و کامل) اللہ ہی کے لئے ہے، اور اُس کے رسول کے لئے اور مسلمانون کے لئے بھلا جس شخص کا اس آیت پر ایمان ہو وہ عزت حاصل کرنے سے کیسے روکے گا،

"اصل یہ ہے کہ عقلی طور پر انسان کو دو چیزون کی ضرورت ہے، نفع کا حاصل کرنا، اور ضرر سے بچنا، آدمی جو کچھ بھی کرتا ہے، یا تو نفع حاصل کرنے یا ضرر سے بچنے کے لئے: دوسری بات یہ سمجھئے کہ ضروری چیزون کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہین، تو اُس کا طریقہ مال اور عزت کا حاصل کرنا ہے مال فائدہ حاصل کرنے کے لئے اور عزت ضرر سے بچنے کے لئے، مثلاً ایک معزز آدمی اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھا ہے ذلیل و کمینہ آدمی کی طرح نہ تو کوئی اُس کو بیگار مین پکڑ سکتا ہے، اور نہ ذلیل کر سکتا ہے"

"اِس سے معلوم ہوا کہ عزت و مال دونون حاصل کرنے کے قابل ہین، مگر وہی کہ طریقہ سے ہون شریعت کی حد مین رہ کر ہون، باقی جو لوگ مال وجاہ کی بُرائی کرتے ہین، اُن کا مطلب اِن کی محبت سے منع کرنا ہے، محبّت بھی وہ کہ جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو کہ مال و عزت

کی ہوس مین حق تعالیٰ کے حکمون کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے،

خود ارشاد ہے:-

قُلْ اِنْ کَانَ آبَاءُکُمْ وَاَبْنَاءُکُمْ	فرما دیجئے کہ اگر تمھارے باپ بیٹے، بھائی بیویاں
وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ	کنبہ اور وہ مال جن کو تم نے کمایا ہے، اور تجارت
وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ	جس کے رُک جانے سے تم ڈرتے ہو اور گھر جن کو
تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا	تم پسند کرتے ہو، یہ چیزین اگر تمھارے نزدیک
اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ	اللہ اور اُس کے رسول اور اُس کی راہ مین
جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ	جہاد سے زیادہ محبوب ہین، تو پھر تم اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ،	کے حکم (یعنی اس کی قدرتی سزا اور عذاب)
	کا انتظار کرو۔"

بس مسلمان کے لئے مال و دولت عزت و حکومت سب کی طلب و حصول کے حدود شرائط کا کلی اصول اور بے خطا کسوٹی یہی ہے، کہ جب اور جس درجہ مین بھی یہ چیزین انفرادی یا اجتماعی راہ سے راہ حق مین حائل اور اُن کی محبت خدا و رسول کی محبت و فرمانبرداری پر غالب یا شریعت کی اطاعت مین مزاحم ہون وہی اسلام کی نگاہ مین ملعون و مذموم دنیا طلبی ہے، یہی حال حکومت و سلطنت کا ہے کہ

"شریعت مین خود حکومت مقصود ہی نہین، بلکہ مقصود ملّا پن ہی ہے، اور ملّا پن ہی کا پھیلانا حکومت و سلطنت سے بھی مقصود ہے یعنی جو ایمان سے محروم ہین، اُن کو اس کے ذریعہ ایمان سے مالا مال کیا جائے، یا اپنے ساتھ ملا کر (یعنی ذمی بنا کر) رکھا جائے تاکہ وہ ایمان و شریعت کے نور کو دیکھین اور اپنی آنکھین کھولین۔"

"یہ نماز روزہ یا ملّا پن ہی تو تھا جس کے پھیلانے کی خاطر حضرات صحابہ کے لئے حکومت کو پسند

فرمایا گیا، کہ اگر ان کو سلطنت وحکومت عطا ہو تو وہ اوس کو اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، اور بھلائیوں کے پھیلانے اور برائیوں کے روکنے میں استعمال کریں گے، (الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر)

"حاصل یہ کہ مال، عزت وحکومت، تینوں کی ترقی سے اگر دینداری کی ترقی مقصود ہو، تو یہ سلف کی ترقی کے موافق ہو گی، یعنی یہ تینوں ترقیاں شریعت کی حد میں ہوں جن سے کسی حکم شریعت کے خلاف نہ لازم آئے، تب تو یہ بھلائی کی ترقی ہے، ورنہ پھر برائی کی ترقی، اور بہت بری، اور خالص حرص ہے، جن کا نام لوگوں نے ترقی رکھ لیا ہے تاکہ یہ عیب چھپا رہے، اور پھر اس کی کبھی اصلاح بھی نہ ہو سکے"

غیروں سے مطلب نہیں، لیکن اپنوں سے ضرور اتنی درخواست کا جی چاہتا ہے، کہ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ آج کل کی قومیات وسیاسیات، مال وجاہ یا حکومت کے لئے جو بھی دوڑ دھوپ ہو، اس میں اللہ و رسول کی محبت واطاعت کا کتنا حصہ ہے، اور یہ دین کے تابع ہے، یا اُس پر غالب! غالب ہی نہیں، بلکہ اس کی طلب وحرص میں کیا قدم قدم پر، بڑے چھوٹے احکام دین کو انتہائی بے دردی و بے پروائی سے پامال نہیں کیا جاتا، نماز تک کا یہ حال ہے کہ کہاں تو اسلامی حکومت وسلطنت کی عین غرض وغایت ابھی اوپر خود قرآن کی آیت سے اقامت صلوٰۃ معلوم ہو چکی ہے، اور کہاں یہ حال ہے کہ ہمارے قومی سیاسی جلسوں اور جلوسوں بلکہ خود اللہ اکبر اور اسلام زندہ باد کے نعروں کے دوران میں غفلت ہی نہیں، اس بیباکی وجسارت کے ساتھ اضاعت صلوٰۃ ہوتی ہے، کہ نمازوں کے وقت پر وقت آتے اور چلے جاتے ہیں، پاس ہی مساجد میں موذن حی علی الصلاۃ، حی علی الصلاۃ پکار رہے ہیں، کہ آؤ نماز کے لئے، آؤ نماز کے لئے، مگر ہم ہیں کہ کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، نہ لیڈروں کے اور نہ پبلک کے، نہ عوام کے نہ خواص کے! اگر ہمارے یہ قومی وسیاسی جلسے اور جلوس واقعی اسلامی ہوتے، "اللہ اکبر" کے نعروں میں اگر

واقعی اللہ کے سب سے بڑے ہونے کا کچھ ادراک ہوتا، اور ہمارا اسلام اگر صرف زندہ باد کے نعروں میں نہیں بلکہ خود ہمارے دلوں میں کچھ زندہ ہوتا، تو کیا حی علی الصلوٰۃ کے نعرہ کے بعد بھی جلسہ کا پنڈال اسی طرح بے حس وحرکت مجمع سے کھچا کھچ بھرا رہ سکتا، اور جلوس اسی طرح بے فکری سے راستوں پر گذرتے چلے جا سکتے تھے کہ گویا حی علی الصلوٰۃ کی پکار کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) بھاگو نماز سے بھاگو نماز سے! یہ مناظر دیکھکر بعض دفعہ دل کانپ اٹھتا ہے، کہ خدا ہی اپنے غضب سے محفوظ رکھے، پھر ایسی حالت میں مسلمانوں یعنی اسلام کے احکام وتعلیمات کے آگے سر رکھدینے کے مدعیوں کی قومی وسیاسی ترقی، ترقی کی پکار کا جو کچھ مطلب اور جو کچھ نتیجہ ہے، دونوں ظاہر اور آنکھوں کے سامنے ہیں! زبان پر ہر وقت اسلام اسلام کا نام اور دعوی کے ساتھ عملاً اسلام کے احکام وتعلیمات کو قدم قدم پر اس طرح ٹھکرانا کیا نصرت وحق کے بجائے قہر وغضب کو دعوت دینا نہیں!

مسلمان خوب یاد رکھیں کہ خدا ورسول کے دامن کو اس طرح جھٹک کر پھر لیگ کانگریس جمعیۃ العلماء کسی کے دامن میں بھی اُن کے لئے پناہ نہیں، دین تو دین غیروں کی کورانہ نقالی میں اُن کے ساتھ جس دنیا کے پیچھے دوڑے جارہے ہیں، اُس کی ترقی بھی ہرگز ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی، نہ مال کی نہ عزت کی، نہ سلطنت کی، بلکہ آنکھیں ہوں تو روزبروز افلاس ذلت محکومی وذلت ہی کی ترقی ہے، اور یہ حال کچھ تنہا ہندوستان کا نہیں، بلکہ عرب وعراق، ترکی وافغانستان وغیرہ جہاں برائے نام مسلمانوں کی حکومت ہے وہاں بھی غیروں کی نقالی اور اسلام سے روگردانی کا حشر اس ترقی...... کے سوا کچھ نہیں،

اس حقیقت پر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ نے مواعظ وملفوظات وغیرہ میں مختلف طریقوں سے بکثرت تنبیہ فرمائی ہے، اوپر الافاضات الیومیہ کے مجموعہ ملفوظات حصہ سوم (ص ۲۹۰ تا ص ۲۹۵) سے جو اقتباسات نقل کئے ہیں، اور جو مختلف مواعظ سے ماخذ کرکے اسلام وترقی کے عنوان سے جمع کردیئے گئے ہیں اُن کا پہلا عنوان یہی ہے، کہ غیر قوموں کی تقلید مسلمانوں کو مفید نہیں، ارشاد ہے کہ

"میں یہ نہیں کہتا کہ جو تدبیریں یورپ اور غیر اقوام نے اختیار کی ہیں، ان کا دُنیوی کامیابی میں کوئی اثر نہیں، ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمانوں کو ان تدبیروں سے فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا کیونکہ مسلمانوں کے لئے ان تدبیروں کے اثر کرنے میں ایک رکاوٹ ہے، اور وہ رکاوٹ اُن کا خدا کی نافرمانی اور گناہ کرنا ہے، اور یہ رکاوٹ کافروں کے لئے نہیں ہے، کیونکہ ان پر جزئی اعمال کی ذمہ داری ہی نہیں، اُن پر تو پہلے ایمان لانے کی ذمہ داری ہے، اور ایمان نہ لانے اور کفر کرنے ہی پر ایسا سخت عذاب ہوگا، کہ جس سے بڑھکر کوئی عذاب نہیں، باقی عملوں کی نہ اُن سے پوچھ ہوگی، نہ سزا ملے گی،"

"اور مسلمانوں سے الحمدللہ کہ کفر چھٹا ہوا ہے، اُن سے تو عملوں پر پوچھ ہوگی، اور جب ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں، جو خدا کے حکم کے خلاف ہیں، تو اُن کو کامیابی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اُن تدبیروں سے اثر کو دور کر دیتے ہیں تاکہ اس کی مخالفت کی سزا دنیا ہی میں بھگت لیں، ہر قوم کی ترقی و کامیابی کا طریقہ الگ ہے، یہ ضرور نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو فائدہ دے، وہی سب کو فائدہ دے، اور اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ تدبیریں ہمیں بھی فائدہ دیں گی، تب بھی خداوندی احکام کی پیروی فرض ہے، اور ان تدبیروں کا اختیار کرنا ہرگز روا نہ ہوگا، اور وہ فائدہ ہی کیا ہے کہ جس میں خدائے تعالیٰ کا غضب نازل ہو، اس لئے مسلمانوں میں ان تدبیروں سے ترقی نہیں ہو سکتی بلکہ اور تنزل ہوگا، اور ہوتا جا رہا ہے؛"

راقم ہذا کی فہم میں تو غیروں کا فائدہ اور دنیوی ترقی بھی بس ظاہر ہی ظاہر ہے، ورنہ در اصل اس ترقی ہی کی راہ سے ... دنیا میں بھی ان کو ان کی بغاوت کی سزا دے رہی ہے، ساتھ ہی اُن کے نقالوں کو بھی اور اس دو دو جنگ کے بعد بھی اس بے لگام ترقی[1] ... جو نظر نہیں آرہا تو احقر کا ایمان ہے کہ یہ جنگ نہیں قہر و عذاب ہے[1]

---

[1] اگر موتہ قہر و عذاب یا پیش خیمۂ قہر و عذاب کہا جائے، تو بہتر ہوگا، اصل قہر و عذاب تو وہ ہے، جس کی زد میں

جس کا سلسلہ ان مقہورین و معذبین کو ختم کر ہی کے ختم ہوگا، اسی پر فریب دنیوی ترقی کی نسبت تو ارشاد ہے
کہ اللہ تعالیٰ اس ترقی ہی کی راہ سے عذاب دے کر کافروں کو ان کی کافرانہ موت کے انجام تک پہنچانا چاہتا ہے

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا

وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ"

بس خدارا مسلمانو! تم تو اس سراب ترقی کا فریب نہ کھاؤ، نہ تمھاری یہ ترقی ہے، اور نہ دین سے بیگانہ ہو کر تم دنیا کی کوئی ترقی کر سکتے ہو، ایک وعظ مسمّی "بالاخوۃ" میں اتحاد و اتفاق کی شرعی و عقلی تحقیق فرمائی گئی ہے، اس کے سلسلہ میں ترقی کی نقالانہ حقیقت بالا کی نسبت ارشاد ہے، کہ

"اس وقت ہماری حالت یہ ہو رہی ہے کہ ترقی و اتحاد بھی کرتے ہیں، تو اس طریقہ پر جس پر کفار نے ترقی کی ہے، حضور کے طریقہ پر نہ ہماری ترقی ہے، نہ اتحاد، حالانکہ ہم کو کفار کی چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ممانعت ہے، لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا...... فِیْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى،

آگے اپنی طرف سے ترقی کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى، اس آیت میں نماز کی پابندی اور تقوی کا حکم ہے، اور اس کو کفار کی ترقی کے مقابلہ میں بیان کرنا اس کی دلیل ہے، کہ اسلامی ترقی کا کیا طریقہ ہے، (صفحہ ۲۳)

یعنی وہی کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے، اس کے احکام اور اوامر و نواہی کا اتباع کیا جائے، جس کا قرآنی اصطلاح میں نام تقوی ہے، اور یہ تعلق و تقوی نماز ہی سے پیدا ہوتا اور نماز ہی سے قائم رہتا ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷) صرف مجرمین یا اکابر مجرمین ہی آئیں، نہ کہ وہ تکوینی آفات و مصائب جن کی لپیٹ میں فاسق و متقی، کافر و مومن سبھی آجائیں، (عبدالماجد)

ں نے کفار کی ترقی کے مقابلہ مین اسلامی ترقی کے سب سے پہلے نماز ہی کی پابندی نہ صرف کرنے بلکہ کرانے
طرف متوجہ فرمایا گیا کہ وامر اھلک بالصلوٰۃ،

"البتہ یہ مطلب نہین کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ دو اور نماز روزہ ہی کے ہو رہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ
دنیا کو اصل مقصود نہ سمجھو"

بس یہی ساری غلطیون کی جڑ ہے، کہ آج کل کی ترقی مین دنیا کو اصل مقصود بنا لیا گیا ہے، اور
سلامی ترقی مین دنیا بالکلیہ دین کے تابع ہے، البتہ دین کی ضرورت سے دنیا مین مشغول ہونا عین دین ہے،
س کی تمثیل مین ارشاد ہے، کہ

"اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کھانے کی ضرورت سے کنڈے جمع کئے جاتے ہین، اور جب کوئی
پوچھتا ہے کہ یہ کھانا کتنے مین تیار ہوا، تو اس کی فہرست مین کنڈے اور لکڑی بھی شمار ہوتی ہین،
اسی طرح جب دین کے لئے دنیا کماؤ گے، تو وہ محض دنیا نہ رہے گی، اب اس کا لقب نعم المال
ہوگا جس کا لقب پہلے (الدنیا جیفۃ) تھا، کہ دنیا گندی و حرام ہے، بس کسب دنیا ضرورۃً مذموم
نہین، ہان مقصوداً مذموم ہے، جیسے کوئی شخص کنڈون ہی کو مقصود سمجھے، اور انہی کو کھانے لگے،
تو وہ احمق ہے، اور ان کو روٹی نے توے کے نیچے جلا دے تو بڑا عاقل ہے، مطلب یہ ہے کہ اصل مقصو
تو دین کو سمجھو، پھر دنیا تابع ہو کر خود ہی آجائے گی، اور اس وقت وہ دنیا نہ ہو گی، بلکہ وہ بھی
دین ہو جائے گی" (صفحہ ۲۳)

اس کے بعد ارشاد ہے کہ تاریخی طور سے بھی مسلمانون کو دیکھنا چاہئے، کہ اُن کی ترقی
کیونکر ہوئی :-

"یہ مت دیکھو کہ کفار کی ترقی کیونکر ہوئی، کیونکہ ہر قوم کا باطنی مزاج الگ ہے، یہ ضرور
نہین، کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو، بلکہ یہ بھی ضرور نہین کہ جو صورت ایک

قوم کے کسی فرد کو مفید ہو، وہ سب افراد کو مفید ہو، چنانچہ تجربہ ہے کہ کسی کو تجارت سے ترقی ہوتی ہے، کسی کو ملازمت سے کسی کو زراعت یا حرفت سے"

"صاحبو! لطیف المزاج کو وہ چیزیں نافع نہیں ہوتیں جو ایک گنوار کو نافع ہوتی ہیں، ایک طبیب نے کسی گاؤں میں دیکھا کہ ایک گنوار نے چنے کی موٹی موٹی روٹیاں سات آٹھ کھائیں اور ان کے اوپر ایک...... بھرا ہوا چھاچھ کا پی گیا، حکیم صاحب نے کہا اب تیری خیر نہیں چھاچھ کو درمیان میں پینا چاہئے تھا، تو گنوار نے اوپر سے چار پانچ روٹیاں اور منگا کر صاف کر دیں، اور حکیم صاحب سے کہا لیجئے تو چھاچھ بیچ میں ہو گئی، حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی تو چاہے بیچ میں کر یا اوپر تجھے کچھ نقصان نہ ہوگا، بھلا کوئی شہری بھی ایسا کر سکتا ہے، پھر ترقی کے باب میں آپ ایک ہی طریقہ سب کے لئے کیونکر مفید سمجھتے ہیں، یہاں یہ شبہہ زائل ہو گیا، کہ اگر ان اسباب میں ترقی کی خاصیت نہیں، تو کفار کو ان سے نفع کیوں ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ تم اسلام کے بعد لطیف المزاج ہو گئے ہو، تمہارا مزاج شاہانہ ہو گیا ہے، تم کو وہ صورت مفید نہ ہوگی، جو گنواروں کو مفید ہے"

حضرت اہل اللہ کی مثالیں کیسی دلنشین ہوتی ہیں، اور کیوں نہ ہوں، آخر حضرات انبیا بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ضرب امثالی کا پرتو ہوتی ہیں، ایک اور مثال سے اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے، کہ دنیا میں بظاہر حق تعالیٰ کا کافروں اور نافرمانوں کے ساتھ ترقی کا معاملہ کیوں ہے، وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مثال .... ہے،

جیسے سر کی ٹوپی کہ جہاں اس میں ذرا سی ناپاکی لگی فوراً اتار کر پھینک دیجاتی ہے، اور جوتے میں اگر ناپاکی لگ جائے تو اس کو پھینکتے نہیں، اسی طرح حق تعالیٰ تم کو ناپاکی اور گندگی میں ملوث دیکھنا نہیں چاہتے، اگر تم ملوث ہوگے تو فوراً دھوبی کے پٹرے پر کوٹے پیٹے جاؤ گے، اور کفار چاہے جتنا ملوث ہو جائیں گوارا کیا جائے گا،

راقم خاکو تو اکثر یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے در اصل اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و وفاداری کا میثاق و معاہدہ کر رکھا ہے، اس لئے قدرۃً اُن کی نافرمانی و غداری زیادہ مستوجب غضب و عتاب ہوتی ہے، رعایا اور غیر رعایا اور رعایا میں بھی عام رعایا، اور ان عہدہ داروں کی بغاوت بادشاہ کی نگاہ میں کیسے مساوی ہو سکتی ہے جن کے سپرد سلطنت کا کاروبار کیا گیا ہے اور جو اسی کو ایمانداری سے انجام دہی کے لئے وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہیں، ان کی تو بادشاہ کی طرف سے اعانت و نصرت اسی وقت تک اور اسی درجہ میں ہوگی جس وقت تک اور جس درجہ میں یہ اپنے عہد و پیمان کو استوار اور اپنی وفاداری کو برقرار رکھیں گے، یہی مسلمانوں کی ترقی اور تنزلی کا تاریخی سبق و تجربہ ہے،

پس اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو دیکھو کہ پہلے مسلمانوں کو ترقی کیونکر ہوتی تھی جن لوگوں نے حضرات صحابہؓ کی ترقی کا حال تاریخ میں دیکھا ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ ان حضرات کو صرف اتباع دین کی وجہ سے ترقی ہوئی، وہ دین میں پختہ تھے، اُن کے معاملات و معاشرات اور اخلاق سب بالکل اسلامی تھے، اس لئے ایک طرف تو دوسری قوموں کو خود بخود اسلام کی طرف کشش ہوتی تھی، اور صحابہ کی حالت دیکھ کر جوق جوق اسلام میں داخل ہوتی تھیں، دوسری طرف اگر کسی نے مقابلہ کیا، تو چونکہ انھوں نے خدا تعالی کو راضی کر رکھا تھا، اس لئے خدا تعالی ان کی مدد کرتا تھا، یہی تو وجہ ہے کہ باوجود بے سروسامانی اور قلت تعداد و تیاری بڑی بڑی سلطنتوں کو اُن سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوئی، (ص ۲۴)

صاحبو! تم دین پر چلو دنیا خود ...... ساتھ ساتھ آجائے گی، ہمارے حضرت حاجی (امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے کہ دنیا اور دین کی ایسی مثال ہے کہ جیسے پرندہ اور سایہ، تم پرندہ کو پکڑلو، سایہ ساتھ ساتھ آجائے گا، اور اگر سایہ کو پکڑو گے، تو نہ وہ ہاتھ آئے گا اور نہ یہ" (صفحہ ۲۷)

ع یزدان بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

تم ایک مرتبہ ہمت کرکے بس خدا کو پکڑلو، پھر ساری خدائی تمھاری ہے، اور چونکہ دین مین کوئی تکلیف مالا یطاق نہین، اتنی بھی نہین، بلکہ اس کی عشر عشیر بھی نہین جتنی کہ دنیا طلبی مین ہوتی ہے اس لئے دین طلبی یا خدا کو پکڑنا بہت آسان ہے، تم اگر محکوم ہو تو حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی بھی تکلیف نہین بلکہ محکوم رہ کر بھی خود اپنے اوپر جس قدر اور جس درجہ مین حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے یعنی احکام شریعت کی اطاعت کی استطاعت ہے، وہ مقدم ہے، اور جس دن تم بہ استطاعتِ خود اپنے اور اپنے اتباع یا اہل و عیال کے اوپر حکومتِ الٰہیہ قائم کر لوگے، تو وہی تمھاری حقیقی سلف گورنمنٹ اور ہوم رول ہوگا، اور اس دن کے بعد پھر واللہ ثم واللہ کسی غیر اللہ کی مجال نہین کہ محض اپنی مشین گنون یا ایٹم بمون سے تم پر اپنا حکم چلا سکے۔

مگر تم نے تو عرب و عجم ہر جگہ غیرون سے بھی بڑھ کر مال و جاہ اور حکومت و سلطنت ہی کو بالذات مقصود و مطلوب بنا رکھا ہے، اور غیر مسلم جان و مال کی جتنی قربانی قوم و وطن کے ...... کاذبہ و آلہہ باطلہ کے لئے کرتے ہین، اس کے پاسنگ بھی تم ...... حق اور دین حق کے لئے نہین کرتے، تو پھر سایہ کے پیچھے دوڑنے سے شکار کیسے ہاتھ آسکتا ہے،

بہر کیف حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی قومیات اور سیاسیات کے باب مین بھی اصل تجدید کا حاصل یہی ہے کہ اُن چیزون مین بھی ہماری منزلِ مقصود اور اس کا راستہ سب دین اور صرف دین ہے، نہ ہمارا ہی مقصود آج کل کی بے دینی کی آزادی و خود مختاری حکومت و جمہوریت، مساوات و اشتراکیت ہے اور نہ ہمارا... جلسے و جلوس، ہڑتال اور احتجاج، نہ اپنی طرف سے قید و بند اور پولیس کے ڈنڈون یا فوج کی مشین گنون کو دعوت دینا اور نہ ستیہ گرہ اور مرن برت کی خودکشی، یہ مقاصد و تدابیر سب سر تاسر غیرون کی تقلید و نقالی ہین، ہمارے کامل دین نے الحمد للہ منزلِ مقصود و سائل و تدابیر کے باب مین بھی ہم کو غیرون کی پیروی و رہنمائی کا محتاج نہین چھوڑا، سب کے ضوابط و اصول عطا فرما دیے ہین،

جن کی روشنی و رہنمائی میں جزئی و وقتی استنباطات کے ذریعہ ہم ہر نو پیدا صورتِ حال کا مقابلہ کرسکتے ہیں، ایک ملفوظ میں ارشاد ہے کہ

"مسلمانوں کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ وہ دوسری قوموں کی روش اختیار کریں، یا ان کی تدابیر ترقی کو اپنا ذریعۂ ترقی بنائیں، یا ان سے کسی قسم کی امداد کے خواہاں ہوں، بڑے غیرت کی بات ہے، ان کو تو حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے، مشروع تدابیر اختیار کرنی چاہئے سلف کے کارناموں کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اسی میں اُن کی خیر و فلاح ہے، جو سبق مسلمانوں کو دیا گیا ہے اس میں قوت بھی ہے، شجاعت بھی ہے، سب کچھ ہے، اس میں ہم کو بتلایا گیا ہے کہ غلبہ ساز و سامان سے نہیں ہوتا، بلکہ قوتِ قلب سے ہوتا ہے، اور (مسلمانوں کو) قوت قلب میسّر ہوتی ہے خدا کے ساتھ تعلق بڑھانے سے، اور خدا کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے خدائی احکام کی اتباع اور خدا کی بتلائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے، مگر مسلمانوں کے دلوں میں اسے کیسے اتاروں۔

ایک مومن کامل کی طرح اس پر اس درجہ کامل ایمان و وثوق ہے کہ آگے فرماتے ہیں کہ

"خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بالاتفاق سب مسلمان احکام حق پر عمل پیرا ہو جائیں، اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کی کوشش میں لگ جائیں، تو چند روز میں انشاء اللہ کایا پلٹ جائے۔"

اس سے بھی بڑھ کر یہ ارشاد ہے کہ "اگر بہ نیتِ اتباع ایسا نہ کریں تو ایک تدبیر ہی کا درجہ سمجھ کر دیکھیں، آخر اور بھی تو تدابیر کر رہے ہو، ایک یہ بھی سہی، تمہارا مقصود تو مقاصد میں کامیابی ہے (خواہ کسی راہ سے ہو) تو جب تمہاری ساختہ پرداختہ (بلکہ دراصل غیروں کی آموختہ) تدابیر میں اب تک کامیابی نہیں ہوئی، تو اللہ اور رسول کی تبلائی ہوئی تدابیر

کو تدابیر ہی کی نیت سے کرکے دیکھ لو، کہ کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اگر کامیابی نہ ہوگی تو چھوڑ دینا، لیکن کرکے دیکھو تو، کرنے سے پھانسی کیوں لگتی ہے، مرے کیوں جاتے ہو، کوئی پکڑ کر تھوڑا ہی تم کو بٹھلائے گا، بہت دنوں تک بتوں کی پرستش کرکے تجربہ کرلیا، اب ذرا خدا کو بھی پوجکر دیکھ لو،

ایک شخص مدت سے بت کے سامنے بیٹھا صنم صنم پکار رہا تھا، ایک روز بھولے سے صمد منہ سے نکل گیا، فوراً آواز آئی، لبیک یا عبدی لبیک، یعنی کیا کہتا ہے میرے بندے! میں موجود ہوں، اس نے جوش میں آکر بت کو ایک لات رسید کی، کہ کمبخت عمر کا ایک بڑا حصہ تم کو پکارنے میں گذر گیا، ایک دن بھی جواب نہ دیا، آج سچے خدا کا نام بھولے سے زبان سے نکل گیا، فوراً جواب ملا، سو وہ تو بڑی رحیم و کریم ذات ہے، جس کو تم بھلا رہے ہو، اور جس سے تعلق کم کر رہے ہو،

بس کوئی انگریزوں کی بغل میں جا گھستا ہے، کہ ان کے پاس ہماری فلاح و بہبود کے اسباب ہیں اور اس مقلدانہ حماقت میں ان کی سی بولی چالی، ان کا سا لباس، ان کی سی معاشرت تک اختیار کرلیتا ہے، کوئی ہندوؤں کی بغل میں جا گھستا ہے، کہ ان کے ساتھ اتحاد میں ہماری فلاح و بہبود ہے، اور ان کے ساتھ شریک ہوکر احکام اسلام تک کو پامال کرنے کو تیار ہوجاتے ہیں، حتی کہ ایمان تک ان کی نذر کردیا، مگر رہے کورے کے کورے، نہ انگریزوں سے کچھ ملا، اور نہ ہندوؤں سے،

(الافاضات الیومیہ حصہ پنجم ص ۴۷ و ۴۸)

احباب انگریزوں اور ہندوؤں (وفد وزارت یا وائسرائے اور کانگریس) دونوں سے مایوس ہوکر مسلم لیگ کو روس کی بغل میں گھسنے کی سوجھ رہی ہے؟

انسانوں کی ساختہ پرداختہ اور غیروں کی آموختہ آج کل کی قومی وسیاسی تحریکات کی تدابیر پہ ایک طویل ملفوظ مین حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے خیالات کا کسی قدر تفصیل سے اظہار فرمایا ہے، خلاصہ ان کا یہ ہے کہ مسلمانون کے لئے شریعت کی منصوص راہ وتدبیر یا تو قتال وجہاد ہے اور جب تک اس کے اسباب وشرائط منصوصہ فراہم نہ ہون، اس وقت تک صبروسکون کے ساتھ ایمان وعمل صالح مین استقامت وپختگی کی کوشش وتیاری جاری رہے، جو کفر سے مقابلہ یا اسلامی جہاد کے لئے سب سے اہم واقدم تھیا ہے، باقی کسی جابر وقاہر حکومت وسلطنت کا آئین شکنی (سول نافرمانی) یا اقدام عمل (ڈائرکٹ ایکشن) وغیرہ کے ذریعہ مقابلہ کرکے یا ہمسایہ قوم کے ساتھ خانہ جنگی مین مبتلا کرکے مسلمانون کی جان ومال کو گنوانا (جس کا ابھی ابھی کلکتہ مین کیسا غمناک وعبرتناک تجربہ ہوا) یہ نہ اسلامی جہاد وقتال ہے، اور نہ اس مین صبر وانابت یا رجوع الی اللہ کے ساتھ اس دینی اصلاح حال کے لئے امن واطمینان نصیب جو مسلمانون کے حق مین اصلی تدبیر ہے، یہ رائج الوقت تدابیر حضرت مجدد وقت کے نزدیک جائز کیا سرے سے حرام اور خودکشی کی صورتین ہین، مومن کی جان ومال اس کی ملک نہین، وہ اس کا صرف امین ہے، اس کا مرنا جینا سب خدا کے لئے اور خدا کے حکم سے ہے، جب تک اس کا علم واطمینان نہ ہو کہ جس مقصد کے لئے، اور جس راہ سے وہ جان ومال دے رہا ہے، وہ خدا کی راہ اور خدا کی مرضی ہے، اس وقت تک بدن کا ایک رویان بھی دینا جائز نہین، احقر اسلامی سیاست وجہاد بابت جامعہ عثمانیہ کے لکچرون مین ہمیشہ بلا شرم وحجاب کہا کیا کہ محض ملک وقوم کی آزادی خریدنے یا جمہوریت واشتراکیت کے قیام کے لئے اپنے جسم کا ایک رویان پیش کرنا بھی معصیت جانتا ہون، ہان خدا ورسول کی مرضی وحکم کے آگے مومن کی جان ومال سب بے قیمت ہین۔"

ذیل مین ملفوظ مذکورہ کے ضروری اقتباسات درج ہین، یہ ملفوظ "کشمیر" کے متعلق ایک مولوی صاحب کے کچھ سوالات کے جوابات کی صورت مین ہے، پہلا سوال یہ ہے کہ مسلمانون کے جو جتھے کشمیر جارہے ہین

ان کا مقصود لڑنا نہیں صرف حکومت پر اثر ڈالنا ہے، یہ صورت شرعاً کیسی ہے؟ جواب میں ارشاد ہے کہ

"یہ شرعی لڑائی تو ہے نہیں، اب دو ہی صورتیں ہیں یا قتال پر قدرت ہے یا عجز، اگر قدرت ہے تو قتال ورنہ صبر، درمیان میں اور کوئی چیز نہیں، اور نہ یہ درمیانی صورتیں سمجھ میں آتی ہیں، اور نہ آج کل کی درمیانی صورتیں اسلامی صورتیں ہیں، سب دوسری قوموں کی تقلید ہیں،

لیکن اگر بغیر لڑے ہوئے اس صورت کو اختیار کرکے کامیابی ہو جائے، تو اس کے اختیار کرنے میں شرعاً کیا ہرج ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ

یہ تھوڑا ہرج ہے کہ نص کے خلاف ہوا .... اب اس صورت کا نصوص کلیہ میں داخل ہونا ثابت کر دیں، تو میں بھی مان لوں گا، خدانخواستہ ضد یا ہٹ تھوڑا ہی ہے، باقی نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد و قیاس کوئی چیز نہیں اور نہ ہم کو اس قسم کے تصرف کا حق ہے،

سوال آیت جہاد میں "مِنْ قُوَّةٍ" نکرہ ہے، اور اس وقت جیل جانے کی قدرت ہو،

جواب:- قدرت سے یہ قدرت مراد نہیں، بلکہ جس قدرت میں خصم کو کوئی ضرر ہو اور اپنا ضرر یقینی نہ ہو،

سوال:- جیل جانے میں تو کوئی ضرر نہیں معلوم ہوتا، اور خصم کا ضرر ہے، یعنی اغاظت پھر کیا حرج ہے،

جواب:- اگر قدرت اضرار یہی ہے تو اس کی بھی قدرت ہے، کہ دشمن کے منہ پر تھوک دیں، یا ڈھیلا ماریں، مگر اس میں اپنا ضرر ہے، اس لئے ایسا نہیں کرتے، حاصل یہی کہ قدرت سے مراد وہی قدرت ہے، جس میں دشمن کا ضرر ہو،

اور اپنا ضرر یقینی نہ ہو خوب سمجھ لیجئے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں، اس پر سب کو قدرت ہے، لیکن اس کے کر لینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا ان کے دفع پر قدرت نہیں، دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے، اور اس کے کر لینے کے بعد جو خطرات پیش آئیں گے، ان کی مدافعت پر بھی قدرت ہو، پہلی صورت لغوی استطاعت ہے؛ اور دوسری شرعی استطاعت، اور مدافعت کی فرضیت کے لئے پہلی نہیں، بلکہ دوسری یعنی شرعی استطاعت شرط ہے، جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا، کہ من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ ہے،

ظاہر ہے استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفار کی تقدیر کب محقق ہو گی، یعنی اگر کسی فعل کی فرضیت کے لئے محض اس فعل پر قادر ہونا کافی ہو، اور اس سے جو خطرات پیش آنے والے ہوں، ان کے دفاع پر قدرت ہونا شرط نہ ہو، تو زبان سے انکار کرنا ہر وقت فرض ہونا چاہئے، کیونکہ زبان کا چلا دینا ہر وقت ہی قدرت میں ہے، پھر وہ کونسی صورت ہو گی جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر زبان سے بھی مٹانے کی قدرت نہ ہو تو دل سے مٹا دے، اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پر قدرت کے ساتھ اس میں ایسا خطرہ نہ ہو جس کی مقاومت و مقابلہ بظن غالب عادتہً ناممکن ہو، ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں نہ مبتلا ہو جائیں،

جھٹوں کا جیل جانا، پٹنا، یا بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خودکشی کے مرادف ہے، اور خودکشی سے اگر کسی کو فائدہ پہونچے، تب بھی تو جائز نہیں، یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خودکشی سے کفار پر اثر ہوگا، تو کیا خودکشی جائز ہو جائے گی، اور جیلوں میں جانا اور بھوک ہڑتال کرنا کیا خودکشی کے مرادف نہیں،

اس پر سوال ہوا کہ ضرر تو قتال میں بھی ہے، ایسا اثر ضرر کہ جان جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ چونکہ قتال مقصود و منصوص ہے، اس لئے اس کے ضرر کا اعتبار نہیں، اور یہ نئی تدابیر اور طریقۂ کار غیر منصوص ہیں، اس لئے اس کے ضرر کو دیکھا جائے گا، اور دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود یہ ہے کہ فتنہ نہو، قتال فتنہ نہیں کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو ہو جاتی ہے، اور ان امور میں تشتت و پراگندگی اور اضاعت وقت ہے،

"اصل یہ ہے کہ لوگ فقہ کو نہیں دیکھتے، پروگرام بناتے وقت، اور فقہ کو بھی محض رائے سے دیکھنا کافی نہیں، اور نہ مفید ہے، بلکہ نصوص اور ذوق کے ساتھ دیکھنا مفید ہے، نہایت دقیق فن ہے، اس واسطے میں ہمیشہ احتیاط کے پہلو کو ترجیح دیتا ہوں"

اور جو مجدد وقت تجدید دین ہی کے لئے مبعوث ہوا ہے، اس سے بڑھکر وقت کی چیزوں کے متعلق صحیح ذوق و فراست ایمانی کا دعویٰ کون کرسکتا ہے اور احتیاط کے پہلو کو ہر معاملہ میں اور ہر قدم پر مرعی رکھنا یہ تو حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کا وہ حصہ ہے، جس میں زیادہ کا تصور بھی دشوار ہے،

اس کے بعد سائل کی طرف سے ایک سوال یہ ہوا، کہ من قتل دون عرضه وماله فهو شهید سے جان دینا جائز نکلتا ہے، تو بھوک ہڑتال وغیرہ کی گنجایش معلوم ہوتی ہے"؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ

"قتل سے مراد خودکشی نہیں، بلکہ قتال ہے یعنی اس نیت سے جنگ کرو، اور لڑو کہ جان، ایمان اور مال بچ جائے، پھر اس قتال میں اگر جان چلی جائے، تو وہ شہادت ہے، قتل ہونا خود مقصود نہیں، بلکہ قتال سے اگر لازم آجائے تو اس کا جواز نکلتا ہے، غرض مقصود قتل نہیں قتال ہے، وہ بھی جب اس کی سب شرطیں پائی جائیں، اور موانع مرتفع ہوں جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے، اور خود قتل کا مقصود نہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن مجید میں

يُقتلون (بصيغہ مجہول) ہر جگہ يَقتلون (بصيغہ معروف) کے بعد ہے جس سے معلوم ہو کہ يقتلون (بصيغہ مجہول) خود مقصود نہين، بلکہ يَقْتلوْن (بصيغہ معروف) سے کبھی لازم آجاتا ہے۔"

یہ ہے تفقہ فی الدین اور فہم نصوص کا مجددانہ ذوق! اب پھر سائل نے یہ سوال اٹھایا، کہ پوری قدرت تو نہین، مگر جو کچھ بھی ہے اس کا استعمال کس طرح کرین، کچھ تو کرنا ہی چاہئے"، اس کا جواب ملاحظہ ہو کہ

"یہ بھی آپ ہی بتا سکتے ہین کہ کیا کرنا چاہئے، میری سمجھ مین تو اس سے زیادہ نہین آتا، کہ اُن کو تبلیغ کرو، دین سکھاؤ، اس کے بعد لڑاؤ (یعنی باضابطہ جہاد) میں پوچھتا ہون کہ ہجرت کے بعد جو مسلمان مکہ مین تھے، اُن کی جانین تک جاتی تھین، اُس وقت اہل مدینہ نے ایک بھی جتھا نہ بھیجا اور جب تک آیتِ قتال نازل نہ ہوئی، صبر کے سوا کوئی حرکت اس آئینی جنگ کی جاری نہ ہوئی بس جنگ کرو تو اسلامی کرو، آئین بائین کہان کی خرافات نکالی"،

پھر چند سوالات کے بعد ایک سوال یہ ہوا کہ "منصوص تدابیر کے مقابل مین اُن تدابیر کو منع تو نہین کیا گیا اُن کی نسبت نہ نہی وارد ہے، نہ حکم، تو اس صورت مین اُن کو مسکوت عنہ کہا جائے گا، ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے"، اس کا جواب خصوصًا قابلِ توجہ ہے،

"جن چیزون کی حاجت خیر القرون مین نہ ہوئی، اور خیر القرون کے بعد پیش آئین، اور نصوص اُن کے خلاف موجود ہون، تو وہ مسکوت عنہا ہو سکتی ہین لیکن اُن چیزون کی حاجت تو ہمیشہ ہی پیش آتی رہی، پھر بھی نصوص مین صرف جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے، تو اس اعتبار سے یہ مسکوت عنہ نہین بلکہ منہی عنہ ہوا، کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہوگا"

"علاوہ ان سب باتون کے ایک اور باریک بات ہے جس کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے، کہ ہر کام کے لئے حدود کی ضرورت ہے، جن کی ان تحریکات مین بھی ضرورت ہے، سو اُن کا تحفظ کون کرے گا یا کرائے گا، ایک لڑکا زمانۂ خلافت مین ہجرت کر گیا، اس کی ماں روتے روتے اندھی ہو گئی، تو اس کو کون دیکھے گا، کہ کس کو جانا (یا ایسی تدابیر مین پڑنا شرعاً) چاہئے، اور کس کو نہیں چاہئے، لہذا اگر تدابیر جدیدہ جائز بھی ہون، تب بھی اس کی ضرورت ہے، کہ کوئی امیر (ماہر و متبع شریعت) ہو تاکہ حدود کی رعایت خود بھی کرے، اور دوسرون سے بھی کرائے، بلا ایسے امیر کے کچھ نہیں ہو سکتا"

اسی سلسلہ مین امیر کے متعلق تحریک خلافت کے زمانہ کا ایک بڑا دلچسپ اپنا مکالمہ ایک بڑے پرجوش ذہین و فہیم شریک تحریک کے ساتھ بیان فرمایا، جو سننے اور سمجھنے کے لائق ہے، ان پُرجوش نوجوان کو دعوی تھا، کہ حضرت کو پانچ منٹ مین قائل کر کے تحریک خلافت مین شریک کر لین گے، چنانچہ آتے ہی اُنھون نے کہا کہ بلا تمہید عرض کرتا ہون، کہ آپ اس تحریک مین شریک کیون نہیں؟ حضرت نے فرمایا، کہ

"مین بھی بلا تمہید عرض کرتا ہون کہ جو کام اس وقت اٹھا ہے، اس مین ضرورت ہے اتفاق کی، حدوثاً بھی اور بقاءً بھی، اول تو مجھکو حدوث اتفاق ہی مین کلام ہے لیکن علی سبیل التنزل مان بھی لیا جائے، تو بقاء کا کون ذمہ دار ہے، بقاء کے لئے صرف ارادہ کافی نہیں، قہر و قوت کی ضرورت ہے، اور وہ قوت امیر المومنین ہے، اور اس وقت مسلمانون کا کوئی امیر المومنین نہین، جو اُن کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکے، جو روح ہے اس کام کی...... کہنے لگے ہم آپ ہی کو امیر المومنین بناتے ہین، مین نے کہا کہ مین تیار ہون، مگر کچھ شرائط ہین، اوّل یہ کہ ہندوستان کے تمام مسلمان اپنا تمام مال و جائداد میرے نام ہبہ کر دین، مین بھیک مانگنے والا امیر المومنین نہین ہون گا"

ایسے کام چند دن سے نہیں چلا کرتے ہین، اور جن کے چلے ہین، اُن کے مالی اُن کی جانین اُن کی

آبرو اُن کے بی بی بچے ...... سب خدا کی راہ میں اپنے کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور اصل مقصد میں سب متحد تھے، خلوص سے اُن کے قلوب پُر تھے، اُن کی ہمسری کا کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے، اور اس کا کوئی وقت مقرر نہیں کہ کب تک یہ ضرورت رہے ۔۔۔۔۔ اگر کوئی ضرورت خرچ کی فوری پیش آگئی، اور چلتے ہے نہیں، اب اگر رقم وقت و موقع پر نہ پہنچی تو سوائے ناکامی کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے، مثلاً ضرورت آج ہے، اور آپ کھڑے ہوئے چندہ کو تو کیا ضرور ہے کہ فوراً کامیابی ہو جائے تو ایک یقینی ضرورت کو احتمالی بات پر معلق کرنا کونسی عقلمندی ہے اتو کام سے پہلے اس کا انتظام کیا جائے،

"اس سرمایہ سے جو میرے نام ہبہ ہوگا، سامان جمع کروں گا، ساتھ ہی سب کو حسب حیثیت و مذاق انشاء اللہ تعالیٰ خرچ دوں گا، اور یہ بھی اطمینان دلاتا ہوں کہ بعد فراغ و کامیابی سب کی جائداد وغیرہ بجنسہٖ واپس کر دوں گا"

"دوسری شرط یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مشاہیر علما، اور لیڈروں کے دستخط کراؤ کہ وہ مجھ کو امیرالمومنین تسلیم کریں، اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو میں امیرالمومنین نہیں ہو سکتا، ہاں اگر تسلیم کے بعد پھر کوئی خلاف یا اختلاف کرے، تو امیر کو حق ہے کہ اپنی قوت سے ایسے لوگوں کو دبائے، اور ٹھیک کرے،

"اب سنئے امیرالمومنین ہونے کے بعد سب سے اول یہ حکم دوں گا کہ دس سال کے لئے سب خاموش، ہر قسم کی تحریک اور ہر قسم کا شور و غل بند، اور اس دس سال میں انتظام کروں گا مسلمانوں کے مسلمان بنانے کا اور ان کی اصلاح کا، پھر اس مکمل انتظام کے بعد جو مناسب ہوگا، حکم دوں گا، اور اگر محض کاغذی امیرالمومنین بنانا چاہتے ہو، تو نتیجہ یہ ہوگا، کہ آج امیرالمومنین ہوں گا، اور کل کو اسیر الکفار، فرنگ، آج سردار ہوں گا اور کل کو سرِ دار ہوں گا،

"یہ تقریریں کر اُن کی سب ذہانت ختم ہوگئی، اور یہی مقصود تھا کہ اُن کو اپنے خیالی منصوبوں کی حقیقت معلوم ہوجائے ورنہ کون امیرالمومنین بنتا ہے، اور کون بناتا ہے؟ خلاصہ یہ کہ ہر کام اصول سے ہو سکتا ہے، بے اصول تو گھر کا انتظام بھی نہیں ہوتا ملک کا کیا خاک ہوگا............ اصول کے ماتحت کام کرو، جوش سے نہیں ہوش سے کام لو، جوش کا انجام خراب نکلے گا، حدود شرعیہ کی حفاظت رکھو، لیکن ان باتوں کو لوگ اپنے مقاصد میں روڑا اٹکانا سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر احکام اسلام کو پامال کر کے کوئی کام ہوا بھی تو وہ دین کا کام بہرحال نہ ہوگا،...... تحریک خلافت کے زمانہ میں صاف الفاظ میں کہا جاتا تھا کہ یہ مسائل کا نہیں کام کا وقت ہے، ایک مولوی صاحب جو ان تحریکات میں نہایت جوش اور سرگرمی سے کام کر رہے تھے، مجھ سے خود بیان کیا کہ ہم کو اس تحریک میں وہ کام کرنے پڑے ہیں کہ اگر علماء کو معلوم ہو جائیں تو کفر کا فتویٰ دیدیں' یہ تو حالت ہے اور دعویٰ دین کی خدمت کا ہے"

ایک موقع پر ایک صاحب نے کہا کہ پہلے آپ کے بزرگ بھی تو کھڑے ہوتے تھے یعنی حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، حضرت نے کیا خوب فرمایا کہ

مجھ کو یہ بھی خبر ہے کہ کھڑے ہوتے تھے، اور یہ بھی خبر ہے کہ بیٹھ بھی گئے تھے، اور پھر آخر تک بیٹھے ہی رہے، اب بتلاؤ کہ اپنے بزرگوں کے متبع ہم ہوئے کہ آپ، اس لئے کہ آپ منسوخ پر عمل کر رہے ہیں، اور ہمارا عمل ناسخ پر ہے، پھر کچھ نہ بولے، خدا معلوم کیا سمجھ رکھا ہے' حالانکہ جن وجوہ و اسباب کی بنا پر ان حضرات نے بیٹھ جانے کو ترجیح دی تھی، وہی اسباب اب بھی موجود ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ ابتری و کمزوری نظر آرہی ہے۔"

حضرت کی نظر تو ہر طرف جاتی ہے، آگے فرماتے ہیں کہ

"اور عوام کے بھروسہ پر جب کہ اُن میں دین بھی پورا نہ ہو کسی ایسے کام میں ہاتھ ڈالنا

نہایت خطرناک ہے..... خصوصاً اس حالت مین مضر ہونے مین تو کوئی کلام ہی نہین جب کہ دوسرون کے کندھون پر بندوق چلائی جا رہی ہو، صاف کہتے ہین کہ بدون برادران وطن کی شرکت کے ہم کچھ نہین کر سکتے، ایسی قوت کے بھروسہ پر جس سے کسی وقت بھی اسلامی خیر خواہی و ہمدردی کی امید نہین، کام کرنا کہان تک عقلمندی کہلائی جا سکتی ہے، نہ شرعاً نہ عقلاً، ہزارہا واقعات شب و روز مشاہدہ ہو رہے ہین، کہ وہ کسی طرح اور کسی وقت اسلام اور مسلمانون کے خیر خواہ نہین ہو سکتے"۔

اور جو اصل چیز ہے کہ مسلمانون مین دین پیدا ہو، اُن کی قوت ایک مرکز پر جمع ہو، اُن کا کوئی امیر ہو، اس کا کہین نام و نشان نہین، بس بھیڑ کی چال ہے، کہ جس طرف ایک چلی، سب اُسی طرف چل دیتی ہین، مین بقسم کہتا ہون اور خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے کہتا ہون کہ اگر مسلمان مضبوطی کے ساتھ دین کے پابند ہو جائین، آپس کے مناقشات ختم کر دین، اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کر لین، اور جس کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر، بڑا (امیر) بنائین، اس کے مشورون پر عمل کرین، سر مو اعراض نہ کرین، تو پھر اُن کو نہ کسی کی شرکت کی ضرورت، نہ کسی سے ڈرنے کی، نہ اُن کا کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے، ہر کام طریقہ اور اصول سے ہوتا ہے،

"ہماری تو ہستی کیا، صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) جن کی مقبولیت اور فراست اور عقل تمام دنیا کو تسلیم ہے، انھون نے بھی ساری عمر یہ کام کئے، مگر اصول اور حدود کو ہاتھ سے نہین چھوڑا، یہ تو ہر شخص کی زبان پر ہے، کہ اُن کو کامیابیان ہوئین، اُن کی نصرت ہوئی، وہ تمام عالم پر بے سروسامانی کی حالت مین غالب آئے، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ اُن کا طریقۂ کار کیا تھا، ان کا اس جد و جہد سے مقصود کیا تھا، اُن کی نیت کیا تھی، اُن کے اعمال کیسے تھے، وہ آپس مین، ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کیا کرتے تھے، وہ احکام اسلام پر

کس درجہ عامل تھے، اُن کے قلوب میں اسلام اور احکام اسلام کی کس قدر عظمت و محبت تھی

ثمرات پر تو نظر ہے لیکن اسباب ثمرات پر بھی تو نظر ہونا چاہئے، کھوٹے کھرے کا فرق بسہولت

معلوم ہوجائے گا، اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ہم اُن کامیابیوں اور نصرتوں کے مستحق ہیں،

یا نہیں، نرے دعوے اور زبانی باتیں ہانکنے سے کہیں کام چلا کرتا ہے،

ایسی زبانیں باتوں اور بے اصول کاموں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موپلوں کی قوم کو برباد کرا دیا،

ان لیڈروں اور ان کے ہم خیال مولویوں نے لکچر دیئے، عربی النسل تھے، جوش پیدا ہوگیا،

بھڑک اُٹھے، پھر جو اُن کا حشر ہوا سب کو معلوم ہے، پھر ایک لیڈر بھی وہاں نظر نہ آیا، نہ

کسی نے اُن کی امداد کی، چاہتے ہیں کہ ہم تو صدارت کی کرسی پر بیٹھے رہیں، اور لوگ اپنی

جانیں دیتے رہیں، یہ انجام ہوتا ہے بے اصول کاموں کا"

شریعت کے حدود اور اصول سے نکل کر مسلمانوں کو کبھی کامیابی نصیب نہیں ہوسکتی، اس کا کیسے

کامل یقین و ایمان کے ساتھ برملا اعلان فرمایا ہے کہ

کرو اصول کے خلاف نہ کرو حدود شرعیہ کا تحفظ لگاؤ ایڑی چوٹی کا زور، واللہ ثم واللہ ثم واللہ

ایک انچ بھی تو آگے نہیں جا سکتے مسلمانوں کی فلاح و بہبود تدابیر منصوصہ ہی میں ہے،

بالکل ایسی بات ہے جیسے بعض ماثور دعا کو چھوڑ کر، اور طریق دعا اختیار کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ

اگر یہ طریقہ مقبول اور خدا و رسول کا پسندیدہ ہوتا تو وہ بھی تعلیم کر دیا جاتا، جب نہیں کیا گیا تو

معلوم ہوا کہ یہ نیا طریقہ مقبول و پسندیدہ ہی نہیں، اور غیر مقبول میں خیر و برکت کہاں چہ جائیکہ

اس شخص (گاندھی) کی تعلیمات و تجویزات جو توحید و رسالت کا منکر، اسلام اور مسلمانوں کا

دشمن، اور رئیس المشرکین والکافرین ہو،"

تحریک خلافت کے زمانہ میں ہجرت کا رزولیوشن پاس کر دیا، ہزاروں مسلمانوں کو بے خانماں

کرادیا، پھر ملازمتیں ترک کرنے کی تعلیم دی گئی، مسلمانوں نے نوکریاں چھوڑیں اور ہندوؤں نے اُن کی جگہ کو پُر کیا، بہت سے اب تک جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، بعض کے خطوط آتے ہیں کہ اُس وقت حماقت ہوگئی، اب تک بے روزگاری سے سخت پریشانی ہے"،

یہ اس کی مثال ہے جس کی طرف حضرت نے اوپر قدرت کی لغوی و شرعی تقسیم میں اشارہ فرمایا کہ شرع میں وہ قدرت معتبر ہے کہ مقدور کے کر گذرنے کے بعد جو ضرر لاحق ہونے والا ہے، اس کے مقابلہ کی بھی ہمت و قدرت ہو آگے ارشاد ہے کہ

"یہ ہیں بے اصول کاموں کے انجام، اگر کوئی اصول ہوتا، یا کوئی مرکز ہوتا تو اُن لوگوں کو کیوں پریشانی ہوتی، اور کیوں بددل ہوتے، غرض قدم قدم پر ناکامی و ذلت گلوگیر رہی، مگر پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتی ہیں، جو سوجھتی ہے اُنئی سوجھتی ہے، یہ سب مشرک کی تعلیم پر عمل کرنے کے ثمرات ہیں، اگر مسلمان تنہا اصول کے ماتحت حدود شرعیہ کا تحفظ کرتے ہوئے کسی کو اپنا بڑا بنا کر کام کریں، اپنی مالی و جانی قوت کو ایک مرکز پر جمع کرلیں، پھر کسی کو اختلاف نہ ہوگا مسلمانوں کے جو شرعی مقاصد یا اپنی دینی و دنیوی بہبودی کے مطالبات ہیں، مجھ کو اُن سے اختلاف نہیں اور نہ کوئی مسلمان اختلاف کرسکتا ہے،

مجھکو جو اختلاف ہے وہ طریق کار سے حدود شرعیہ کا قطعاً تحفظ نہیں، سردار یا امیر کوئی نہیں، اختلاف و خلاف کی یہ حالت کہ پارٹی بندیاں ہو رہی ہیں، علماء ایک طرف کو چلے جا رہے ہیں، لیڈر ایک طرف چلے جا رہے ہیں، عوام کی یہ حالت کہ جس نے مرضی کے موافق فتویٰ دیدیا، یا کوئی عالم یا لیڈر ان کے ساتھ ہو لیا، تو اس میں تو سب کمالات ہیں، اس کو عرش پر پہنچا دینگے اگر کسی نے اُن کی مرضی کے خلاف کوئی بات کی، تو تحت الثریٰ میں بھی اس کو جگہ ملنا مشکل ہے"

ہندوؤں اور کانگریس سے حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کو جس درجہ بے اعتباری اور

اُن کے ساتھ مل کر کام کرنے سے جس درجہ اختلاف ہے، اس کا اندازہ فرمائیے، فرماتے ہین :-

"کانگریس کی شرکت جو خالص مذہبی یا سیاسی ہندوؤن کی تحریک ہے جس کا مقصد اسلام اور مسلمانون کو تباہ و برباد کرنا ہے، اور مسلمانون کو ہندوستان سے نکال دینا یا پھر ہندو بنا لینا) اس کا خاص منصبی فرض ہے، یہ سب بالشویک خیالات کے لوگ ہین، (اور اب ان خیالات کے لوگون کی تعداد روزبروز بڑھتی جارہی ہے، ناقل) اور بالشویک نے جیسا کچھ اسلام اور مسلمانون کو تباہ و برباد کیا، دینی مدارس و مساجد کو خراب کیا، وہ ساری دنیا کو معلوم ہے"

"بات یہ ہے کہ جب سرے سے اُن کا کوئی دین ہی نہین، بلکہ اُلٹے لادینی ان کا عین دین ہو، تو اُن کو کسی کے بھی دین کے احترام کی کیا وجہ ہوسکتی ہے، اگر کسی سیاسی و تدبیری مصلحت سے کسی وقت کچھ رعایت بھی کی، تو جب اس کے خلاف موقع و مصلحت ہوگی تو جو بھی چاہین گے، اپنی طاقت کے زعم مین کر گذرین گے، ہندوستان اور کانگرس مین بھی جس طرح روزبروز اشتراکیت و اشتمالیت کے رجحانات اور ان کی جماعت ترقی کر رہی ہے، یقیناً اس کے دیکھتے ہوے یہان بھی دین و مذہب کو عزیز رکھنے والے ان خطرات سے کیسے چشم پوشی کر سکتے ہین، باقی اس سے قبل اگر صرف آزادی یا سوراج ہی کی طاقت ہندوؤن اور کانگرس کے ہاتھ مین آگئی، اس کی نسبت حضرت کی خانہ جنگی کی پشینگوئی تھی، اس کے آثار آج کتنے قریب ہین، فرماتے ہین کہ

"یہ سوراج سوراج ہانکتے پھرتے ہین، اگر اس مین خدانخواستہ کامیابی ہوگئی تو ہندوستان ایک خونی مرکز بن جائے گا، برادرانِ وطن اپنی رکیک حرکتون سے باز نہ آئین گے، مسلمانون مین اشتعال و جوش ہوگا، روزانہ قتال و جدال رہے گا، ... حاصل یہ کہ مسلمانون کا کانگریس مین شرکت کرنا"

ؔ لکھتے وقت قریب تھے، اور چھپنے سے پہلے ہی کلکتہ اور بمبئی وغیرہ کے واقعات نے اس پشینگوئی کو آنکھون کے سامنے کر دیا،

ہندوؤن کے ساتھ مل کر یا اُن کو ملاکر کام کرنا یہ اسلام اور مسلمانون کے لئے نہایت خطرناک بات ہے، وہ مسلمانون کے مذہبی شعائر کو ہندوستان مین باقی چھوڑنا نہیں چاہتے، آئے دن کے واقعات اس کے شاہد ہین، کانپور و کشمیر وغیرہ کے واقعات آنکھون کے سامنے ہین،

دفاتر وغیرہ اور چھوٹی چھوٹی ملازمتون تک کے معاملہ مین اُن کی رکیک حرکات اور تنگ دلیون کا جو حال ہے، وہ سابقہ پڑنے والے مسلمان ہی غریب جانتے ہین، آنحضرت سے بھی لوگ ان حالات کو بیان کرتے تھے، فرماتے ہین کہ

"ایک صاحب مجھ سے کہتے تھے جو دفتر مین ملازم ہین، کہ ہندوؤن کی بدولت ہر محکمہ و دفتر مین مسلمانون کو جن مشکلات کا سامنا ہے وہ بیچارے لیڈرون یا اُن کے ہم خیال مولویون کو کیا معلوم جن پر پڑ رہی ہے وہی خوب جانتے ہین، غرض یہ مسلمانون کی جان و مال و ایمان سب کے دشمن ہین،"

بہرحال مسلمانون کی اصلی راہ تو وہی اپنے دین کو مضبوط کرنا، خدا کو راضی کرنا اور جو کچھ بھی کرنا خالص رضائے حق کی نیت اور شریعت کے اصول و حدود کی حفاظت کیساتھ، اس کے بغیر سوراج یا ملکی آزادی کا اُن کے حق مین مفید ہونا دینی و دنیوی دونون اعتبار سے یقیناً مشتبہ ہے لیکن اس کی فکر نہ کانگرسی مسلمانون نے کی، نہ لیگی مسلمانون کو ہے، اور نہ باوب عرض ہے کہ اس کی فکر جمعیۃ العلما کو ہے، دوسری طرف یہ بھی یقینی ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانون کو ہوش مین آنے کی بہت مہلت دی، اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غفلت کے لئے واقعات کو مزید انتظار کی اجازت نہ ملے گی، مگر جب بھی اُن کو ہوش آئے، اُن کی دنیا و آخرت دونون کی نجات خدا ہی کی طرف بھاگنے سے ہوسکتی ہے،

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی اجتہادی رائے کی بنا پر تحریک خلافت مین سب سے آگے اور ہندوؤن کے ساتھ اور کانگرس مین شرکت کے روادار تھے، مگر دین اور دینی شعائر کی حفاظت کے معاملہ مین یہ نارواداری تھی، کہ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہین، کہ حضرت دیوبندی (شیخ الہند) رحمۃ اللہ علیہ کو جو آزادی

بنایا جاتا ہے، تو کیا اُن کے یہ مقاصد تھے !!

"استغفر اللہ حضرت کی حیات میں حضرت کو دہلی کے ایک جلسۂ شدھی میں مدعو کیا گیا تھا، لیکن حضرت بعض عذروں کی بنا پر تشریف نہ لیجا سکے، اور مولوی صاحب کے ہاتھ خط بھیجا، اور یہ ہدایت فرمائی کہ جو مسئلہ مذہبی پیش آئے، اس میں اپنا خیال صاف صاف بدون کسی خوف و مداہنت کے ظاہر کردو اس وقت قربانی گاؤ کے بند کرنے پر زور دیا جارہا تھا، حضرت نے فرمایا کہ یہ مقاصد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے، ہم مذہبی احکام میں ادنیٰ تصرف اور ذراسی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کر سکتے، خواہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں ہم سے جو خدمت اسلام کی بن پڑے گی، کرتے رہیں گے"

اسی سلسلہ میں سلطان صلاح الدین کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ

"مولانا (دیوبندی) تو بڑی چیز ہیں، سلاطین اسلام باوجودیکہ دنیا دار کہلاتے ہیں، مگر اُن میں بھی جس کے دل میں اسلام اور احکام اسلام کی عظمت اور احترام تھا، اُنھوں نے شریعت مقدسہ کے خلاف کرنا گوارا نہیں کیا، اس کی بھی پروا نہیں کی، کہ سلطنت رہے گی یا جائے گی،

سلطان صلاح الدین نے جس وقت ملک شام فتح کیا، تو وزراء نے عرض کیا، کہ یہ نصرانیوں کا ملک اور نیا مفتوحہ ہے، اس ملک کے لوگ نہایت سرکش و سخت ہیں، اور اسلامی سیاسیات نرم ہیں، اس لئے ضرورت ہی کہ علاوہ احکام اسلام کے اگر کچھ اور قوانین بھی ان پر قابو رکھنے کے لئے نافذ کردئیے جائیں، تو نہایت مناسب ہوگا، اس پر سلطان نے جو جواب دیا، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے،

کہا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نے جو ملک فتح کیا ہے، وہ حکومت وسلطنت کرنے کے لئے، میں نے محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے یہ سب کوششیں کی ہیں، احکام اسلام ہی کو نافذ کروں گا، ملک رہے یا جائے، ایک حکم بھی خلاف اسلام نہ کروں گا، علماء اور لیڈر اس واقعہ سے سبق حاصل کریں، ان حضرات کی کامیابی کے راز یہ تھے، اور یہاں یہ حال ہو کہ ملک ملنے سے پہلے ہی شریعت مقدسہ کی قطع و برید

شروع کر دی، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ"

یہ الافاضات الیومیہ حصہ اول ۲۳ر رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ کے قریباً ۲۳ صفحات (از ص ۷۴ تا ص ۹۶) کے ایک طویل مکالمہ و ملفوظ کی ضروری تلخیص تھی، جس سے آج کل کی قومیات و سیاسیات سے متعلق حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدید وتحقیق کا بڑی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور جس کا حاصل یہ ہے کہ ان قومی یا سیاسی تحریکات کا نہ تو مقصود ہی دین ہے، اور نہ اُن کے طریقے ہی دینی ہیں، جو کچھ ہے، سب غیروں کا فروں اور مشرکوں کی تعلیم کی بُری بھلی نقالی ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے بحیثیت مسلمان نہ ان میں شرکت کے کوئی معنی ہیں، اور نہ یہ شرکت شرعاً جائز ہے، اور نہ ان طریقوں سے مسلمانوں کی دینی یا دنیوی کامیابی ممکن ہے، یہ تو اس باب میں تجدید کا سلبی یا منفی پہلو تھا، مثبت و ایجابی پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کی دینی و دنیوی کامیابی کا انحصار اس پر ہے، کہ اُن کا نہ صرف مقصود ہی بالکلیۃ دین اور رضائے حق ہو، بلکہ اس مقصود کے حصول کی تدابیر بھی بالکلیہ شریعت کے مقرر فرمودہ اصول و حدود کے تابع ہوں، نیز یہ کہ مسلمان سے مطالبہ بالذات "ایمان و عمل صالح" کا ہے، اور قومی و سیاسی ترقی یا حکومت و سلطنت اس کا ظل ہے اور ظل کے پیچھے دوڑنے کی کیا ضرورت، وہ تو اصل کے ساتھ آپ ہی لگا رہتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا اٹل وعدہ ہے، کہ

"وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ"

یا حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے رنگ میں یوں کہو کہ حکومت و سلطنت مقصود نہیں موعود ہے"

راقم الحروف کو ایک مدت تک مولانا مودودی کی تحریک قیام حکومت الٰہیہ سے متعلق بہت خلجان رہا، ایک طرف تو اُن کا یہ دعوی اپنی جگہ بالکل درست تھا، کہ حکومت و سیاست کے جتنے موجودہ و رائج الوقت نظریات و نظامات ہیں، وہ خواہ بعض باتوں میں کچھ سطحی و ظاہری مماثلت ہو، لیکن اصولاً و حقیقۃً اسلامی حکومت و سیاست کے نقطۂ نظر کی بالکلیہ نفی و ضد ہے، کیونکہ یہ سارے نظریات و

نظامات حکومت کسی نہ کسی صورت مین انسان پر انسان ہی کی حاکمیت کے حق کو قائم رکھتے ہین جس کی اسلام سرے سے نفی کرتا ہے[1]، اور انسان پر صرف احکم الحاکمین کے حکم و حاکمیت کو جائز رکھتا ہے، لہذا ان نظریات و نظامات کے ساتھ مسلمانون کا تعاون بھی کسی طرح جائز نہین[2] لیکن دوسری طرف مولانائے موصوف نے حکومت الٰہیہ کے براہ راست قیام کی دعوت جو اس طرح دینا شروع فرما دی کہ گویا وہ مقصود بالذات ہے، اور اس کے قیام کے بغیر گویا مسلمان مسلمان ہی نہین رہ سکتے، اور اُس کے لئے ایک جماعت تک بنا ڈالی، یہ راہ عمل کسی طرح حلق سے نہین اُترتی تھی،

جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور سوانح مین اس کی کوئی سند نہین ملتی تھی، کہ انھون نے اپنی بعثت کا مقصود یا اپنا کلمۂ دعوت براہ راست حکومت الٰہیہ کو قرار دیا ہو،[3] بلکہ حدیث مین تو یہان تک ہے کہ بعض انبیاء قیامت مین ایسے ہون گے کہ جن کا ایک بھی متبع و امتی نہ ہوگا اور بعض کا صرف ایک ہی ہوگا، ظاہر ہے کہ اُس سے نہ تو ایسے انبیاء علیہم السلام کے کمال نبوت مین کوئی کمی رہی، اور نہ اُس ایک اُمتی کے کمال ایمان میں، پھر یہ اوّل دن ہی سے براہ راست رائج وقت و قائم الوقت حکومت کو اعلان جنگ دینا، اور اُس کے مدّمقابل خود اپنے لئے حکومت و حاکمیت کا دعویٰ کر دینا تھا، جس کی بدولت ابتدا ہی سے گویا خود اپنی ہی طرف سے بعثت کے اصل مقصود یعنی توحید الٰہ (یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الٰہ غیرہ) کی راہ مین پہاڑ کھڑا کر دینا اور دراصل طرح طرح کے فتنہ و فساد کو دعوت دینا ہوتا، کیونکہ پہلے ہی دن سے یہ سمجھ مین آنا عملاً ناممکن ہے کہ ہماری حکومت کو چھینکر اپنی نہین بلکہ خدا کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہین،

---

[1] یہ دعویٰ ہی مطلق صورت مین نہ نصوص شریعت کے مطابق ہے نہ عقل و تجربہ کے، اسلام نے مخلوق سے نفی تو صرف معبودیت، الوہیت، ربوبیت کی کی، نہ کہ مطلق حاکمیت کی عبدالماجد [2] یہ دعویٰ بھی نظرثانی کا بہت زیادہ محتاج ہے، عبدالماجد [3] بلکہ اس کے برعکس بعض انبیاء نے تو نظامات باطل سے تعاون کیا ہے، عبدالماجد

باقی یون تو خود توحید کی دعوت کو قبول کر لینے کا لازمی نتیجہ ہی یہ ہے کہ انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جب اور جس درجہ مین ممکن ہوگا اپنے اوپر سے اپنے جیسے انسانون کے حکم و حاکمیت کے جوے کو اتار پھینکے گا،[1] اور حکومت و حاکمیت کا نام لئے بغیر ہی جس دن توحید الٰہ یا لا الٰہ الا اللہ کی اصل دعوت کے گرد اولاً ایمان و عمل صالح سے اور ثانیاً وقت اور حالات کے مقتضی کے بقدر ضرورت جنگ و مقابلہ کے ظاہری اسباب سے مسلح کوئی جماعت پیدا ہو جائے گی، تو ظاہری حکومت کے سامان بھی نفس حکومت و سلطنت کے لئے نہین بلکہ اسی دعوتِ توحید کی خدمت و اعانت کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ فراہم ہو جائین گے، جیسا کہ خود اسلام کی تاریخ اسی طریق عمل کی شاہد و معلم ہے، اور پھر اس طریقہ سے وجود مین آنے والی حکومت و سلطنت کا بقا و عروج و زوال بھی اس جماعت کے ایمان و عمل صالح کے بقا اور ترقی و تنزل ہی کے ہم قدم ہوگا،

یہ باتین الحمد للہ سب سمجھ مین آتی تھین، لیکن کوئی صاف و صریح نص سامنے نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ خلجان ضرور تھا، اور شرح صدر حاصل نہ تھا، اسی دوران مین غالباً اثنائے تلاوت مین اس آیت پر اللہ تعالیٰ نے متوجہ فرمایا کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ وَلَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا

بس سارا خلجان کافور ہو گیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت اسی وقت اور اسی نادان کے اطمینان قلب کے لئے نازل ہوئی ہے، غرض مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اصل کام اور مقصود بالذات سلطنت و حکومت، یا آج کل کی اصطلاح مین آزادی و خود مختاری کی فکر مین پڑنا نہین، بلکہ خود اپنے ایمان کو درست کرنا اور اعمالِ صالحہ کو اختیار کرنا یعنی اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام شعبون مین موجودہ قدرت و استطاعت کی حد تک پہلے مسلمانون کو خود اپنے تئین اصول و فروع مین احکام الٰہی کا محکوم بنا دینا ہے، پھر ان شاء اللہ

[1] صرف اسی حکم و حاکمیت کو جو توحید و طاعت الٰہی کی راہ مین حائل ہوگی، (عبد الماجد)

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ یا ارضی خلافت وحکومت کا قطعی وعدہ پورا ہونے کے سامان غیب سے ظاہر ہو گئے

ثم الحمد للہ کہ اس کے بعد پھر خوب سمجھ میں آگیا، کہ مسلمانوں کی راہ عمل نہ جلسے اور جلوس ہیں، نہ ہڑتال اور احتجاج، نہ ستیہ گرہ، اور مرن برت، نہ آئینی جد و جہد، اور نہ غیر آئینی مقابلہ، نہ رسائل واخبارات، نہ جماعت سازی اور کمیٹی بازی، ان کا صاف سیدھا ہموار، واستوار راستہ بس ایمان وعمل صالح ہے، اور جب اس راستے سے ہم خلافت ارضی کے صالح ہو جائیں گے، تو اس کا وعدہ بھی قطعًا پورا ہو کر رہے گا، بلکہ ابھی تو جب تک ہمارا مقصود بھی غیروں کی طرح نفس حکومت ہی ہے، حکومت نہ عطا ہونا ہی عین حکمت ورحمت ہے، ورنہ بجائے اس کے کہ ہم اس حکومت کو دین کے لئے استعمال کریں (جیسا کہ خود اس آیت ہی کے آخر میں مذکور ہے کہ وہ ہر طرح سے بے خوف و مامون ہو کر اصل مقصود یعنی میری بندگی میں لگ جائیں، اور شرک کی آلائش سے اس طرح نکل جائیں، کہ کسی شئے کو بھی میرا شریک نہ بنائیں) اسلئے قوی اندیشہ ہے، کہ ہم دنیا میں زیادہ غرق اور دین سے غافل ہو کر رہا سہا خدا ورسول کا جو کچھ نام زبان پر رہ گیا ہے، اس کو بھی خدانخواستہ چھوڑ بیٹھیں،!

بھلا اس باب میں ایسی صاف وصریح نص سے حضرت مجدد وقت کی نظر کیسے محجوب رہ سکتی تھی، سو اب اسی مسلمانوں کی ترقی کی بحث کے سلسلے میں خود حضرت کے ہاں بھی اسی آیت کے استعمال کو دیکھ کر راقم الحروف کے اطمینان قلب پر مجدد وقت کی مہر توثیق لگ گئی، چنانچہ اس آیت کو نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ

"اس صاف ارشاد پر بھی نظر نہیں، کس قدر صاف طریقہ سے ان عملوں (یعنی اعمال صالحہ) کا خاصہ بیان فرمایا، اور پھر ترقی کا وعدہ بھی فرمایا ہے، جس کے خلاف ہونے کا احتمال بھی نہیں، کیا اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر ترقی کی ہو سکتی ہے، (اور سب سے بڑی ترقی آج کل حصول حکومت ہی کو سمجھا جاتا ہے، ناقل) جس کے ناکام ہونے کا بھی وہم نہ ہو، جس میں سو فی صدی کامیابی ہی

کامیابی ہے، خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے، اس کے خلاف نہیں ہوگا، اس لئے اس تدبیر مین کامیابی

بالکل یقینی ہے، (الافاضات الیومیہ حصہ دوم ص ۲۹)

لیکن موجودہ قومیات و سیاسیات کے اکھاڑے مین کود کر خدا تعالیٰ کے اس حتمی وعدہ اور صدق کامیابی والی تدبیر پر تو کیا نظر رہ سکتی، الٹے ہمارے اچھوا چھون تک کی غفلت ہی نہین، بلکہ جرأت و جسارت بعض دفعہ اس حد کو پہنچ جاتی ہے، کہ رہے سہے ایمان کا بھی خدا ہی حافظ! ایک وعظ (تعظیم العلم) مین اس کی حضرت نے بڑی ہی عبرتناک مثال بیان فرمائی ہے، جس کے بعد اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے، کہ اس حال مین قومی و سیاسی ترقی تو مسلمانون کو کیا نصیب ہوگی، بس اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھین فرماتے ہین، کہ

"بعض علما سے آج کل کہا گیا کہ عوام بعض امور مین شریعت کی حد سے بہت دور نکل گئے ہین، اس کی روک تھام ہونی چاہئے۔ تو فرماتے ہین کہ میان جوش و خروش مین ایسا بھی ہو جاتا ہے، کچھ پروا نہین اس وقت تو کام ہونے دو، پھر بعد مین مسائل کو بھی دیکھ لیا جائے گا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اے صاحبو آسمان نہین پھٹ جاتا، زمین نہین شق ہو جاتی، جب ایک عالم کی زبان سے ایسے بیہودہ کلمات نکلتے ہین، (ص ۵۵)

اصل یہ ہے کہ وہ زیادہ بے باک تھے، زبان تک پر ایسے بیہودہ کلمات آ گئے، ورنہ عام حال ان قومیات و سیاسیات مین پڑنے والون کا بھی دیکھا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے، دل خدا کے خوف اور دین کی عظمت سے بالکل خالی ہو گئے ہین، (نعوذ باللہ من شرور انفسنا و مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا) آگے پھر اسی وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ والی اصل اسلامی و دینی تدبیر پر توجہ دلاتے ہوئے ارشاد ہے کہ

"بس ساری تدبیرون کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو راضی کر لو، سب کام بن جائین گے، ذرا اس تدبیر کو اختیار کر کے تو دیکھو اسی مین وعدہ ہے، مال و جاہ، عزت و شوکت سب کے حاصل ہونے کا،

(کیونکہ) اس آیت مین استخلاف فی الارض کا وعدہ ایمان واعمال صالحہ ہی پر مرتب فرمایا ہے؛
لیکن مومن وکافر کی اس دنیاوی حکومت مین بھی زمین وآسمان کا فرق ہے، کافر کا مقصود تو
اس حکومت سے خود حکومت اور دنیا ہی ہے؛ بخلاف اس کے

"مومن کے استخلاف فی الارض کی غایت بھی دین ہی فرمائی ہے، کہ یعبدوننی ولا یشرکون
بی شیئًا، یعنی یہ استخلاف فی الارض اس لئے ہے تاکہ وہ امن واطمینان کے ساتھ میری عبادت و
بندگی بجالائین، اور کسی چیز کو بھی میرا شریک وسہیم نہ ٹھہرائین) اس سے صاف معلوم ہوا کہ استخلاف
فی الارض مقصود بالذات نہین، بلکہ مقصود بالذات ایمان، اعمال صالحہ اور اتباع احکام ہے، اور
سلطنت عطا فرمانے کا وعدہ اسی کے استحکام وحفاظت کے لئے ہے"،

تو بھلا یہ خلافت ارضی ایسے لوگون کو ان ایسی راہون اور تدبیرون سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے،
جن مین قدم قدم پر احکام الٰہی کی پیروی کے بجاے ان کی پامالی ہوتی ہو، اور جن کے اختیار کرنے والے مسلّم
ومتفق علیہ احکام وفرائض تک کی پروا نہین کرتے، اوپر مسلمان مولویون کا حال سُنا تھا آگے مسلمان
مسٹرون کے حال ونمونہ کا ایک ملفوظ سے اندازہ فرمائیے،

"اسی (تحریک خلافت) کے زمانے مین ایک علی گڈھ کا طالب علم آیا، جو عصر کے وقت آیا، مگر نماز
نہین پڑھی، اُس نے مجھ سے ترک موالات ہی کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا، مین نے کہا کہ پہلے اپنی
تو خبر لو، انگریزون سے ترک موالات اس لئے کیا تھا کہ ترکون سے لڑے، مگر نماز جو نہین پڑھی تو
خدا سے ترک موالات کیون کیا شاید اس لئے کہ اس نے انگریزون کو غلبہ کیون دیا"،

(الافاضات حصہ اول ص ۲۴)

یہ بھی حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی عملی تجدید واصلاح ہی کا رنگ تھا کہ "پہلے اپنی خبر لو" (قوا انفسکم
واھلیکم نارًا) کے لئے ٹوک تو دیا، ورنہ عام قومی وسیاسی علماء کا تو یہ رنگ دیکھا کہ دن رات قومیات

سیاسیات مین کام کرنے والے اُن کے سامنے نمازین کھاتے رہین، مگر نرمی یا سختی سے کچھ تفہیم وتنبیہ کیا معنی؛ تغیر بالقلب تک کا کوئی اظہار نہین ہوتا، نمازی و بے نمازی سب سے یکسان بشاشت کے ساتھ مجالست و مکالمت و مشاربت و مواکلت سب ہی کچھ جاری رہتی ہے، البتہ لیگ یا کانگریس کو ووٹ دینے نہ دینے پر گرماگرم گفتگو اور ناگواری سب ہی کچھ ظاہر ہوتی ہے!

نماز جیسی دین کی جڑ اور بنیاد کا تو ذکر ہی کیا حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کے نزدیک تو اعمال یا فروع ایمان مین کوتاہی کرنے والون کے ساتھ دوستی وبشاشت کا برتاؤ اقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔ تواصی بالصبر کے وعظ مین فرماتے ہین کہ

"ایسے شخص سے آپ کا دل کیونکر ملتا ہے جو فروع ایمان مین ناقص ہے، اس سے بےتکلف دوستی کس طرح کی جاتی ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین، کہ جو کوئی تم مین سے امر منکر کو دیکھے تو اُس کو ہاتھ سے مٹائے، یا زبان سے یا دل سے، پھر یہ کیا غضب ہے، کہ ہم لوگ امر منکر کو دیکھکر نہ ہاتھ سے روکتے ہین، نہ زبان سے نہ دل سے نفرت کیجاتی ہے، بلکہ اعمال مین کوتاہی کرنے والون کے ساتھ وہی دوستی وہی بشاشت"

غرض قومیات وسیاسیات مین حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی تجدید واصلاح کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ مسلمانون کی قومی وسیاسی ترقی وکامیابی کا بھی پہلا قدم اللہ ورسول سے موالات ہے، نہ کہ ہندؤون سے موالات یا انگریزون سے ترک موالات!

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کین رہ کہ تو میروی بترکستان است

ارشاد ہے کہ

"جن مصالح (حکومت وسیاست وغیرہا) کی وجہ سے احکام الٰہیہ کو پامال کر رہے ہو وہ مصالح بھی خود ان احکام ہی کی اتباع پر موقوف ہین، یاد رکھو مسلمانون کو ہرگز اس طرح فلاح نہیں ہو سکتی کہ

وہ احکام الٰہیہ کو مصالح کے تابع بنا دیں، اور دنیوی اغراض کو قبلہ و کعبہ بنالیں، باقی کفار کی حالت دیکھ کر تم کو دھوکا نہ کھانا چاہئے، کہ وہ خدا کو ناراض کرکے بھی ترقی کر رہے ہیں، (جس کی وجوہ اوپر معلوم ہو چکیں)

اور پھر ایمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر خدا کو ناراض کرکے سلطنت و حکومت سب کچھ مل جائے تب بھی مومن ایسی سلطنت پر لات مار کر "پاخانہ اٹھانا" پسند کرے گا، جیسا پہلے یہ ارشاد مذکور ہو چکا کہ "خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کرکے حاصل کی جائے" (تنظیم المسلمین ص ۱۱)

ان اقتباسات بالا سے آج کل کی قومیات و سیاسیات کے باب میں حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی جو تجدید و تحقیق ہے، وہ قدرے تفصیل کے ساتھ واضح ہو گئی، نیز اسی سلسلہ میں اجمال کے ساتھ اصلاح کی حقیقی و عملی تجویز کی طرف بھی اشارہ فرمادیا گیا ہے کہ کم از کم دس سال کے لئے یہ نام نہاد قومی و سیاسی تحریکات بالکل بند کرکے ساری جد و جہد اور قوت و طاقت مسلمانوں کو مسلمان بنانے میں صرف کی جائے، یعنی موجودہ غیر اسلامی ماحول و حکومت میں بھی، زیادہ سے زیادہ شریعت کے جتنے انفرادی و اجتماعی احکام کا اتباع ممکن ہے، مسلمانوں کو ان کا ہر ممکن تدبیر سے متبع بنایا جائے، اور یہ صرف عقائد و عبادات ہی کے احکام نہ ہوں، بلکہ عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت اور اخلاق، غرض ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اصلاح اور کامل اسلام مدنظر ہو، کام صرف کمیت و تکثیر سے نہیں چلا کرتا، کیف و کمال زیادہ ضروری ہے، اور الحمدللہ کہ ہر طرف سے لادینی کی فضا اور ناموافق حالات کے محیط ہونے کے باوجود آج بھی شریعت کے احکام و تعلیمات کے بیشتر بلکہ کہنا چاہئے کہ ننانوے فی صد حصہ پر عمل ہمارے اختیار و استطاعت میں ہے، جیسا کہ اصلاح انقلاب وغیرہ پر حضرت جامع المجددین کے جامع اصلاحی و تجدیدی کارناموں پر گفتگو کے سلسلہ میں بار بار عرض کیا جا چکا، باقی اگر اس راہ میں کچھ تھوڑی بہت محنت و مشقت یا اِل جا

منزل پیش آئے، تو گیا جب ہم دنیا کی فانی عزت وراحت کے ادنیٰ ادنیٰ مقاصد کی طلب مین اور دنیا کے مجازی حاکمون کی رضا وخوشنودی کے حصول مین اپنے سارے وجود ووقت کے ساتھ غرق ہین، اور اس راہ مین طرح طرح کی جسم وجان کی مشقتین اٹھاتے ہین، تو پھر آخرت کی غیر فانی وابدی فلاح وراحت اور خدا ورسول کی رضا وخوشنودی کی خاطر اگر ہم اتنی بلکہ اس سے بھی بدرجہا کم ہمت نہین رکھتے، تو اپنے ہی گریبان مین سر ڈال کر سوچنا چاہئے، کہ کس منہ سے اپنے کو مسلمان کہتے ہین، کیونکہ مسلمان کے معنی اس کے سوا کچھ نہین، جو اپنے نفس اور ساری دنیا کے مقابلہ مین خدا ورسول کی اطاعت ورضا جوئی کا عہد باندھ چکا ہے، اس کے بعد ہم سے اگر ہمارا سب کچھ مانگ لیا جاتا تو بھی کچھ نہ تھا، لیکن دین کی تیسیر وسہولت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حد ہے، کہ فرمایا جاتا ہے، کہ "بس کچھ تھوڑا سا تمھارا جان ومال وغیرہ کا امتحان ہوگا" (لنبلونکم بشیء من الخوف والجوع الخ)

پھر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی تجدیدی نگاہ مین اس وقت کے حالات اور بالخصوص دین کے باب مین ہماری کمزوری وکم ہمتی پر نظر رکھکر اس تھوڑے سے امتحان کا درجہ بھی یہی ہے، کہ حکومت کافرہ تک سے نہ بالکلیہ کسی "ترک موالات" کو ضروری قرار دیا، نہ نوکریان ترک کرنے کو، نہ عدالتین چھوڑنے کو، نہ جیل جانے کو، نہ گولیان کھانے کو[۱] البتہ نوکریون مین کم از کم اتنی احتیاط کی ہدایت ہے، کہ اگر کوئی اور صورت معاش کی نہین تو تعلیمات وغیرہ کی ویسی نوکریان کرو، جن مین عدالتی عہدون وغیرہ کی طرح شریعت کے احکام کی صراحۃً مخالفت نہ کرنا پڑے، بلکہ اگر اتفاق سے کسی ایسی ملازمت مین بھی مبتلا ہو اور کم ہمتی سے اس کا اندیشہ ہو کہ اس کو ترک کرکے اور زیادہ مفاسد مین پڑ جاؤ گے، مثلاً معاشی تنگی کا تحمل نہین، اس کی پریشانیون مین پڑ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ شکایت پیدا ہو، نماز روزہ کے فرائض سے بددل ہونے کا ڈر ہو، (کاد الفقر ان یکون کفراً) تو ایسی صورت مین جب تک کوئی دوسرا ذریعہ پیدا نہ ہو

---

۱ یہ سب بجائے خود بالکل درست ہے لیکن ان الحکم الا للہ کی مودودی تشریح وتفسیر کے بالکل منافی (عبد الماجد)

ایسی ملازمت کو معصیت سمجھتے اور استغفار کرتے رہو، ساتھ ہی اس کی پوری کوشش کرتے رہو، کہ جلد از جلد اس سے نجات ہو، خواہ اس کوشش میں زندگی بھر کامیابی نہ ہو، مگر کوشش کا حق ادا ہو، محض کوشش کا نام نہ ہو، اسی طرح اگر دیکھتے ہو کہ کوئی ایسا مالی وجانی مقصد یا ناقابل تحمل ضرر پہنچ رہا ہے، جس کے رفع کے لئے عدالتی چارہ جوئی سے چارہ نہیں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، فقہار نے ایسی صورتوں میں رفع ظلم اور حصول حق کے لئے رشوت تک کی اجازت دی ہے، اتنی سہولت و رعایت پر بھی اگر دین و شریعت کی پیروی و اطاعت سے گریز ہے، تو پھر دین کا نام ہی کیوں لیتے ہو،

چون بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

آج کل پڑوس میں ایک بڑے عہدہ دار مقیم ہیں، یوں بیچارے نیک ہیں، بہر حال بڑے عہدہ دار ہیں، اُن کا تو ذکر ہی کیا اُن کے نوکروں چاکروں سے کبھی نماز اور مسجد کے لئے کہتا ہوں جو قریب ہی ہے تو طرح طرح کے بہانے کرتے ہیں، پھر کہتا ہوں کہ اچھا اگر پانچ روپیہ مہینہ دیا کروں کہ پانچ وقت مسجد جا کر نماز پڑھ لیا کرو تو اقرار کر لیتے ہیں، کہ ہاں صاحب تب تو ضرور جائیں گے، سمجھاتا ہوں، اور کہتا ہوں کہ بھائی جب تمہارے نزدیک مہینہ بھر کی ڈیڑھ سو نمازوں کی قیمت پانچ روپیہ یا ایک وقت کی نماز کی قیمت گویا دو پیسہ بھی نہیں تو پھر سمجھ لو کہ تم کتنے اور کیسے مسلمان ہو، بیچارے غنیمت ہے شرما جاتے اور بعضے کچھ ہاں ہوں بھی کر لیتے ہیں مگر اس سے آگے کچھ نہیں، !

غرض آج کی اصطلاح میں یوں کہو کہ یہ دس سال کی "منصوبہ بندی" حضرت نے پہلے مسلمانوں کی اسی شدید دینی بے حسی و بے پرواہی کو دور کرنے کے لئے تجویز فرمائی ہے تاکہ اُن کے اندر دین کی طلب و رغبت اور زندگی کے تمام شعبوں میں احکام دین کی اطاعت کا اہتمام از سر نو زندہ ہو، جو ان کی ساری قومیات و سیاسیات کی جڑ ہے، بلکہ یہی اُن کی عین قومیت و سیاست سب کچھ ہے، جب تک یہ جڑ از سر نو ہری نہیں ہوتی، نہ صرف دینی بلکہ کسی قسم کے دنیوی ترقی کے ثمرات بھی مسلمانوں کو نصیب نہیں ہو سکتے مسلمانوں

کی قومی و سیاسی یا دنیوی ترقی بھی بالکلیہ دینی ترقی کے تابع ہے، اس پر حضرت کو اتنا اذعان و اصرار ہو "کہ تم دنیا ہی کی ترقی کے لئے اور دوسری تدابیر کی طرح بطور ایک تدبیر ہی کے اُس کو ایک دفعہ آزما تو دیکھو" دنیوی ترقی کے پیچھے جان دینے والے مسلمانوں کو اس دنیا طلب دور کے مجدد کی طرف سے جب اس تک کی اجازت ہے، کہ تم دنیا ہی کے لئے دین کو ایک مرتبہ اختیار کر دیکھو تو پھر اس سے زیادہ اتمام محبت کے لئے کیا چاہئیے مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ مسلمان کسی نہ کسی راہ سے دین کو پکڑ لیں پھر اُس کی ذات میں تو وہ محبوبیت و کشش ہے، کہ اس کا ذوق شناس ساری دنیا کی ترقی اور ہفت اقلیم کی سلطنت لے کر بھی دین کے باغ کا ایک تنکا دینا گوارا نہ کرے گا،

گر ز باغِ دل خلالے کم بود

بر دلِ سالک ہزاران غم بود

مسلم لیگ صوبوں کی گروہ بندی کا سراب دیکھ کر دوڑ پڑی کہ بس اب دس سال میں پاکستان حاصل ہوتا ہے، لیکن اس سراب کے قریب جا کر کیا پایا، ! کاش یہ مسلم لیگ مسلمانوں کے الد الخصام تھرڈ ن سے سرمارنے اور اسلام کے دشمنوں پر بھروسہ کرنے اور اُن سے معاملہ کرنے کے بجائے ایک مرتبہ اسلام کے خدا پر صرف دس سال ہی کے لئے بھروسہ اور اُس سے معاملہ کرکے آزما دیکھتی کہ کیا ہوتا ہے[1]!

لیکن حضرت کی تجدیدی و ایمانی فراست نے اندازہ فرمالیا تھا، کہ مسلمانوں کے اندر اب کسی بڑے مرکز کے گرد خصوصًا دین کے نام سے جمع ہونے کے آثار نہیں، اور نہ ان میں اجتماعی راہ سے کام کرنے کی صلاحیت رہ گئی ہے، شاید اسی لئے اس دس سال کے خیال یا امیر کی مرکزیت کی بھی بس اس ایک آدھ اشارہ سے زیادہ کوئی تفصیل نہیں ملتی، تبلیغ جیسے خالص دینی کام کے سلسلے میں فرماتے ہیں، کہ

---

[1] یہاں یہ تصریح ضروری تھی کہ ہر حال میں اور سارے سیاسی اداروں سے مسلم لیگ ہی کی روش حضرتؒ کے مسلک سے اقرب تھی، (عبد الماجد)

"کیا کہوں کہتے ہوئے شرم آتی ہے، اپنے ہی گھر کا راز کھلتا ہے آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ اجتماعی کام میں ہمیشہ گڑبڑ ہوتی ہے جس کام میں جتنا زیادہ اجتماع ہوگا اتنا ہی جھگڑا ہوگا، ہم نے اپنی حالت سے دوسروں کو دکھلا دیا ہے، کہ ہم میں اجتماع کے ساتھ کام کرنے کی بالکل قابلیت نہیں"۔ (تواصی بالحق ص ۲۴)

بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے اجتماعی کاموں میں کام بہت کم مقصود ہوتا ہے، زیادہ تر نام ونمود کی خواہش، یا اور نمایش ہی ہوتی ہے،

"کچھ ایسا مذاق بدلا ہوا ہے کہ اظہار واشتہار اور ٹیپ ٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہیں جانتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی کو ایسی حالت میں دیکھو کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہو کہ یہ بہت کام کرتا ہے، اُس کو شمار میں نہ لاؤ اور جس کو اعتدال سے کام کرتا ہوا دیکھو، فار جوہ تو اس سے امید رکھو، انشاء اللہ کامیاب ہوگا، (ص ۴۳ تواصی بالحق)

یہ اعتدال اجتماعی کاموں میں بالخصوص جب ہی ممکن ہے کہ کام کے لئے جمع ہونے والوں میں عقل وفہم کے ساتھ دین واخلاص بھی جمع ہو جس کا آج کل ہم میں قحط اور نفس ونفسانیت کا زور ہے اس لئے اب حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ امیر وامارت یا کسی بڑے مرکز و مرکزیت کے بجائے انفرادی طریق کار کو زیادہ پسند فرماتے تھے، یا اجتماعی صورت ہو تو وہ بھی مختصر اور آج کل کے اشتہاری ونمایشی طریقوں کے بغیر،

"بس جس سے جتنا ہو سکے اللہ کا نام لے کر شروع کر دے، نہ انجمن کی ضرورت ہے نہ سکریٹری کی بس دو چار پانچ آدمی جتنے متفق ہو سکیں کام شروع کر دیں، اور کوئی متفق نہ ہو سکے، تو تم اکیلے ہی شروع کر دو، گاؤں والوں کو کلمہ پڑھا دینا، نماز سکھلا دینا تو ایسا کام ہے کہ جو ہر مسلمان تھوڑی سی لیاقت کا بھی کر سکتا ہے، ہاں اس کی ضرورت ہے کہ کسی عالم سے مشورہ کرتے رہا کرو (ص ۲۴ تواصی بالحق)

اور ہر چند کہ ایک مرکز کا سب کو تابع ہونا بہت اچھا ہے، مگر آج کل دشواری تو یہی ہے کہ مرکز کس کو بنایا جائے ...... اس لئے کسی مرکز یا انجمن کے تابع ہو کر کام کرنا آج کل دشوار ہے، بس سہل صورت یہ ہو کہ ہر ضلع کے مسلمان باہم مل کر ایک مُبلّغ اپنے لئے مقرر کر لین، جس کی تنخواہ خود دیا کرین، اگر ضرورت کا احساس اور اس کی فکر ہو جائے تو یہ کوئی مشکل کام نہین، ..... البتہ اتنی ضرورت پھر بھی ہو گی، کہ مُبلّغ کی تجویز اور راہ عمل کی تحقیق کے لئے کسی ایک عالم کو مشورہ کے لئے منتخب کر لو، اُسی کے مشورہ سے مبلغ رکھو، اور اُسی کی راے سے تبلیغ کا طریقہ اختیار کرو"

غرض حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کے نزدیک چونکہ ہمیشہ اور خصوصًا اس وقت سب سے ضروری و مقدم کام تبلیغ ہی ہے یعنی مسلمانون کو مسلمان بنانے کی فکر، قومی و سیاسی ترقی وغیرہ جو کچھ مطلوب ہو اس کا بھی مسلمانون کے لئے واحد راستہ یہی ہے کہ وہ اپنے ایمان و عمل ظاہر و باطن مین پورے پورے مسلمان بن جائین، اس لئے دعوت و تبلیغ دین کی عام و خاص انفرادی و اجتماعی تمام ماثور و ممکن صورتون کی طرف کثرت سے مواعظ وغیرہ مین متوجہ فرمایا ہے جس کی تفصیل اوپر تعلیم و تبلیغ کے باب مین گذر چکی، اور اگر مسلمانون کو مسلمان بنانا ہے، اور قومی و سیاسی ترقیان جو کچھ بھی کرنا کرانا ہین مسلمان رہ کر کرنا کرانا ہین، بالفاظ دیگر ہر طرح مسلمان ہی رہ کر جینا مرنا ہے، تو سب سے پہلے سارے مسلمانون کی دینی اصلاح و تجدید کے اسی ہدایت نامہ یا پروگرام کو پکڑنا اور پھیلانا چاہئے، جو حضرت جامع المجددین نے پوری جامعیت کے ساتھ اس باب مین ہماری کامل رہنمائی کے لئے چھوڑا ہے، اور جس کو راقم الحروف نے اوپر تعلیم و تبلیغ کے عنوان کے تحت اس طرح پیش کرنے کی سعی کی کہ تمام اجزا بیک نظر سامنے آجائین۔

(باقی)

فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین

از مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

(۲)

چلپی عبداللہ | عبداللہ نام چلپی غالباً لقب یا خاندانی نسبت تھی شاہجہاں کے زمانہ میں روم[۱] سے ہندوستان آئے، عربی، ترکی، فارسی وغیرہ متعدد زبانیں جانتے تھے[۲]

ان کو تصوف اور فن تصوف خصوصاً صوفیہ کی اصطلاحات وغیرہ سے پوری واقفیت تھی تصوف وحکمت میں کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"از علوم ظاہری و معارف باطنی بہرہ تمام داشت و بر مصطلحات طائفۂ عالیہ صوفیہ آگہی تمام حاصل نمودہ .... در علوم تصوف و حکمت تو الیف رائقہ و تصانیف لائقہ دارد (ص۳۹۰)"

ملا سعداللہ کو جو عالمگیر کے مقربین میں تھے ان سے بڑا تعلق تھا، غالباً انہی کے ذریعہ دربار میں پہونچے، اور فتاویٰ عالمگیری کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور ہوئے اور اپنے چند شاگردوں کے ساتھ اس مبارک کام کو انجام دیا[۳]، تبصرۃ الناظرین میں ہے،

"و چلپی عبداللہ بترجمۂ آں (فتاویٰ عالمگیری) مامور بود[۴]"

عالمگیری کا مترجم کون تھا؟ | اس بارہ میں کہ فتاویٰ عالمگیری کا فارسی مترجم کون تھا؟ ارباب تذکرہ کے

---

[۱] روم سے مراد ایشیائے کوچک کا علاقہ ہے [۲] فرحۃ الناظرین ص۳۹۰ [۳] مراۃ العالم قلمی نسخہ ص۲۷۰،

[۴] قلمی نسخہ دارالمصنفین نقل از نسخۂ خدابخش خاں لائبریری، پٹنہ

بیانات مختلف ہیں، تبصرۃ الناظرین کا بیان اوپر گذر چکا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مترجم چلپی عبداللہ تھے جو ترکی سے آئے تھے فرحۃ الناظرین میں صرف اتنا ہے،

(چلپی عبداللہ) در نوشتن فتاوی شامل حال و مامور بود (ص۳۸)

بختاور خاں کا بیان ہے کہ فتاوی کے ترجمہ کے لئے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادے چلپی (صحیح ملا) عبداللہ مقرر ہوئے تھے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

"چلپی عبداللہ خلف ارشد قدوہ فضلا ئے نامدار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی با چند تلامذہ بترجم نوشتن این کتاب بفارسی مامور ہست (مراۃ العالم ص۲۷۰)

مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی کے مترجم ملا عبداللہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادہ نہیں، بلکہ چلپی عبداللہ ترکی تھے،

عالمگیر کے دربار میں عبداللہ نام کے دو عالم تھے، ایک ملا عبداللہ اور دوسرے چلپی عبداللہ کے نام سے مشہور تھے، صاحب مراۃ العالم کو غالباً نام کے اشتراک سے دھوکا ہوا، اس نے چلپی عبداللہ کو ملا عبداللہ سمجھ کر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا لڑکا اور فتاوی کا مترجم قرار دیدیا، اور ان کے نام کے آگے چلپی کی نسبت رہنے دی، حالانکہ چلپی کی نسبت ملا عبدالحکیم کے صاحبزادے کی طرف کسی طرح صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ لفظ ترکی زبان میں کوئی لقب یا خاندانی نسبت ہے، جس کی طرف وہاں کے بہت سے علما منسوب ہیں، کشف الظنون کے مصنف بھی اسی نسبت سے مشہور ہیں، ہندوستان کے کسی عالم کی طرف اس نسبت کا کیا جانا قیاس میں نہیں آتا،

ملا عبداللہ کو مترجم قرار نہ دینے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ مراۃ العالم میں عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس سال یعنی ۱۰۷۸ھ تک کے واقعات درج ہیں، جب کہ ملا عبداللہ سیالکوٹی اس وقت تک دربار شاہی سے منسلک بھی نہ ہوئے تھے، بلکہ اس کے آٹھ برس بعد یعنی ۱۰۸۶ھ میں دربار سے

ان کا تعلق ہوا اور فتاویٰ عالمگیری کا ترجمہ اس سے پہلے شروع ہو چکا تھا[1]، صاحب مآثر عالمگیری ۱۰۸۲ھ کے واقعات میں لکھتا ہے،

"مولوی عبد اللہ ہنوز ملازمت عالی سے سرفراز نہیں ہوئے تھے، قبلۂ عالم نے حسن ابدال سے ان کے نام پیام شوق روانہ فرمایا، کہ جہاں پناہ کے لاہور پہونچنے پر فاضل مذکور اپنے وطن سے روانہ ہوکر اس شہر میں بادشاہ کی ملازمت کا شرف حاصل کریں، مولوی عبد اللہ لشکر شاہی کے ورود سے دو تین روز پیشتر ہی لاہور پہنچ گئے تھے، مولوی مذکور چند مرتبہ خدمت شاہی میں حاضر ہوکر صحبت فیض اثر سے بہرہ اندوز ہوئے، بادشاہ علم پرور نے فاضل سیالکوٹی کو خلعت خاص اور دو سو اشرفیاں مادۂ فیل عطا فرما کر ان کو وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔" (ص ۱۰۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ کے مترجم ملا عبد اللہ سیالکوٹی نہیں بلکہ چلپی عبد اللہ ترکی تھے،

سید علی اکبر سعد اللہ خانی | غالباً دلی کے باشندے تھے عقلی علوم میں انھیں کافی دستگاہ تھی خصوصیت سے علم و دانائی (فقہ) میں یکتائے روزگار تھے فرحۃ الناظرین میں ہے،

"اکثر فنون دانش ورزیدہ بود خصوصاً در فقاہت علوم آگہی داشت و بیاد در فقہ" (ص ۸۳)

محبوب الالباب میں ہے،

"در اکثر فنون مہارتے کامل داشت علم فقہ نیک می دانست"

سعد اللہ خاں[2] کے خاص ہمنشینوں اور ہم جلیسوں میں تھے، ان کا زیادہ وقت سعد اللہ خاں کے پاس گذرتا اسی تعلق سے وہ سعد اللہ خانی مشہور ہو گئے تھے، سعد اللہ کے ایک لڑکے لطف اللہ خاں

---

[1] خود مراۃ العالم کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۸۲ھ سے پہلے فتاویٰ کے ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا،

[2] عالمگیر کے دربار کا بڑا مقبول امیر تھا مآثر الامراء میں اس کا تذکرہ موجود ہے جملۃ الملک اس کا خطاب تھا،

کی تعلیم و تربیت بھی انھی کی نگرانی میں ہوئی، لطیف اللہ نے آپ کے فیض صحبت سے علوم میں اچھی خاصی استعداد پیدا کرلی تھی،

غالبًا سعد اللہ خاں ہی کے واسطے سے دربار شاہی میں رسائی ہوئی، اور فتاویٰ کی تالیف میں شریک کئے گئے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"بتالیف فتاویٰ عالمگیری مامور شدہ بعنایت خلیفۂ رحمانی امتیاز داشت،، (ص۳۵)

مآثر عالمگیری نے ۱۰۹۰ھ کے واقعات کی ضمن میں سید علی اکبر قاضی کا ذکر کیا ہے، اگر یہ سید علی اکبر یہی مولف فتاویٰ ہیں تو صاحب مآثر کے بیان کے مطابق وہ لاہور کے قاضی بھی رہ چکے تھے، اور وہیں امیر قوام الدین ناظم لاہور کی سازش سے قتل ہوئے، ان کے قتل کا مقدمہ چلا، اس سلسلہ میں امیر قوام الدین کو لاہور کی نظامت سے برطرف کرکے عدالت شاہی میں لایا گیا، مگر ان کے صاحبزادہ نے قوام الدین کے اعزہ و اقارب کی سفارش سے قصاص معاف کردیا، اور وہ رہا ہو گیا،[۱]

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادے بھی تھے،

سید نظام الدین ٹھٹھوی | شہر ٹھٹھ (سندھ) اصلی وطن تھا، فقہ میں کافی دستگاہ تھی، اسی علم دانی (فقہ) نے انھیں دربار شاہی میں پہونچایا، اور وہاں مختلف مناصب پر مامور رہے، اور دوسرے علماء کے ساتھ انھوں نے بھی فتاویٰ کی تالیف میں حصہ لیا، تذکرہ علمائے ہند کے علاوہ کسی اور تذکرہ میں ان کا حال نہ مل سکا، اس کی عبارت حسب ذیل ہے،

"سید نظام الدین ٹھٹھوی در فقہ او فقہ نام ور در علوم اعلم کرام برآمدہ بجذبۂ طبع گرائیدہ سوی شاہجہاں آباد شتافت و در تالیف فتاویٰ عالمگیری بسے مشکلات حل کردہ" (ص۲۴۳)

قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی | آپ شہر ٹھٹھ (سندھ) کے باشندے تھے، آپ کی زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہو سکے، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

---

[۱] مآثر عالمگیری ص۱۳۱،

"درفتاوی عالمگیری شریک استنباط مسائل بود"

اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ فتاوی کی تالیف میں شریک اور استنباط مسائل اور مآخذ فقہ پر پوری نظر رکھتے تھے،

جلال الدین محمد | مچھلی شہر ضلع جون پور کے باشندے تھے، آٹھ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب قاضی ثناء الدین مچھلی شہری سے جو اپنے وقت کے بڑے متبحر اور مرتاض علماء میں تھے مل جاتا ہے،

آپ کو جملہ علوم میں دستگاہ تھی خصوصیت سے فقہ و حدیث میں بہت ممتاز تھے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"فاما درفقہ و حدیث بزمان او نظیرش نمیتواں یافت،، (ص ۱۲۱)

درس و تدریس | آپ کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، ساری عمر آپ کا فیض جاری رہا، اور ہزاروں تشنگان علم اس چشمۂ علم سے سیراب ہوئے، مشاہیر جون پور میں ہے،

"مشغلۂ درس و تدریس مادام الحیات مرعی داشت، اکثری فضلاے ایام باو پیوستند وگلہاے فیض فراواں چیدند،، (ص ۱۲۱)

عالمگیر کو جب آپ کے علم و فضل کی اطلاع ملی تو بڑی نیازمندی سے بلاکر شاہی دربار کے علماء میں شامل کیا،

جب فتاوی عالمگیری کی تالیف کا کام شروع ہوا تو اس کے حصۂ اوّل کی تالیف آپ کے سپرد ہوئی، مشاہیر جون پور میں ہے،

"از تصنیفات و تالیفاتش فتاوی عالمگیریہ حصۂ اول است کہ حسب الامر سلطانی جمع نمود،، (ص ۱۲۲)

وفات | سنہ وفات کی کوئی تصریح نہیں مل سکی، آپ کے مدفن کے متعلق صاحب مشاہیر جونپور لکھتا ہے،

"قبرش در قصبہ مچھلی شہر جانب جنوب بر سر حد موضع اودیا پیدا است (ص ۱۴۲)

ملا حامد جونپوری | حامد نام، جون پور وطن تھا، عنفوان شباب ہی میں دلی چلے گئے، وہاں شاہجہانی دربار کے مشہور عالم مرزا محمد زاہد کابلی [1] کی خدمت میں پہونچے، عربی کی اکثر متداول کتابیں ان سے اور بعض کتابیں اسی عہد کے ایک اور صاحب علم دانشمند خاں [2] سے پڑھیں، تکمیل تعلیم کے بعد شاہی دربار کے ان علما کے زمرہ میں لے لئے گئے، جن کو ڈیڑھ دو روپیہ یومیہ وظیفہ ملتا تھا، [3]

شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر سر یرآرائے حکومت ہوا تو اس نے بھی دربار کے تعلق اور منصب کو برقرار رکھا، شاہزادہ اکبر جب سن شعور کو پہنچا تو اس کی تعلیم و تربیت انہی کے سپرد ہوئی، اور فتاویٰ کی تالیف کے لئے ان کا انتخاب بھی عمل میں آیا، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"در عہد عالمگیر داخل مولفین فتاوی شد، (ص ۲۲)

ارباب تذکرہ نے زمانۂ وفات وغیرہ کی کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ فتاویٰ کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے [4]،

شیخ رضی الدین | بھاگلپور (بہار) کے ایک شریف خاندان سے تھے، علم و فن میں تبحر کے ساتھ ساتھ فن سپہ گری میں بھی کمال رکھتے تھے [5]، دربار شاہی میں مختلف عہدوں پر مامور ہوئے، فتاویٰ عالمگیری کی

---

[1] منطق میں میر زاہد انہی کی تصنیف ہے [2] وزیر امور ممالک غیر تھے [3] فرحۃ الناظرین تذکرہ علمائے ہند [4] صاحب شاہد جونپور نے بھی ملا حامد نام کے ایک عالم کا تذکرہ کیا ہے، مگر سنہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے، اسکے بیان کے مطابق وہ آخر عمر میں دلی سے جونپور واپس چلے آئے اور یہیں وفات پائی، انھوں نے ایک بہت وسیع اور پختہ مسجد بنوائی تھی اسی کے قریب وہ دفن ہوئے، جونپور کا ایک محلہ بھی ان کے نام سے مشہور ہے، شاید یہ محلہ ملا ٹولہ ہو،

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ عالم کے زمانہ میں دلی گئے اور شاہزادہ اکبر کی تعلیم ان کے سپرد ہوئی، اگر یہ بیان صحیح ہے اور اکبر سے مراد شاہ عالم ثانی کا لڑکا اکبر ہے تو یہ ملا حامد دوسرے تھے، اور اگر اس سے مراد عالمگیر کا لڑکا اکبر ہے تو پھر یہ دونوں ایک ہی ہیں، لیکن صاحب شاہد نے فتاوی کی تالیف کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ لکھا ہے "ہیچیک نسخہ از تصنیفاتشاں شہرتے ندارد" (ص ۹۴)

[5] ترجمہ آثر عالمگیری (ص ۲۶)

کی تالیف میں بھی ان کی شرکت تھی، اس کے معاوضہ میں دربار شاہی سے تین روپیہ یومیہ ان کو ملتے تھے، آثار عالمگیر میں ہے،

"شیخ رضی الدین بھاگلپور (بہار) کے شرفاء میں سے تھے، یہ فاضل مؤلفین فتاوی عالمگیری میں شامل تھے، اور تین روپیہ یومیہ ان کی تنخواہ مقرر تھی، (ص ۲۲)

مولانا محمد شفیع مولانا محمد شفیع اور ان کے خاندان کے تین اور عالموں کے حالات جو فتاوی کی تالیف میں شریک تھے زیادہ تر سید طہ صاحب کے مضمون "صوبہ بہار کا ایک قدیم خانوادہ"[۴] سے ماخوذ ہیں،

مولانا محمد شفیع عہد عالمگیری کے بڑے ممتاز اور باصفا عالم تھے، عالمگیر کو ان سے بڑی عقیدت تھی، اکثر شاہزادگان بھی فیض صحبت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، شجرۃ الاصل النورانیہ[۵] میں ہے کہ

"مولانا ے ما اشتہار عام دارند پادشاہ عالمگیر رجوع یادداشت و فرزندان وے برائے زیارت رسیدہ بودند"

آپ دادھیال کی طرف سے عثمانی اور ننھیال کی طرف سے سید تھے، جدی وطن بغداد تھا، ان کے اجداد میں حضرت خواجہ محمد غزنوی بغداد سے ترک وطن کرکے غزنی، وہاں سے سرہند پھر دہلی اس کے بعد بہار آئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی، ان کے خاندان کے بعض لوگ اب تک سرہند اور دہلی میں موجود ہیں،

"ہم از بعضے فرزندان خاندان خواجہ ما خواجہ محمود غزنوی کہ بطریق سیاحت و سفر و مخصوص بہ نیت زیارت حضرت مولوی معنوی مولانا محمد شفیع قدس اللہ سرہم القدسی دریں علاقہ بہار رسیدہ بودند و اصل ایشاں از سرہند بود چنانچہ ہم تحقیق پیوستہ حضرت ایشاں از حضرت بغداد و بغزنی نزول فرمودند و ازانجا بسرہند و ازانجا بہ دہلی و ازانجا بحضرت بہار بہار نمودند کہ بعضے ازایشاں ہم در سرہند اقامت دارند و بعضے در دہلی"[۵]

---

۵ یہ کتاب آج سے ساٹھ برس قبل کی تصنیف ہے، اس کا قلمی نسخہ اس خاندان میں محفوظ ہے، ص۱۵ شجرۃ الاصل النورانیہ

سنہ ولادت کی کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی، البتہ باطنی علوم و معارف کی تکمیل اپنے ماموں حضرت پیران محی الدین قلندری کی خدمت میں کی،

ان کے متعلق خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ دربار شاہی میں معلم اور اتالیق تھے، مگر اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا، آپ کو دربار شاہی کی طرف سے مولوی معنوی کا خطاب ملا تھا، چنانچہ ایک فرمان پر یہ عبارت درج ہے،

"بدستور قدیم ممنوعہ درگاہ علائق......... حضرت فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی معنوی ملا محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ معاف شد"

سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں ملتی، خاندان والے ان کے سالانہ عرس کی جو رسم ادا کرتے ہیں، اس سے اتنا پتہ چلتا ہے، کہ ان کی تاریخ وفات ۱۱ شوال ہے، ملفوظات گنج رشیدی اور سند شاہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی اور ۱۰۸۴ھ تک زندہ رہے،

"ملا محمد شفیع ساکن اتھوا کہ عمر یک صد و یک سالہ داشتہ اند"

سند شاہی کی عبارت یہ ہے،

"رمضان سنہ ۱۷ جلوس (۱۰۸۴ھ) بمہر بلعرض رسید"

آپ کی اولاد میں قاضی بدیع الزمان بڑے پایہ کے عالم تھے،

جب فتاویٰ کی تالیف کا کام شروع ہوا تو عالمگیر نے مولانا محمد شفیع کی خدمات بھی حاصل کیں، اور ایک روپیہ بارہ آنہ یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا، پھر یومیہ وظیفہ کے بجائے ایک سو تیس بگھہ اراضی گنج دوکری میں دیدی، جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے، جس میں ان باتوں کی پوری تفصیل ملتی ہے، عبارت حسب ذیل ہے،

" شرح یادداشت واقعہ درسنہ بست وہشتم شہر رجب ۲۸ جلوس والا موافق ۱۰۹۶ھ
برسالہ سیادت و نقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ سزاوار عنایت پادشاہی قابل مرحمت
شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضویخاں و نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ
میرزا بیگ قلمی می گردد کہ بعرض مقدس معلی رسید کہ بموجب فرمان والاشان سعادت نشان مرقوم
تاریخ ۱۰ ربیع الاول ۱۰۸۲ھ جلوس مبارک مبلغ یک روپیہ ۔ ۔ ۔ ۔ بطریق یومیہ ہرسال
ہر دو جنس معاف از خزانہ برکات سعادت بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری بہمراہی شیخ
وجیہ الرب مرحوم مدد معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود و تا فی الحال در حکم
علی العلوم یومیہ مذکور برطرف گشتہ، مشار الیہ بحلیہ فضیلت آراستہ است، و جمع کثیر وابستہ دارد
امیدوار است کہ حکم جہاں مطاع عالم مطیع صادر شد کہ موازی یک صد و سی بیگہ زمین افتادہ لائق
زراعت خارج جمع از اوکری سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم واگر
در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند و یومیہ مذکور را برطرف شمارند، واقعہ ۲ جمادی الاولیٰ
۱۵ جلوس بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد، شرح بہ خط سیادت و نقاہت پناہ شرافت
و نجابت دستگاہ صدر رفیع القدر رضویخاں کہ داخل واقعہ نمایند، شرح بخط واقعہ نویس
مطابق واقعہ است، شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت مقرب
آنحضرت الخاقانیہ منظور الانظار السلطانیہ، شجاعت و شہامت پناہ جلادت و بسالت
دستگاہ شایستہ انواع عنایات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سزاوار اصناف مراحم پادشاہی بخشی الملک اسد خاں
کہ بعرض مکرر رسانید، شرح بخط فضائل پناہ کمالات دستگاہ شیخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رمضان سنہ ۱۶
جلوس مکرر بعرض رسید، شرح بخط زبدہ ارباب ارادت خلاصہ اصحاب عقیدت بخشی الملک کہ
فرمان عالیشان قلمی نمایند، از ربیع اوائل شرح ۱۱۰ یومیہ بموجب فرمان عالیشان باسم محمد شفیع

بشرط جمع فتاوی عالمگیری مقرر بود، بعہدہ ودیں ولا از پرگنہ اوکری سرکار و صوبہ بہار مرحمت شد"

ملا وجیہ الرب آپ کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے، فرمان شاہی کی اس عبارت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مولوی معنوی کے ساتھ یہ بھی فتاوی کی تالیف میں شریک تھے، اور دربار کی طرف سے انکو بھی وظیفہ ملتا تھا،

"بشرط جمع فتاوی عالمگیری بہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود۔"

مولانا محمد فائق | مولانا محمد شفیع کے صاحبزادے قاضی بدیع الزماں کے خسر اور فتاوی کی جمع و ترتیب میں شریک تھے، اس کے عوض میں دربار سے ۱۲ یومیہ وظیفہ ملتا تھا، پھر بعد میں کچھ زمین جاگیر میں دیدی گئی، جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے،

"شرح یادداشت واقعہ روز جمعہ ششم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۲ جلوس والا موافق ۱۰۸۰ھ مبلغ دو و نیم روپیہ بلاقصور یومیہ ہمراہ ملا محمد اکرم در وجہ مدد معاش سید محمد فائق ولد سید محمد شائق بشرط جمع فتاوی عالمگیری عوض یومیہ مذکور یکصد و پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت از پرگنہ ایکل سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم"

ملا محمد اکرم | مولانا محمد فائق کے ساتھ یہ بھی فتاوی کی جمع و ترتیب میں شریک تھے اور انکو بھی دربار شاہی سے یومیہ وظیفہ ملتا تھا،

"مبلغ دو و نیم روپیہ بلاقصور یومیہ ہمراہ ملا اکرم در وجہ معاش۔۔۔ بشرط جمع فتاوی عالمگیری"

دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے، ۱۱۰۱ھ میں اردوئے معلی کے قاضی ملا عبد اللہ کے انتقال کے بعد عہدۂ قضا بھی ان کے سپرد ہوا، مآثر عالمگیری میں ہے،

"قاضی عبد اللہ نے مرض فالج میں دنیا کو خیرباد کہا، ان کے بجائے محمد اکرم جو دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے، اردوئے معلی کی خدمت قضا پر حضور پر نور میں طلب فرمائے گئے،" (ص ۳۳۱)

خاتمۂ مسئلۂ سود و قمار وغیرہ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

بعد الحمد والصلوٰۃ ۔ معارف نمبر ۶ بابت دسمبر ۴۴ء میں میرے محترم بزرگ مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی نے عنوانِ بالا کے تحت چند سطور سپرد قلم فرما کر بندۂ ناچیز کو یاد فرمایا ہے، سے

اے یاد آورنت باعثِ آبادی ما

جواباً گذارش ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے غیر مسلم اقوام سے حاصل کی ہوئی، ان رقوم کو جو عقد ربا و قمار کے ذریعہ لی جائیں، میں اس لئے ناجائز کہہ رہا ہوں کہ اُن کی حیثیت ہندوستان میں متلصص یا اسیر (جاسوس اور قیدی) کی نہیں، بلکہ اُن کی حیثیت مصالح اور مستامن کی ہے، جس کے حق میں نفوس اہلِ حرب باتفاق معصوم ہو جاتے ہیں، اور جس کی جان معصوم ہو میرے نزدیک اس کا مال بھی معصوم ہے، اور مال معصوم کو عقد ربا و قمار کے ذریعہ لینا حرام ہے، گو باہمی رضامندی کے ساتھ ہی ہو، پس مجھے جناب والا کا یہ مقدمہ مسلم نہیں کہ

"شریعت اسلامی ان اموال کو مسلمانوں کے لئے مباح کر چکی ہے"

اور دوسرا مقدمہ کہ

"حکومت کا قانون بھی اس کے لینے کو جائز قرار دے رہا ہے"

تنہا بدون پہلے مقدمہ کے کافی نہیں، کیونکہ قانونِ وقت تو طوائف کی اجرت زنا و اجرت غنا

کو بھی جائز قرار دیتا ہے، اور اس کے حکام اس کی ڈگریاں بھی دیتے ہیں، مگر کوئی بھی اس کو وجہ جواز قرار نہیں دیتا، کیونکہ قانون شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی اور عقد ربا کا گناہ زنا و غنا سے کم نہیں، نہ اس سے حاصل کیا ہوا مال حرمت میں مال زنا سے کچھ کم، پس جب تک یہ مقدمہ ثابت نہ ہو، کہ مصالح و مستامن کے حق میں اموال اہل حرب معصوم نہیں، بلکہ مباح ہیں، اس وقت تک اس کو متلصص یا اسیر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، جس کے حق میں نہ نفوس اہل حرب معصوم ہیں، نہ اُن کے اموال، بندہ نے اپنے مضمون میں اس مقدمہ پر تفصیل کے ساتھ پوری روشنی ڈال دی ہے کہ جن لوگوں کے نفوس معصوم ہیں، اُن کے اموال بھی معصوم ہونے چاہئیں، قرآن و حدیث کی کسی دلیل سے اس تلازم کی نفی نہیں ہوتی، علامہ سرخسی کا مستامن و مصالح کے حق میں نفوس اہل حرب کو معصوم مان کر اموال کو غیر معصوم و مباح قرار دینا محتاج دلیل ہے، جو اب تک میری نظر سے نہیں گذری مولانائے محترم جس وقت بھی اس کی کوئی واضح قطعی دلیل قرآن و حدیث سے پیش فرما دیں گے، اسی وقت ساری نزاع ختم ہو جائے گی اور اگر وہ یہی فرما دیں کہ اُن کے فتویٰ کا مدار صرف فقہ حنفی کے ایک قول پر ہے، دلائل قرآن و حدیث پر نہیں، تب بھی مجھے کوئی اختلاف نہ ہوگا، گو میرے نزدیک اس باب میں فقہ حنفی کا یہ قول قوی نہیں، بلکہ امام ابو یوسف کا قول قوی ہے، جو ظاہر قرآن و حدیث کے موافق اور جمہور اُمت کے قول سے مؤید ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امراً،

سیرت عمرؓ بن عبدالعزیز

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے،

قیمت:- ۸ر جدید اڈیشن،

"منیجر"

نزہتہ الارواح کا مکمل نسخہ

از

جناب حکیم خلیل الرحمٰن صاحب رضوی، سیالکوٹ

معارف نمبر ۴ جلد ۵۰ مین مولوی عبد الحمید خان صاحب ریڈر شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کا ایک تبصرہ کتاب نزہتہ الارواح پر شائع ہوا تھا، پھر معارف نمبر ۶ جلد ۵۰ مین نزہتہ الارواح پر جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے بعنوان دو کمیاب کتابین کے عنوان سے مزید گفتگو کی ہے، اتفاق کی بات ان دونون ارباب ذوق کے پیش نظر کتاب مذکور کے نامکمل نسخے تھے چنانچہ اول الذکر فرماتے ہین،

"کتاب دبیز بادامی کاغذ پر ہے، تقطیع متوسط اور خط معمولی ہے، آخر سے چند صفحات غائب ہین"

پھر ثانی الذکر جناب سید صاحب کا ارشاد ہے:-

میرے لئے رنج دہ بات سب سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے اوراق آخر مین غائب ہین حتی کہ مصنف کا لکھا ہوا خاتمہ جو خان علام نے نقل فرمایا ہے وہ بھی اس نسخہ مین باقی نہین، اس قسم کے فصل بست ہشتم کے دو صفحے پورے کرکے لکھا ہے، "چون شیخ بقصد رسید الی قولہ ماندگا نرا (باقی مفقود) ہے"

میرے پاس نزہتہ الارواح کا مکمل نسخہ موجود ہے، اور وہ قلمی کے بجائے مطبوعہ ہے، یہ نسخہ مطبع عزیزی مین طبع ہوا ہے، سنہ طبع مکتوب نہین، کاغذ زرد ہے، خط نہ بہت صاف اور نہ زیادہ خراب، حاشیہ مین مغلق الفاظ اور عربی اشعار کا ترجمہ درج ہے، کتاب مین ۲۸ فصلین ہین، جو ۹۰ صفحات مین ہین، اور اختتام کتاب

کی عبارت وہی ہے جو مولوی عبدالحمید خان صاحب نے مولہ بالا معارف میں نقل کی ہے،

ابتدا عربی خطبہ حمد و صلوٰۃ پر مشتمل ہے، اور

قال سیدنا و مولانا الشیخ الاجل الی قولہ رکن الحق والدین حسین

بن عالم ابی الحسن الحسینی الخ

کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ یہ خطبہ الحاقی ہے، شاید ان کے کسی تلمیذ نے لکھا ہو،

خطبہ کے بعد یہ نظم ہے،

بتوفیقش چو دیدم روشن آواز سخن راہم بنامش کردم آغاز

بگو اے مرغ زیرک حمد مولیٰ کہ ہست او را سپاس و منت اولیٰ

جناب سید مقبول احمد صمدانی صاحب نے لکھا ہے کہ فصل بست و ہشتم الخ یہ صحیح نہیں ہے، میں نے اُن کی منقولہ عبارت کا مقابلہ کتاب سے کیا ہے، تو منقولہ عبارت فصل بست و ہفتم کے ڈیڑھ صفحہ کے بعد مجھے ملی جس کے آگے یوں ہے،

"گفت اے کرامت یار ماندگان را دستگیر و اے لطف از دست رفتگان، الخ"

اگر جناب سید مقبول احمد صاحب صمدانی اگر اپنا پتہ بھیجیں تو بقیہ صفحات ان کو بھیج دونگا،

سیرت عائشہ رضٖ

اُم المومنین حضرت عائشہ رضٖ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں، اور معترضین کے جوابات،

قیمت ۸؎، ضخامت ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی،

"منیجر"

استفسار و جواب

"پٹھان" اور "مغل" کی وجہ تسمیہ

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی
مدیر، صدق، دریاباد ضلع بارہ بنکی

صدق میں ایک سوال نامہ آیا ہوا ہے،۔
مجھے عرصہ سے مغل اور پٹھان کی تحقیق کی ضرورت ہے،

بعضوں کا خیال ہے کہ جن مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا، اُن کو فتح خان یا فتحان کہتے تھے یہی رفتہ رفتہ پٹھان ہو گیا، بہرحال سوال یہ ہے کہ ان دونوں قوموں کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اور ان کا سلسلۂ نسب کیا ہے، ؟ جواب ان کا خواہ معارف ہی میں نکلے، خواہ صدق کے لئے الگ آجائے، بہرحال مجھے اطلاع جلد مل جائے تو بہتر ہے"۔

معارف: گرامی نامہ سے سرفراز ہوا، مدت کے بعد جناب والا نے یاد فرمایا، یاد فرمائی کے لئے شکر گذار ہوں،

لفظ "پٹھان" کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال منقول ہیں، جن میں سے بعض کا بے حقیقت ہونا ظاہر ہے، جیسے فرشتہ کا بیان کہ چونکہ افغان پٹنہ میں آکر آباد ہوئے تھے، اس لئے وہ "پٹھان" کہے گئے حالانکہ پٹھانوں کے متعلق معلوم ہے، کہ وہ پہلے شمالی مغربی ہند کے میدان پنجاب و سندھ میں آکر آباد ہوئے تھے، شمالی مشرقی میدان میں وہ اس کے بہت دنوں کے بعد آئے تھے، اسی طرح مرسلہ سوال نامہ میں پٹھان کی وجہ تسمیہ فتح خان یا فتحان جو بیان کی گئی ہے اس کو بھی اسی قسم کی ایک بے اصل روایت سمجھنا چاہئے،

پٹھانوں کو افغان بھی کہا جاتا ہے، اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ پٹھان دراصل وہی ہین، جو افغانستان سے آئے ہین، اس لئے افغان اور پٹھان، دونون ہم معنی لفظ قرار پاتے ہین، اور اسی لئے ہندوستان مین پٹھانون کی حکومت کو افغانی حکومت سے موسوم کیا جاتا ہے، لیکن بعض لوگون نے ان دونون کے مفہوم کے اطلاق مین فرق کیا ہے، اور افغان سے چند مخصوص قبائل دُرّانی وغیرہ کو مراد لیا ہے، اور پٹھان سے ان تمام قبائل کو موسوم کیا ہے، جو پشتو زبان بولتے ہین،

حقیقت یہ ہو کہ اس قوم کو افغان کے نام سے ابتداءً لٹریری طور پر غیر ملکیون نے موسوم کیا، پھر رفتہ رفتہ دُرّانیون اور بعض دوسرے پٹھان قبائل نے اپنے کو افغان کے نام سے موسوم کر لیا، اور باقی ماندہ دوسرے قبائل غلزئی، آفریدی، بنگش، شیرانی اور استرانی وغیرہ مثل سابق پٹھان کہے جاتے رہے، کیونکہ محققین کے نزدیک اس قسم کی کوئی تقسیم کسی تاریخی یا روایتی بنیاد پر کبھی نہین کی گئی، بلکہ اصلیت کے اعتبار سے ان دونون کا قدیم قومی نام پشتان (Pashtan) یا پکھتان (Pakhtan) تھا جو مقام پشتانا (Pashtana) یا پکھتانا (Pakhtana) کی طرف منسوب تھا، اور یہی قدیم لفظ آگے چل کر تلفظ مین پٹھان بن گیا،

اس لئے ان دونون قسم کے قبائل درانیون اور غلزیون وغیرہ مین افغان اور پٹھان کہے جانے مین جو کچھ فرق ہے، وہ آگے چل کر محض اعتباری طور پر اختیار کیا گیا، ورنہ نسل و وطن یا کسی تاریخی روایت کی بنیاد پر ابتداءً ان مین باہم کوئی امتیاز نہین تھا،

البتہ جب آگے چل کر ان مین بعض کے وطن مین بھی تبدیلی پیدا ہوئی، اور ان مین کے بعض قبائل مغرب سے مشرق کی سمت قندہار، وغیرہ کے علاقہ مین آکر آباد ہو گئے، تو اُن کی اور دوسری قومون کی آبادی مخلوط ہوئی، اس وقت انھین ان دوسری قومون سے ممتاز کرنے کے لئے خاص طور پر اُن کے قدیم نام پٹھان سے موسوم کیا گیا، کیونکہ یہ لوگ یہان گندھار (قندھار) مین ہندوستانی نوآبادی سے آکر

ملے تھے، اور انہی ہندوستانیون سے انھون نے پشتو زبان سیکھی تھی، کیونکہ یہ زبان بھی پراکرت ہی کی ایک شاخ ہے اور شاید انہی کی نسبت سے پشتو سے موسوم ہوتی ہے، اس طرح یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ افغانستانی جو مغرب سے مشرق کی سمت مین آگئے، وہ لوگ اگرچہ مغربی افغانستانیون سے نسل مین تو متحد رہے مگر وطن مین ان سے اختلاف پیدا ہوگیا، اور اب پٹھان کا نام جو ان دونون گروہون کا قدیم قومی نام تھا خاص طور پر ہندوستان اور اس کی سرحد مین اس نو آباد گروہ کے لئے مخصوص ہوگیا، ورنہ قدیم قومیت کے اعتبار سے ہر افغانستانی خواہ وہ مغربی افغانستان کا ہو، یا مشرقی کا، یا ہندوستان کے شمالی میدان مین مغربی حصہ مین آباد ہوا ہو یا مشرقی مین، وہ پٹھان ہے، اور اس لحاظ سے ان مین کا ہر گروہ اس نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے،

معارف بابت ماہ جولائی ۱۹۴۶ء مین ایک استفسار کا جواب "پٹھانون کی تاریخ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس سے اس سلسلۂ گفتگو مین مزید معلومات مل سکتے ہین، خصوصاً ایسی فارسی اور اردو کی کتابون کا پتہ چلے گا، جن مین پٹھانون کی قومیت، نسل، وطن اور سیاسی کارنامون کا خاص طور پر ذکر آیا ہے، مناسب ہے کہ مزید معلومات کے لئے اس استفسار و جواب کی طرف رجوع کیا جائے،

باقی رہے مغل تو ان کا پٹھانون سے کوئی تعلق نہین، امیر تیمور کا شاہی خاندان جس نے ہندوستان مین حکومت کی، نسلاً ترک تھا، وہ یہ لوگ مغل اس لئے کہے گئے، کہ امیر تیمور کا یہ قدیم ترکی قبیلہ دراصل منگول سے وابستہ تھا، اس لئے مغل کے قدیم نسل و وطن کی ساری داستان وہی ہے، جو منگول کے نام سے تاریخون مین ملتی ہے، "منگول" یا "مونگل" کے لغوی معنی "جوانمرد" یا "دلیر" قوم کے بیان کئے گئے ہین، یہ قوم دراصل تنگوسی قبیلہ پر مشتمل تھی تنگوسی ایک قدیم ترکی قبیلہ سائبریا کلان کے ممتاز قبائل مین سے تھا اسی لفظ مونگل یا منگول سے لفظ مغل بنا ہے، اور ہندوستان مین مغل وہی ہین، جو یہان کے حکمران مغلیہ خانوادہ سے سلسلہ تعلق رکھتے ہین، لیکن آج کل ان سرحدی پٹھانون کو جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین کار و بار کرتے ہین، عوام مغل کہتے ہین، اس کو امر واقعہ اور تاریخی حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہین ہے

یہ محض ان کا ایک عرفی نام ہے، جس سے اُن کی شہرت ہوگئی ہے،

والسلام "س"

"تاریخ شمشیر خانی" اور "فیاض القوانین"

جناب عبدالرشید صاحب تبسم
استاذ گورنمنٹ ہائی اسکول ملتان

"یہان ایک دوست کے پاس دو قلمی کتابین دیکھنے کا اتفاق ہوا، ایک کا نام شمشیر خانی ہے جس مین نامۂ خسروان کے طرز پر ایرانیان قدیم کے حالات ہین، اور دوسری کا نام فیاض القوانین ہے جس مین شاہانِ مغلیہ کے فرامین خطوط اور دوسری تحریرات ہین، ان دونون کتابون کی تاریخی حیثیت سے اطلاع فرمائیے"

معارف:- کتاب شمشیر خانی معروف تصنیف ہے، یہ شاہجہانی عہد مین ۱۰۶۳ھ مین تالیف ہوئی، اس کا مصنف توکل بیگ ولد تولک بیگ ہے، وہ شاہزادہ داراشکوہ کے معتمد علیہ لوگون مین سے تھا، داراشکوہ نے اس کو اپنے کابل کی صوبہ داری کے زمانہ مین "امین و وقائع نویس" کی حیثیت سے غزنی بھیجا تھا، کتاب شمشیر خانی اُس نے اسی زمانہ مین غزنی کے گورنر محمد حیات شمشیر خان کی فرمایش سے لکھی تھی، یہ دراصل شاہنامہ فردوسی کا نثر مین خلاصہ ہے، چونکہ یہ کتاب شمشیر خان کی فرمایش سے تیار ہوئی تھی، اس لئے مصنف نے اس کو "تاریخ دلکشاے شمشیر خانی" سے موسوم کیا، اس کے بعض نسخون پر اس کا نام "منتخب شاہنامہ" اور بعض پر "خلاصہ شاہنامہ" بھی درج ہے، یہ نسخے کتب خانہ برٹش میوزیم میں موجود ہین، (فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۵۳۹) بانکی پور اور دوسرے کتب خانون مین بھی اس کے نسخے عام طور پر موجود ہین،

ہمارے کتب خانہ دارالمصنفین مین بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے، اس کے دیباچہ مین اس کو "تاریخ دلکشائی شمشیر خانی" سے موسوم کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے "منتخب شاہنامہ" یا "خلاصہ شاہنامہ" کے نام سے جو نسخے ہین ان کو کسی نے معنی کے اعتبار سے ان نامون سے موسوم کر دیا ہے، ہمارا نسخہ ایک ہندو کاتب رگھونندن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جس کو اُس نے سنہ ۱۲۴۰ فصلی مین قصبہ پھول پور پرگنہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ کے ایک زمیندار

سرنام سنگھ کے لئے لکھا تھا،

قیاض القوانین دراصل تیموری سلاطین امراء اور دوسرے حکمرانوں کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، اس زمانہ میں مکاتیب کے مجموعے انشاء کی تعلیم کے لئے تیار کئے جاتے تھے، اس میں شاہجہان، عالمگیر، جہان آرا، داراشکوہ، شجاع، مراد بخش، جعفر خان، وزیر اورنگ زیب اور دوسرے حکمران عادل شاہ، قطب شاہ اور جے سنگھ وغیرہ کے خطوط ہیں، جو تین جداگانہ بابوں میں مرتب کئے گئے ہیں، اس کا ایک نسخہ نواب علی حسن خان صاحب مرحوم بھوپال ہاؤس لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے،

چند وفودِ عرب کے بارگاہ نبوی میں پہنچنے کی تاریخ

جناب جلال الدین احمد صاحب جعفری

مطبع انوار احمدی - الہ آباد

دریافت طلب یہ امر ہے کہ حسب ذیل وفود فتح مکہ سے قبل آئے تھے، یا بعد، اگر قبل آئے تھے تو کس سنہ میں، اس کے دریافت کی اشد ضرورت ہے،

"بنو تمیم کا وفد، بنو سعد کا وفد، اشعریینی کا وفد، اوس کا وفد، مزینہ، اشجع، جہنہ،

معارف:- وفود کی آمد زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ہوئی ہے، مگر جن وفود کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے، ان میں سے بنو تمیم اور بنو سعد کے علاوہ تمام وفود فتح مکہ سے پہلے آئے ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے،

۱- بنو تمیم ۹ھ فتح مکہ کے بعد آئے، (ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۶۲) (۲) بنو سعد، ابن ہشام نے ان کی آمد فتح مکہ کے بعد بتلائی ہے، ابن سعد و صاحب البدایۃ والنہایہ نے ۵ھ کی تصریح کی ہے، زرقانی نے ابن اسحاق کے قول کو جو ابن ہشام میں ہے ترجیح دیا ہے (۳) مزینہ رجب ۵ھ (ابن سعد ذکر وفود) (۴) اشجع خندق کے سال (۵ھ) آئے، (ابن سعد ذکر وفود) (۵) جہینہ اس کا تذکرہ صرف ابن سعد نے کیا ہے مگر کسی سنہ کی تعیین نہیں کی ہے، اتنی تصریح ضرور ہے کہ فتح مکہ کے پہلے آئے، (ابن سعد ذکر وفود) (۶) اشعریین ۷ھ میں آئے (زرقانی ابن سعد وغیرہ) (۷) اوس یہ بھی ۷ھ میں آئے (زرقانی ابن سعد وغیرہ) (م - ن)"

باب التقریظ والانتقاد

"ہندوستان مین اقلیتون کا مسئلہ"

از جناب سید عبد الباری صاحب ایم اے (عثمانیہ)

حجم ۲۳۰ صفحے، ۲۰×۳۰/۱۶، لکھائی چھپائی، اور کاغذ بہتر، قیمت ۲ روپے، پتہ: منیجر نفیس بک ڈپو حیدرآباد دکن،

ہندوستان کی سیاست مین اقلیتون کا مسئلہ سب سے زیادہ پیچیدہ رہا ہے، وہ بلاشبہ انگریزی حکومت کا پیدا کردہ ہے، خواہ وہ جن اغراض سے پیدا کیا گیا ہو، اور آج تک اس کے حل نہ ہونے کے جو وجوہ واسباب رہے ہون، مگر اب وہ ایک مجسم اور سنجیدہ حقیقت ہے، اس لئے اس کی پچھلی تاریخ بھی نظر انداز کئے جانے کے لائق نہین، کہ اس کے سمجھنے اور اس کے حل کرنے دونون مین پس منظر کے طور پر اس سے آگاہ رہنا ضروری ہے، خوشی کی بات ہے کہ مصنف نے وقت کے اس اہم اور سنجیدہ موضوع پر قلم اٹھایا، اور اس مسئلہ اور اس کے متعلقات کو دیانتداری اور متانت سے اس تصنیف مین پیش کیا،

یون تو اقلیتون مین ہندوستان کی چھوٹی بڑی سب اقلیتین داخل ہین، لیکن مصنف نے ان سے مراد صرف مسلمانون اور ان کی فرقہ وارانہ نیابت کو لیا ہے، دوسری اقلیتون کا ذکر کتاب مین ضمنی طور پر آیا ہے، کتاب چند بابون مین تقسیم ہے، پہلے باب مین "مسئلہ اقلیت کا تاریخی پس منظر" دکھایا گیا ہے، کہ مغل فرمانرواؤن کے دور مین ہندو اور مسلمان دونون قومون مین رواداری، یگانگی، اور ترقی کی رفتار مین توازن قائم تھا، ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد انگریزی حکومت نے اپنی بقا و استحکام کے لئے اقلیت کے مسئلہ کو پیدا کیا، مسلمانون کو نظر انداز کرکے دونون قومون کے توازن کو بگاڑا، مسلمان خصوصاً انگریزی تعلیم اور معاشی حالت مین پیچھے رہ گئے،

سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب برقرار نہیں رہا، پھر اردو ہندی زبان کا تنازع پیدا کیا گیا، اس کے ساتھ ہندو اور مسلمانوں میں دو الگ الگ مذہبی، وہابی اور آریہ سماجی تحریکیں چلیں، اور مصنف کے خیال میں اگرچہ یہ تحریکیں برطانوی راج کے خلاف اٹھیں لیکن بنیادی غلطیوں کی وجہ سے ہندو مسلم اختلافات کا ذریعہ بن گئیں" (ص ۲۳) مصنف نے "وہابی" تحریک کے سلسلہ میں دکھایا ہے کہ

> "ابتدا میں ہندوستان میں وہابی تحریک" فرائضی تحریک" کے نام سے اٹھی، جس کے بانی شریعت اللہ صاحب تھے، اس کا مقصد مسلمانوں کے ادنی طبقے خصوصاً مزدوروں اور کاشتکاروں میں بیداری پیدا کرنا، اور احکام الٰہی سے عوام کو آگاہ کرنا تھا، لیکن بعد میں چل کر جب اس تحریک کی باگ ڈور جناب سید احمد بریلوی کے ہاتھ آئی تو یہ تحریک جارحانہ صورت اختیار کرنے لگی، اور تشدد کی وجہ سے جہاں یہ تحریک انگریزوں سے ٹکرا گئی، وہاں ہندوؤں کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کرکے خائف کر دیا"

ہندوستان کی وہابی تحریک کا مفروضہ رشتہ "فرائضی تحریک" سے بے سند جوڑنا صحیح نہیں، یہ صرف دشمن تحریک جیمس اوکنلے کے ذہن کی پیداوار ہے، علمی حلقہ میں اس کا یہ نظریہ قبول نہیں کیا گیا، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں "فرائضی" پر جو مقالہ ہے، اس میں اس کا ذکر تک نہیں آیا ہے، ہندوستان کی وہابی تحریک کا رشتہ اگر جوڑا جا سکتا ہے، تو اس عہد کی نجدی تحریک سے ورنہ دراصل یہ دینی تحریک تجدید و احیاء دین کی ایک مستقل تحریک تھی، توحید خالص کی تبلیغ اور بدعات کا استیصال اس دعوت کے بنیادی اجزاء تھے، اس کے بعد جہاد کا جو علم بلند ہوا وہ ہندوؤں کے خلاف نہ تھا، بلکہ پنجاب میں سکھ حکومت کے ان مظالم کے خلاف تھا، جو وہ وہاں برپا کئے ہوئے تھی، وہاں مسلمانوں کی مسجدیں اور عبادتگاہیں تک محفوظ نہ تھیں، اس لئے اس کو زیادہ سے زیادہ سکھ مسلم اختلافات کی بنیاد تو کہا جا سکتا ہے، ہندو مسلم اختلافات کی بنیاد بتانا صحیح نہ ہوگا، اس تحریک کے سلسلہ میں ہندو مسلم اختلاف کا کوئی واقعہ پیش آنے سے پہلے ہی انگریزی حکومت خود مقابلہ میں آگئی اور اپنی سازشوں سے اس تحریک کو ناکام کرنے میں کامیاب ہوئی، پھر سازش کے مقدمات قائم کرکے اس کو ختم کر دیا

بہرحال مصنف نے اسی سلسلہ میں دکھایا ہے کہ جب ایک طبقہ یا فرقہ طاقتور ہو گیا تو اس کی قوت کو بے اثر کرنے کے لئے دوسرے کمزور فرقوں کو لا کر کھڑا کر دیا گیا اس طرح سامراج نے مختلف طبقوں کے توازن اور کبھی عدم توازن سے اپنی بنیاد مستحکم کی، چنانچہ جب اصلاحات کا دور آیا، تو مسلمانوں میں اپنی کمی اور کمزوری کا احساس پیدا ہو چکا تھا اور وہ حکومت کی شہ سے ملک کی قومی تحریک کو شک اور شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے تھے، ان میں ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی، یا پیدا کی گئی، جو ملک کی عام سیاسی ترقی سے پہلے تحفظات چاہتی تھی، یہاں تک کہ اس نے نیابتی اداروں تک کی مخالفت کی، کہ آبادی کے مختلف طبقات کا تعلیمی و معاشی زندگی میں توازن بگڑ چکا ہے اس لئے انتخابات کا اصول ہندوستان کے لئے موزوں نہیں، جمہوری ادارات کی ترویج کے لئے جس ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، ہندوستان میں اس کا فقدان ہے" لیکن جب ملک کی قومی تحریک میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا تو حکومت نے سپر ڈالی، اصلاحات دینے کا اعلان کیا، اور عین اسی زمانہ میں ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ کے خلاف، ایک مفاد کو دوسرے مفاد کے خلاف، اور ایک جماعت کو دوسری جماعت کے خلاف کامیابی کے ساتھ کھڑا کیا گیا، ملک میں فرقہ وارانہ ہنگامے برپا ہوئے، اور پھر جب اصلاحات نافذ ہوئے، حکومت اسی حکمت عملی کو کامیابی سے کام میں لاتی رہی،

مصنف نے ملک میں اصلاحات کے دیئے جانے کے مختلف دوروں اور ان زمانوں میں اقلیت کے مسائل اور ان کے حل کرنے کی کوششوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کا اندازہ کتاب کے مختلف بابوں کے عنوانات سے کیا جا سکتا ہو مثلاً:-

"نیابتی ادارات کی ترویج اور مسئلہ اقلیت میں پیچیدگی" "بیسویں صدی کے اوائل میں برطانوی سامراج کو ہندوستان میں خطرہ اور فرقہ واریت کی ابتداء" "مسلمانوں کے مطالبات اور ۱۹۰۹ء کی اصلاحات" "ہندوؤں اور مسلمانوں کا سیاسی اتحاد اور اس کے محرکات، میثاق لکھنؤ ۱۹۱۶ء" "۱۹۱۹ء کی اصلاحات اور اقلیتیں" "فرقہ وارانہ اتحاد کی جد و جہد ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۸ء، فرقہ وارانہ مسائل اور قانون حکومت ہند

۱۹۲۵ء، ہندو مسلم اختلافات کے حقیقی اسباب" اور "مسئلۂ اقلیت کی موجودہ صورت حال از ۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۶ء" مصنف نے ان عنوانوں پر سیر حاصل مباحث درج کئے ہیں، اور اصلاحات کے نفاذ کے وقت ملک میں جو سیاسی محرکات کام کرتے رہے، اُن کو بھی نمایاں کیا ہے، ۱۹۱۶ء کے میثاق لکھنؤ کے خوشگوار اثرات چند سال تک قائم رہے، اور مختلف سیاسی جماعتوں کے جلسے ایک مقام پر ایک ساتھ ہوتے رہے، پھر تحریک خلافت و ترک موالات کے کمزور ہونے کے بعد ملک میں نا اتفاقی کی فضا پیدا ہوئی، فرقہ وارانہ اتحاد کی بار بار ملکی کانفرنسیں اور لندن کی گول میز کانفرنسیں بھی ان دونوں قوموں کو متحد کر سکیں، یہاں تک کہ پنجاب اور بنگال کی مجالس مقننہ میں صرف ایک زائد نشست کے لئے ہندو اور سکھ مندوبین نے دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر مسلمانوں کی مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کی پیشکش کو ٹھکرا دیا، اگر یہ پیشکش قبول کر لی جاتی، تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی،

آخر میں ہندوستان میں مسئلۂ اقلیت کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالی ہو کہ اس کی تاریخ تین دوروں میں تقسیم کیجا سکتی ہو، پہلا دور انگریزی حکومت کے آغاز سے اُنیسویں صدی کے اختتام تک ہے جس میں مختلف طبقات کا معاشی و تعلیمی توازن بگڑا، اور مسلمانوں میں اس کا احساس پیدا ہوا، دوسرا دور ۱۹۰۹ء کی اصلاحات سے ۱۹۳۵ء تک رہا، جب کہ جداگانہ نیابت کو دستور میں جگہ ملی، اور مختلف اقلیتوں پست اقوام، پارسی، اور اینگلو انڈینس وغیرہ کو اپنے حقوق کے تحفظ کا احساس ہوا، اس دور میں اکثریت اور مختلف اقلیتوں میں پیہم کشمکش جاری رہی، تیسرا اہم اور فیصلہ کن دور ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۷ء تک کا ہے، جب کہ مسلمانوں کی طرف سے اُن کے اقلیت ہونے کے بجائے ایک علٰحدہ قوم (نیشن) ہونے کا اعلان ہوا، پھر دوسرے طبقوں پست اقوام اور مرہٹوں نے بھی اپنی جداگانہ قومیت کا اعلان کیا، جداگانہ قومیت کے اعلان سے قوم سے علٰحدگی یعنی خود ارادیت کا کامل حق اور دوسروں کے اقتدار اعلیٰ میں جانے سے سبکدوشی حاصل ہوتی ہے،

کتاب کے یہ مباحث پہلی شملہ کانفرنس پر ملا کر ختم کر دیئے گئے ہیں، ان دونوں ملک میں مجلس دستور ساز بیٹھی ہوئی ہے، اور سال دو سال کے اندر یہ مسائل اپنے آخری فیصلہ پر پہنچنے والے ہیں، اب اگرچہ اکثریت اصولاً نہ صرف صوبوں بلکہ منطقوں کے حق خود ارادیت کو قبول کر چکی ہے، باین ہمہ ابھی اقلیتیں اکثریت کو خوف و شبہہ کی نظر سے دیکھتی ہیں، کہ آزاد ہندوستان میں اُن کے مفاد اور حقوق کی نگہبانی کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اس لئے اگر مجلس دستور ساز میں ہندوستان کے ہندو اور مسلمان مدبرین سر جوڑ کر بیٹھیں، اور کوئی فیصلہ کر کے اٹھنے کا تہیہ کر لیں تو دلوں کے شکوک و شبہات بھی مجلس کے تیار کئے ہوئے دستور کے پائدار نقوش سے مٹ سکتے ہیں، اور ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا ہے،

مصنف نے ان مباحث کے لکھنے میں اس موضوع کی مستند کتابوں "مسئلۂ اقلیت" کے، بی، کرشنا، "ہندو مسلم مسائل" "بینی پرشاد" "تقسیم ہند" امبیدکر، معاہدۂ ہند و برطانیہ" سر سلطان، "مسلم ہندوستان" محمد نعمان، اور سرکاری دستاویزات، مختلف کمیشنوں کی رپورٹوں، مختلف قومی و فرقہ وارانہ جماعتوں کی تاریخ، خطبات صدارت، اور مختلف برطانوی مدبرین کی مستند تحریروں سے معلومات اخذ کئے ہیں، اس لئے دراصل اردو میں یہ اس موضوع پر پہلی جامع اور لائق اعتماد تصنیف ہے،

یہ کتاب جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کی سند کے لئے لکھی گئی تھی، اس لئے اس میں "طالب علمانہ دور" کی بعض نشانیاں بھی باقی رہ گئی ہیں، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، مثلاً مدعا کے ظاہر کرنے میں چند ہی سطروں میں ایک ہی بات کا بار بار تکرار جیسے ص ۴۳، ۴۴ میں، اسی طرح عبارت میں "اگرچہ کہ" یا ایسے ہی بعض الفاظ سے نگاہوں کو کھٹک ہوتی ہے لیکن یہ جزئی کوتاہیاں طبع ثانی میں مصنف کے قلم سے خود دور ہو جائیں گی، امید ہے کہ یہ کتاب ملک کے تعلیم یافتہ طبقوں میں مقبول ہوگی، کہ سنجیدہ موضوعوں پر ایسی کتابیں اردو میں شاذ و نادر نکلتی ہیں،

" س "

مطبوعات جدیدہ

ہندوستان کا نظام زر، از جناب ڈاکٹر انور اقبال قریشی حجم ۲۹۲ صفحے تقطیع $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ لکھائی چھپائی بہتر قیمت ے ر، پتہ:- ادارہ معاشیات، فاطمہ منزل حمایت نگر، حیدر آباد، دکن،

جناب مصنف اپنی تصنیف "اسلام اور سود" کے ذریعہ ملک کے علمی حلقوں میں روشناس ہو چکے ہیں، معاشیات میں "ہندوستان کا نظام زر" ان کی دوسری قابل قدر تصنیف ہے، کتاب کا پہلا باب "زر کے چند ضروری معلومات" کے عنوان سے ہے، جس کے مطالعہ سے اس موضوع کے مسائل کے سمجھنے کی راہ کھل جاتی ہے اس کے بعد ہندوستان میں برطانوی حکومت کے آغاز سے دور حاضر تک کے زر کے مسائل جس طریق پر حل کئے گئے، انگلستان یا حکومت ہند کی طرف سے نظام زر کے لئے جو کمیشن بیٹھے، ان میں جو شہادتیں گذریں، اور انھوں نے جو سفارشات کئے، پہلے بڑی لڑائی کے جو اثرات ہندوستان کے سکہ پر پہنچے، اور ہندوستانی سکوں کے انگلستان کے سکوں سے شرح تبادلہ قائم کرنے میں جو منزلیں پیش آتی رہیں، ان کو مختلف بابوں میں تفصیل سے دکھایا ہے، نیز اسی سلسلہ میں ہندوستانی سکوں کے مختلف معیار قرار پانے، اور وقتاً فوقتاً مختلف قیمت کے نوٹ جاری ہونے، پھر ۱۹۳۱ء میں کساد بازاری پھیلنے اور پچھلی بڑی لڑائی کے اثرات ملکی سکہ پر اور اس کے نتائج کو ملک کی معیشت پر دکھایا ہے، مصنف نے ملک میں موجودہ گرانی کا سبب افراط زر کو قرار دیا ہے، اور اس کے وجوہ کی ماہرانہ تحلیل کی ہے، مصنف کے نقطۂ نظر سے افراط زر کا سبب نہ زر کی طلب کا بڑھ جانا ہے، نہ پیدائش کی مجموعی مقدار میں اضافہ کا ہونا ہے اور نہ ایسی صورت پیش آئی، کہ اشیار کی درآمد برآمد پر تجاوز کر گئی ہو، بلکہ اس کا سبب یہ ہے، کہ ہندوستان نے جنگ کے

زمانہ میں انگلستان کو جو مال دیا، اس کی قیمت اسٹرلنگ کی شکل میں انگلستان میں رکھ لی گئی، اور ہندوستان کا ریزرو بنک قانوناً پابند تھا کہ ان کے ہم قدر نوٹ چھاپ کر ان کو ہندوستان میں گردش میں لے آئے، اس طرح خریداری کا کام انگلستان کا رہا، اور مال مہیا کرنے اور قیمت کے ادا کرنے کی ذمہ داری ہندوستان ہی کے سر رہی، اس طریق سے جنگ کے تیسرے سال میں نوٹوں کی تعداد میں ۱۵ فی صد کا اضافہ ہوا، چوتھے سال ۱۰۵ ہو گیا، اور پانچویں سال میں اس اضافہ کی تعداد ۱۲۰ فی صد تک پہنچ گئی، اس افراط زر سے ملک کی معیشت متاثر ہوئی، اشیاء کی قیمتوں میں تناسب برقرار نہیں رہا، اس میں روز افزوں تیزی آتی گئی، یہاں تک کہ اشیاء کی قیمتیں ۲۵۰ یعنی تقریباً ڈھائی گنی بڑھ گئیں،

پھر مصنف نے افراط زر اور قیمتوں کے تناسب کے بگڑنے سے ملک کے مختلف طبقات کے مختلف انداز میں متاثر ہونے کو دکھایا ہے، کہ سب سے زیادہ خسارہ معین آمدنی والوں مثلاً ملازمت پیشہ طبقہ کو اٹھانا پڑا، اُن کی تنخواہوں میں جو اضافے ہوئے، یا گرانی الاؤنس ملے، وہ قیمتوں کے اضافہ کے مقابلہ میں برائے نام تھے، اسی طرح مزدور طبقہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہا، اجرتوں اور قیمتوں میں مسلسل دوڑ ہوتی رہی، اور اس دوڑ میں اجرتیں ہمیشہ بہت پیچھے رہیں، البتہ کاروباری طبقہ کو من مانی منفعت حاصل کرنے کا موقع ملا، اور ملک کی دولت سمٹ کر ایک محدود طبقہ کے ہاتھوں میں آگئی،

اس کے بعد مصنف نے افراط زر کے انسداد کی تدبیروں پر تفصیل سے نظر ڈالی ہے، اور اس سلسلہ میں اپنی ایسی تجویزیں پیش کی ہیں، جن کو اختیار کرکے افراط زر کا انسداد کیا جا سکتا ہے، اور ملک کو کسی خسارہ میں مبتلا کئے بغیر یہاں کی معیشت کو اعتدال پر لایا جا سکتا ہے،

مصنف نے آخر میں ان بین الاقوامی کانفرنسوں کی کوششوں کا جائزہ لیا ہے، جن میں دور حاضر میں بین الاقوامی تجارت اور شرح مبادلہ کے مسائل پر غور کیا گیا ہے، اور اسی سلسلہ میں مختلف ملکوں کے منصوبوں کا ذکر آیا ہے، اور بین الاقوامی زر کے فنڈ اور بین الاقوامی بنک کی تحریکوں کو دکھایا گیا ہے، آخری

باب "ہندوستان کے شرح مبادلہ کا مستقبل" کے عنوان سے ہے، جس مین قیاسی طور پر ان صورتون کو پیش کیا ہے جو جنگ کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان کو زر کے سلسلہ مین پیش آنے والی تھین، یہ کتاب فروری ۱۹۴۵ء کی لکھی ہوئی ہے، اس کے بعد دو سال کے اثنا مین جنگ ختم ہو چکی، ہندوستان کی مرکزی حکومت بدل گئی، اور نئی حکومت نئی حکمت عملی اختیار کر چکی ہے، ضرورت ہے کہ لائق مصنف اپنی ان تجویزون کی روشنی مین جن کو انھون نے آخری باب مین پیش کیا ہے، ہندوستان کے اس دو سالہ دور مین زر کے متعلق حکومت کی حکمت عملی اور اقدامات کا جائزہ ایک مقالہ کی صورت مین لین، اور اس کتاب کے طبع ثانی مین اس کو بطور استدراک بڑھائین کہ کتاب کے مباحث اپنے نتیجہ پر اس صورت مین زیادہ بہتر طریق پر ختم ہون گے، ہم لائق مصنف کو ان کی اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین، کہ معاشی مسائل عموماً خشک اور روکھے پھیکے ہوتے ہین، اور ان مین بھی زر کا مسئلہ اور بھی زیادہ خشک ہے، لیکن اُن کی مساعی سے یہ مسائل اس تصنیف مین عام فہم سلیس اور سادہ زبان اور دلآویز پیرایہ مین قلمبند ہو گئے ہین،

منشور اقوام متحدہ ازجناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ قانون، جامعہ عثمانیہ، حجم ۶۵ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ قیمت ۱۔ عمر، پتہ :- حیدری گشتی کتب خانہ رسالہ عبداللہ حیدرآباد دکن،

پہلی بڑی لڑائی کے نتیجہ مین مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) قائم ہوئی تھی: دوسری بڑی لڑائی کے بعد مجلس اقوام متحدہ (یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن) کی تاسیس عمل مین آئی ہے، اس مجلس مین دنیا کے متضاد عناصر کا چند متحدہ مقاصد کے لئے اجتماع ہو گیا ہے، اور یہ پچھلی مجلس اقوام کے برخلاف اسلحہ سے بھی آراستہ ہو گی، اس لئے اس کی حیثیت اوس سے کسی قدر مختلف ہے، اور ابھی ہندوستان اور جنوبی افریقہ کی نزاع مین اس کی جو روش رہی اس سے اس کے خوشگوار مستقبل کی ایک ہلکی سی اُمید بندھ سکتی ہے، یون تو اس مجلس کے منشور، آئین و ضوابط بعض سیاسی رسالون مین اردو مین منتقل ہو چکے ہین، لیکن اس کی سیاسی اہمیت کا تقاضا تھا کہ کسی غیر معمولی ذمہ دار قلم سے اس کے متن کو اردو کا جامہ پہنایا جائے، جناب ڈاکٹر

محمد حمید اللہ صاحب جو جامعہ عثمانیہ میں قانون بین الاقوام کے استاذ ہیں، اس خدمت کے لئے موزون ترین شخصیت ہو سکتے تھے، خوشی کی بات ہے، کہ انھون نے اس ضرورت کو پورا کیا، اور سلیس اردو مین اس کو منتقل کر دیا، موصوف نے منشور کے متن کے ترجمہ سے پہلے چند صفحے مقدمہ کے طور پر لکھے ہین جس مین نظام عالم مین یک جہتی اور انضمام پیدا کرنے کی پچھلی کوششون کا جائزہ لیا گیا ہے، اور مختلف زبانون مین عیسائیت یورپ اور عالم کے اتحاد کے نام پر جو کوششین ہوئی ہین، ان کو ترتیب سے پیش کیا ہے، عیسائیت کے اتحاد کی کوششون مین اس متحدہ کانفرنس کا ذکر نہین آیا، جو ۱۰۹۶ء مین اٹلی مین ہوئی تھی، اور جس مین اسلامی ممالک کو عیسائی ممالک بنانے کا فیصلہ کیا گیا تھا، اسی طرح مصنف نے "اتحاد یورپ" کی تحریک کے آغاز کو ۱۶۰۳ء مین دکھایا ہے، لیکن اس کا سُراغ اس سے بہت پہلے ۴۷۷ ق م مین مل سکتا ہے جب جزیرۂ ڈیلوس مین یونان کی بحری ریاستون کے نمایندون نے جمع ہو کر "ایتھنز" کی صدارت مین ایک انجمن قائم کی، اور ایک دستور العمل بنایا کہ بحیرۂ ایجین کی حفاظت حکومت اسپارٹا سے کی جائے، اور اس مجلس مین شریک ہونے والی ریاستین ایک معین رقم اور جہازون کی ایک معین تعداد حکومت ایتھنز کو دین، پھر آگے چل کر ان اتحادیون کی حیثیت خراج گذار ماتحتون کی سی ہو گئی، یہانتک کہ اگر کسی نے حلقۂ اتحاد سے نکلنا چاہا، تو اس کو باغی قرار دیکر سزا دی گئی،

امید ہو کہ اس منشور کے متن کا یہ ذمہ دارانہ اردو ترجمہ اردو کے کتب خانون کے لے خاص طور پر منگایا جائے گا،

تبلیغِ حق:۔ ترجمہ مولوی محمد علی صاحب مظفری، حجم ۱۹۹ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ،

پتہ:۔ ادارۂ اشاعتِ اسلامیات، حیدرآباد دکن،

"تبلیغ حق" ایک فارسی رسالۂ البلاغ المبین کا اردو ترجمہ ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لیکن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تصنیفات کی فہرست مین اس

رسالہ کا انتساب راقم سطور کی نظر سے نہیں گذرا، اس رسالہ میں توحید کی تلقین و شرک سے اجتناب کی ہدایت کرکے مسلمانوں میں رائج بدعات و رسوم کا رد کیا گیا ہے، اور کتاب و سنت کے مطابق صحیح عقائد و اعمال کی طرف دعوت دی گئی ہے، ناشر نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں، وہ محصول ڈاک بھیج کر ہدیۃً منگا سکتے ہیں،

خانہ جنگی، از جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) حجم ۱۰۶ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی قیمت ۱۲؍، پتہ:- مکتبہ جامعہ دہلی،

شاہجہان کے دور میں داراشکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان جو خانہ جنگی برپا ہوئی تھی، اس کو اس رسالہ میں ڈرامہ کی شکل میں قلمبند کیا گیا ہے، اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات دکھائے گئے ہیں، اس سلسلہ میں شیخ سرمد کا ذکر اس تفصیل سے آیا ہے، کہ بظاہر اس ڈرامہ کا اصل موضوع یہی معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں شیخ سرمد اور داراشکوہ کے تعلقات، شیخ سرمد کے سوانح، مقدمۂ قتل، ملا ابو القاسم کی شیخ سرمد کی حمایت کرنے کی سبق آموز جرأت، ملا ابو القاسم اور عالمگیر کے مکالمہ اور شیخ سرمد کے قتل گاہ کے مناظر کو خاص طور پر نمایاں کیا گیا ہے،

اسلام کے مشہور سپہ سالار (حصہ اول) از جناب عبدالواحد صاحب سندھی حجم ۶۴ صفحے، قیمت مجلد ۸؍، پتہ:- بک ڈپو انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد، دہلی،

مصنف نے اسلام کے مشہور سپہ سالاروں کے حالات آسان زبان اور سادہ طرز ادا میں بچوں کے لئے لکھے ہیں، اس سلسلہ کا پہلا حصہ شائع ہوا ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سات مشہور صحابۂ کرام کی مجاہدانہ زندگی دلنشین انداز میں پیش کی گئی ہے، رسالہ بچوں کے لئے مفید ہے،

"ص"

جلد ۵۹ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۴۷ء عدد ۲

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ

استفسار و جواب

شذرات

پچھلے دسمبر کے مہینہ میں آل انڈیا ہسٹری کانگریس کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں منعقد ہوا جس کی سرزمین مظلوموں کے خون کی جولان گاہ اس وقت تک بنی ہوئی تھی، اس لئے ضرورت تھی کہ اس مناسبت سے اس میں تاریخ کے ایسے مناظر دکھائے جاتے جو ایک دوسرے سے نفرت کرنے والوں کو باہم ملاتے، اور وہ تاریخ کے آئینہ میں اپنے اسلاف کی صورتیں دیکھ سکتے کہ وہ کیسی شیر و شکر کی زندگی گذار چکے ہیں، اور اس دیس میں اچھے پڑوسیوں کی طرح مل جل کر رہ چکے ہیں لیکن افسوس کہ اس اجلاس میں نہ صرف زندگی کے ان اعلیٰ اخلاقی تصورات کو فراموش رکھا گیا، بلکہ ایک سے زیادہ مقررین جن میں اس صوبہ کے وزیر اعظم بھی ہیں، اس موقع پر بھی اسی بدنام عالمگیر کی "ہندو کشی و ستمگری" کے پامال افسانہ کو دہرائے بغیر نہ رہ سکے،

ادھر چند سال کے اندر اس افسانہ کی یاد کو تازہ کرنے کا سہرا عالمگیر کے قدیم محسن سر جدو ناتھ سرکار کے سر ہے، ناظرین کو یاد ہوگا کہ ۱۹۳۲ء میں حکومت بنگال کے محکمۂ تعلیم نے تاریخ کی درسی کتابوں کی جانچ میں کا ارادہ کیا تھا، اس سلسلہ میں عالمگیر کے دور میں مندروں کے انہدام کی پارینہ داستان بھی زیر بحث آئی تھی اور ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم نے اس موضوع کے ماہر سر موصوف کی طرف رجوع کیا تھا، موصوف نے جواب میں محمد ساقی کی مآثر عالمگیری کی ایک عبارت اخذ کر کے دکھایا تھا، کہ عالمگیر نے ۱۰۷۹ھ میں ملک کے سب صوبوں میں مندروں کے ڈھانے کا حکم علی الاطلاق بھیجا تھا، حکومت بنگال نے موصوف کے اس مراسلہ کو دائرۃ المصنفین میں بھیجا تھا، اور راقم سطور کو اس کا جوابی مراسلہ بھیجنے کا موقع ملا تھا جس میں مآثر عالمگیری سے اس موقع کی پوری عبارت اخذ کر کے دکھا گیا تھا کہ سر موصوف نے بیچ کی ایک عبارت کو ہٹا کر اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا ہے ورنہ در اصل اس فرمان کا تعلق ٹھٹھہ، ملتان اور خصوصاً بنارس کے چند ایسے مندروں سے ہے جو اس زمانہ میں فتنہ و فساد کا مرکز بنے ہوئے تھے، اور جن میں مسلمان بچوں کو لیجا کر بیدینی کی تعلیم دیجاتی تھی، نہ یہ کہ وہ کوئی علی الاطلاق عالمگیری فرمان تھا، یہ مراسلات مقالہ کی صورت میں معارف ستمبر ۱۹۳۲ء میں شائع کر دیئے گئے تھے،

ہسٹری کانگریس کے اجلاس پٹنہ میں ڈاکٹر ہیپا تامرن نے اپنا خطبہ دیا ہے جو لیڈر (مورخہ ۵ جنوری ۱۹۴۳ء) میں "ہندوستان کی تاریخ میں عہد وسطیٰ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس میں عالمگیر کی "رجعت پسند تنزل پذیر سیاسی حکمت عملی" اور ہندوؤں کے ساتھ اس کی انتہائی غفلت شعاریوں کو دل کھول کر بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے: ۔

"دوسری یہ بات بھی علم مین بے آئی ہو کہ بعض اہلِ قلم کی طرف سے چند حقیقتین ابھی روشنی مین لائی گئی ہین جن سے معلوم ہوتا ہو کہ چند اہم مراکز جیسے کہ بنارس کے مندر تھے، ہندوون کی طرف سے مفسدانہ سازشون کے اڈون کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے جن کے خلاف شہنشاہ نے اشتعال مین عملی اقدام کیا اور اس کو اب اس کے تعصب کی شہادت مین پیش کیا جاتا ہے،

لیکن یہ بات فراموش نہین کی جاسکتی کہ ان مندرون کے بے رحمانہ انہدام کی کوئی توجیہ مشکل سے کی جاسکتی ہو جن کو شہنشاہ نے شاہزادگی ہی کے زمانہ مین ڈھایا تھا، اور اسی طرح مختلف قسم کے تعزیری اقدامات وہ ہندوون کے خلاف کرتا رہا! اور پھر کیا یہ سوال نہین کیا جاسکتا کہ یہ ضروری اور قرین دانشمندی تھا کہ آدمیون کے ایک گروہ کو عصیان کی سزا ان مقدس مآثر پر اتاری جائے جو پوری ملک کی ایک عظیم اکثریت کی عقیدت وارادت گاہ تھے، کیا ہندوون کے مذہبی احساسات کو مجروح کئے بغیر ان بدطینت مجرمین کو کسی اور طرح قبضہ مین نہین لایا جاسکتا تھا،"

خوشی کی بات ہو کہ اس تحریر مین سرجدوناتھ سرکار کے اس دعوی سے توبہ رجوع کرلیا گیا جو انھون نے ۱۶۶۹ء کے اس فرمان کو پوری ملک کے مندرون کے انہدام کے لئے حکمِ عمومی کے طور پر قرار دیدیا تھا، پھر اگر "عظیم اکثریت" کے افراد ان عمارتون کی تقدیس کو برقرار رکھنا چاہتے تو ان مجرمون کو اجازت نہ دیتے کہ وہ ان کو مفاسد کا مرکز بنائین، ایسے موقع پر اس زمانہ مین جس کی بھی حکومت ہوتی وہ ایسے مرکزون کو اس زمانہ کی عام روش کے مطابق برباد کرنے کی کوشش کرتا، اس معاملہ مین عالمگیر کے پیش رو حکمرانون اور عالمگیر کے طرز عمل مین کوئی فرق نہ تھا، کہ عالمگیر کو خاص طور پر مطعون کیا جائے،

عالمگیر کی شاہزادگی کے زمانہ کے انہدامون کو ایک سے زیادہ مرتبہ نمایان کیا جاچکا ہو مگر نکتہ چین یہ نہین سوچتے کہ اگر کسی منصب حکومت کے لئے داغ ہو تو ان کے ممدوح شاہجہان کا دامن داغدار ہوتا ہو، عالمگیر نے شاہزادگی کے زمانہ مین گجرات کے مندر ڈھائے تھے، ان مین سے ہر واقعہ کی تحلیل کیجا چکی ہو، اس کی تہ مین کوئی نہ کوئی بغاوت، شورش، اور سرکشی پائی گئی ہو، آخر دکن کی واضح مثال بھی تو موجود ہو، عالمگیر نے وہان ۵۰ سال حکمرانی کی، دکن قدیم ہند کی تہذیب، کلچر اور تعمیر کا گہوارہ ہو، اگر تعصب کی وہ آگ جس کی تپش ہمارے زمانہ کے مورخین ابتک محسوس کرتے ہین، عالمگیر کے دل مین اتنی سلگتی ہوتی تو آج دکن مین قدیم ہند و تہذیب و تمدن کے مآثر کا نشان باقی نہ رہتا، وہان کی ساری پرانی عبادتگاہین جو آج ہند و تعمیر کی جان سمجھی جاتی ہین صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہوتین لیکن معلوم ہو کہ عالمگیر نے دکن کے ۵۰ سالہ دورِ حکومت مین کبھی کسی مندر کو ہاتھ نہین لگایا، رعایا پرامن رہی تو وہ بھی امن سے حکومت کرتا، معارف کے مذکورۂ بالا مقالہ مین ان امور کی تفصیل بیان کی گئی ہو،

اس صوبہ مین جہان ہسٹری کانگریس کا تازہ اجلاس منعقد ہوا، دور سے آئے ہوئے مورخین صوبہ کے ایک عظیم الشان معبد

مین ہندو مسلم رشتۂ اتحاد کو درخشان کرنے والے ایک انمول موتی کی زیارت بھی کر سکتے تھے جو اسی بدنام عالمگیر کے ہاتھون ہان و دیعت رکھا گیا ہو اور جس کو پڑھ کر گیا منتدکا پرہت عقیدت کے ساتھ سینے سے لگائے ہو اس مین ایشانی معبد کی سند جاگیر جو لاکھون لاکھ کی مالیت ہو اور جس سے آج لاکھون لاکھ جاتری فائدہ اٹھارہے ہین، اسی عالمگیر کے ہاتھون کی رہین منت ہے، اس کا ذکر فاضل کے اس مقالہ مین بھی آیا ہے،

بہرحال خوشی کی بات ہو کہ عالمگیر کے کارنامون کو گھٹا ٹوپ اندھیاری مین چھپانے کی ہزارون کوششون کے باوجود حقیقت کی کرن کہین کہین چمکنے لگی ہو دورحاضر کے مورخین کے خیالات کی رو مین اس روشنی کی ہلکی سی جھلک دکھائی دینے لگی ہو، توقع ہو جب تخیلون کی یاد کا زمانہ گذرجائے تو تاریکیون کے پردے پورے طور پر چاک ہوجائین، ڈاکٹر رپا تماسرن موصوف نے ان عیب جوئیون اور نکتہ چینیون کے باوجود اس مقالہ کے آخر مین کچھ اعتراضات بھی کئے ہین، وہ ستایش کے مستحق ہین، فرماتے ہین :-

"دورحاضر مین یہ دکھانے کی کوششین کی گئی ہین کہ اورنگ زیب ہندوؤن کے حق مین نہایت اعتدال پسند تھا، ایسے فرامین کی ایک خاصی تعداد منظرعام پر لائی گئی ہے جس مین عالمگیر نے برہمنون کو عطیے دیئے، اور مندرون پر جاگیرین وقف کی ہین ... قدیم یورپی اور ان کا اتباع کرنے والے ہندوستانی مورخین کے وہ نقوش و تاثرات ناپسندیدہ ہین جو انھون نے اورنگ زیب کے عہد حکومت کے متعلق پیدا کئے ہین، اورنگ زیب کی تاریخ پر (ان فرامین کی اشاعت سے) جو روشنی پڑتی ہے اس سے یقینی طور پر نہ صرف ان یورپی مورخین کے پیدا کردہ تاثرات کی اصلاح ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی آشکارا ہوتا ہو کہ عالمگیر لوگون کے ساتھ اپنے روزمانہ کے طرز عمل اور نظم و نسق مین ایک شریف اور دوسرون کا پاس و لحاظ رکھنے والا انسان تھا، اس مین کوئی شک نہین کہ اس زمانہ کی تاریخ کے متعلق جو غلط نظریے لوگون مین پھیل گئے ہین ان کی تصحیح کی بڑی ضرورت ہے تاکہ مختلف تاریخی پہلوؤن اور سلف کے کارنامون کے متعلق صحیح فیصلے کئے جا سکین، اور ان غلط فہمیون کو دور کیا جائے جو پھیلائی گئی ہین، اور ہماری قومی ترقی کو جو نقصان پہنچانے والی ہین"

فاضل مقرر کی یہ آرزو دراصل اس وقت پوری ہو سکتی ہے، جب غیرون کی مرتب کی ہوئی تاریخ کے پھیلائے ہوئے اس تخیل کو ذہن سے مٹا دیا جائے، کہ مسلم قوم باہر سے آئی ہوئی ہے، اگر باہر سے آنا ہی غیریت ہے تو اس مین سامی اور آرین دونون نسلون کا حال یکسان ہے، آریون کا آخری قافلہ ہندوستان مین تقریباً سنہ ق م مین آیا تھا، اس طرح ہندوون کے آخری اور مسلمانون کے پہلے قافلہ کی آمد کے زمانہ مین صرف ایک ہزار برس سے کچھ بالا کا فرق رہتا ہو، جو قومون کی تاریخ کے لئے کوئی بڑی مدت نہین،

مقالات

مجددِ ملت

اور

قومیات وسیاسیاتِ حاضرہ

از مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی

(۳)

باقی آج کل کی خالص قومیات وسیاسیات کے بارے مین خاص ہندوستان کے حالات کو پیش نظر رکھکر حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے اور دوسرون کے مسلک کو ایک دلچسپ تمثیل کے ذریعہ واضح فرمایا ہے، اس ع

گفتہ آید در حدیثِ دیگران

کو بھی ضرور سُن لین،

"تین رفیق سفر کر رہے ہین، کسی مقام پر پہنچکر دیکھا کہ عین راستہ پر ایک شیر کو تین چار بھیڑیئے لپٹ رہے ہین، اور راستہ بند ہے، اُن کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہین، البتہ سامنے اینٹین، پتھر پڑے ہین، تینون مین اختلاف رائے ہوا، اور رائے سے عمل مین اختلاف ہوا، ایک کی راے ہوئی کہ شیر کی امداد کرنا مناسب ہے، اگر یہ غالب آگیا تو طبعًا احسان سے متاثر ہو کر مزاحمت نہ کرے گا، اور مین اطمینان سے اپنے راستہ پر چلا جاؤن گا، یہ خیال کرکے اینٹون سے بھیڑیون کو مارنا شروع کیا، دوسرے کی راے ہوئی کہ شیر اکیلا بھیڑیئے متعدد، غالب غلبہ انھی کو ہوگا،

لہذا اگر اُن کی نصرت کی تو یہ طبعًا احسان سے متاثر ہو کر مزاحمت نہ کریں گے، اور میں امن و اماں کے ساتھ نکل جاؤں گا، یہ خیال کر کے اُس نے اینٹوں سے شیر کو مارنا شروع کیا،

تیسرے کی راے یہ ہوئی کہ اینٹیں نہ شیر کی مدافعت کے لئے کافی ہیں، اور نہ بھیڑیوں کی، ایسی حالت میں اگر منصور مغلوب ہوگیا، تو غیر منصور کو خواہ مخواہ چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا، اور اگر غالب بھی ہوگیا تب بھی جانور کا کیا اعتبار کہ احسان کی رعایت کرے، بلکہ موقع پاکر وہ بھی طبعًا مزاحمت کریگا، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک اپنے پاس قابلِ اطمینان سامانِ مدافعت نہ ہو کسی کی نصرت نہ کی جائے، بس جس طرح ممکن ہو اپنی حفاظت کی کوشش کی جائے، پھر خواہ غلبہ کسی کو ہو، ممکن ہے کہ ہمارے عدم تعرض کے سبب وہ بھی تعرض نہ کرے، اور کبھی تو اس کا افسوس تو نہ ہوگا، کہ ہم نے خواہ مخواہ خود چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا، یہ دونوں سے علٰحدہ ہو کر اپنی حفاظت میں مصروف ہوگیا، اور جس طرح بن پڑا ان کی زد سے سکون و سکوت کے ساتھ نکل گیا، اور دوسرے راستہ سے چکر کاٹ کر اُسی راستہ پر جا پڑا،

"یہ تین جدا جدا طریقے ہیں جن کو ان تین شخصوں نے اپنے لئے اختیار کیا، اگر ان لوگوں نے قوانین عقلیہ کی مخالفت کی، اور نیت بھی کسی کی فاسد نہ ہو، تو کسی شخص پر کوئی ملامت نہیں ہو سکتی، اور اگر کسی شخص کو اس کے مجوزہ طریق کا مضر ہونا صحیح دلیل سے بتا دیا جائے، اور اُس کے پاس کوئی معقول جواب بھی نہ ہو، اور پھر بھی وہ اس پر مصر رہے تو وہ ضرور مستحق ملامت ہوگا"

ظاہر ہے کہ جس طرح درندہ درندہ ہی ہے خواہ وہ شیر ہو یا بھیڑیا، طبعًا اس سے درندگی ہی کا اندیشہ ہے اسی طرح مسلمانوں کو بھی کافروں سے خواہ وہ کالے ہوں یا گورے، طبعًا ہمیشہ عداوت ہی کا اندیشہ رکھنا چاہئے، اور اگر اُن کے مقابلہ و مدافعت کی طاقت نہ ہو، تو اسلم راہ تا بہ امکان اُن سے علٰحدہ رہکر اپنی حفاظت کا انتظام کرنا ہے، اور مسلمانوں کے لئے بحیثیت مسلمان اپنی حفاظت کے ظاہری

اسباب وتدابیر سے مقدم انتظام یہ ہے کہ پورا پورا مسلمان بننے کی فکر وسعی ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا ونصرت حاصل ہو، بس یہی مجدد وقت علیہ الرحمہ کا سیاست وقت کے متعلق اصل مسلک ہے، کہ

"مسلمانون کو نہ انگریزون کی بغل مین گھسنا چاہئے، نہ ہندوؤن کی"

اور اسی لئے حضرت کانگرس کی شرکت کے شدت سے مخالف ہین، اور ایک فتوے مین شرح سیر کبیر کی عبارت نقل کرکے فرماتے ہین، کہ

"کفار کے ساتھ ایسے معاملات مین شرکت کی شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے تابع ہون، اور اگر وہ ہمارے تابع نہ ہون خواہ متبوع ہون، یا دونون برابر ہون، تو شرکت جائز نہین، جس کی وجہ بھی اسی (مذکورۂ بالا) روایت ہی مین مذکور ہے، کہ شرکت مین اندیشہ یہ ہے کہ جب مجموعی قوت سے اُن کا مقابل مغلوب ہو جائے، پھر وہ اپنی قوت سے مسلمانون کو مغلوب کر سکتے ہین،.... اب اگر مسلمان اسی غیر مسلم طالب آزادی جماعت (کانگریس) کے ساتھ شریک ہو جائین، تو یقیناً وہ مسلمانون کے تابع نہین ہین، بلکہ یا تو متبوع ہون گے، اور مسلمان اُن کے تابع اور غالب یہی ہے، اور یا دونون برابر ہون گے، تو گو یہ احتمال بہت ضعیف ہے لیکن اگر ایسا ہو بھی تب بھی جواز شرکت کی جو شرط تھی، کہ مسلمان متبوع ہون، وہ مفقود ہے، اس لئے جواز بھی مفقود ہے، اور جو وجہ عدم جواز شرکت کی روایت مذکورہ مین بیان کی گئی ہے، کہ مسلمانون سے کام نکال کر پھر خود مسلمانون پر غالب آنے کی کوشش کرین، یہان اس کا خطرہ یقینی ہے،" (اشرف السوانح حصہ سوم ص ۲۰۲)

پھر کانگریس یا ہندوؤن کے ساتھ تعاون وشرکت کی قوت سے انگریزون کے نکل جانے کے بعد سوال ہے، کہ کیا صورت ہوگی؟ دو ہی صورتین ہین، یا تو ہندوؤن کا کامل تسلط ہو یا غلبہ یہ ہے کہ مسلمانون اور غیر مسلمون ہندوؤن وغیرہ کی مرکب حکومت بنے، اس کی نسبت اصول وشرعیہ

کی رو سے ارشاد ہے کہ یا تو کفار کی جگہ کفار مسلط ہوں، یا مرکب کا فرد مسلم تو مجموعہ تابع اخس کے ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں غایت ہی مفقود ہے، اور وہ اخلاء الارض عن الفساد ہے، اور قاعدہ ہے کہ الشیٔ اذا خلا عن الغایۃ انتفی۔" (اشرف السوانح سوم ص ۱۰۰)

راقم الحروف کے نزدیک حضرت علیہ الرحمۃ کی اس تنقیح بالا کے تحت سب سے زیادہ قابل توجہ مسلم لیگ کا **دو قومی نظریہ** و دعویٰ ہے، اصطلاحی مناقشوں یا عالمانہ و فلسفیانہ موشگافیوں سے قطع نظر کرکے دیکھا جائے، تو مومن و مسلم اور کافر و مشرک اگر دو قومیں نہیں تو پھر دنیا میں کون اور کہاں دو قومیں ہوں گی، شرک و توحید یا کفر و اسلام سے بڑھکر اور کونسی دو چیزیں دو انسانوں کو جدا کرکے اُن کے ظاہر و باطن اعمال و عقائد میں تخالف و تضاد پیدا کرسکتی ہیں، کیا دو دشمن مسلمان بھی اپنی نظر و فکر، بود و ماند اخلاق و عادات، معاشرت و معاملات میں وہ بعد المشرقین محسوس کر سکتے ہیں، جو ایک کافر اور ایک مسلمان ایک ہی گھر میں رہنے والے دو سگے بھائی محسوس کریں گے![1]

لہذا کسی وقتی مصلحت کے تحت کسی وقتی مقصد کے حصول کے لئے کسی خاص عمل و معاملہ کی حد تک وقتی اتحاد وہ بھی بصورت معاہدہ یہ تو جائز بلکہ کسی وقت واجب بھی ہو سکتا ہے لیکن وحدت قومی (نیشنلزم) کے تصور کے ساتھ مسلمانوں کا کانگریس یا کسی ایسی جماعت کے ساتھ کوئی مستقل و حقیقی اتحاد و ادغام جس میں اکثریت و غلبہ یا مساوات کا درجہ بھی کفار و مشرکین کو حاصل ہو، اور مسلمانوں کو مغلوب و تابع یا کفار و مشرکین کی مساوات کے ساتھ رہنا پڑے تو یہ دنیا میں نہ صرف اُن کی دینی وحدت اور اُن کے دینی مقام امامت و متبوعیت کے قطعاً منافی ہوگا، بلکہ نفس اُن کے دین کے لئے مہلک ہوگا، خصوصاً موجودہ مسلمانوں کا دینی انتشار و اضمحلال جس درجہ کو پہنچ گیا ہے، اس میں تو خدانخواستہ اگر یہ کانگریس میں مدغم ہوجائیں، تو اُن پر ہندوؤں کی صورت و سیرت کا رنگ اس سے زیادہ سرعت و شدت کے ساتھ چڑھے گا، جتنا انگریزوں

---

[1] جزاہ اللہ، سرسری نگاہ میں مولف سلمہ نے حضرت کی تعلیمات کا عطر کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ (عبدالماجد)

کا چڑھا ادیہ نئی قیاسی بات نہین، بلکہ ۱۹۳۷ئہ کی کانگرسی حکومت کے چند وزہ ہی دور مین عوام وخواص، تعلیم یافتہ ونا تعلیم یافتہ ہر طبقہ کے مسلمانون مین ایسی مسخ شدہ صورتین اور مثالین مشاہدہ مین آئین، کہ خدا گواہ ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، کہ یا اللہ ان مسلمانون کو آخر کیا ہو گیا ہے، کہ اپنی صورت تک کو اتنا ذلیل سمجھتے ہین، کہ انگریزون کی حکومت آئی، تو اُن کی صورت بنالی، اور اب چار دن سے ہندوون کا برائے نام کچھ حکومت مین دخل وغلبہ ہوا، تو اُن کی شکل بنانے لگے، اور وہ بڑا نادان اور انسان کی معمولی نفسیات سے بھی جاہل ہے، جو یہ خیال کرتا ہے کہ صورت، سیرت پر مؤثر نہین ہوتی، یا ظاہر باطن کا آئینہ نہین ہوتا، ایسی حالت مین مسلم لیگ سے مسلمانون کے بیٹھے رہنے مین کم از کم اتنا نفع تو یقینی ہو کہ اب نہ رخصت ہونے والے انگریزون کی صورت بنانے کی ترغیب ہوگی، اور نہ کانگریس یا ہندوون کے مقابلہ و رقابت کی وجہ سے ہندوون کی صورت بنا دین گے، کفار ومشرکین سے کسی بہانہ سے بھی طبیعت کا بُعد دین کا ایک بڑا وقایہ و محافظ ہے، ایسے ہی جیسے بُری صحبت سے بعد، اور ایمان کے لئے کفر و شرک سے بڑھکر بُری صحبت کونسی ہو سکتی ہے،

بہر حال اسی قسم کے اسباب و وجوہ کی بناء پر حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ نے کانگریس سے قطعی بیزاری اور بدرجۂ تنزل وبامید اصلاح لیگ مین شرکت کا مسلمانون کو بطور اھون البلیتین شرح صدر کے ساتھ فتوی دیا،

"اس مین تو کوئی شک نہین کہ فعنا حاضر مین مسلمانون کو شدید استحکام کے ساتھ منظم ہونے کی سخت ضرورت ہے، اور اُن کے تمام منافع و مصالح کی حفاظت اور تمام مفاد و مفاسد سے صیانت اس تنظیم پر موقوف ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان پر یہ بھی واجب التسلیم والعمل ہو کہ وہ تنظیم حسب قدرت بالکل احکام شرعیہ کے موافق ہو، سو اگر اس وقت ملک مین اس صفت کی کوئی منظم جماعت موجود ہوتی، یا اس کا ہونا متوقع قریب ہوتا تو جواب

واضح تھا، لیکن موجودہ حالت میں افسوس اور نہایت افسوس ہے، کہ ایسی جماعت کا نہ تحقق ہے نہ قریب توقع، اس لئے بجز اس کے چارہ نہیں، کہ موجودہ جماعتوں ہی میں سے کسی میں داخل ہوں، اور اس میں قواعد شرعیہ کی رو سے جو نقص ہو، اس کی اصلاح کریں، اور اگر ان میں ایک کی اصلاح آسان ہو، اور دوسری کی دشوار تو بقاعدہ عقلیہ و نقلیہ من ابتلی ببلیتین فلیختر اھونھما اس میں داخل ہو جائیں جس کی اصلاح آسان ہو...... مسلم لیگ خالص[1] گو مسلمانوں کی جماعت ہے، اور کانگرس میں عنصر غالب غیر مسلمون کا ہے، اور جو شخص اسلام کو حق جانتا ہو اس کو شریعت کے قریب لانا بہ نسبت اس شخص کے جو اسلام کو حق نہیں جانتا، ظاہر ہے، کہ سہل ہے،......

......پس اس اصل کی بنا پر شرح صدر کے ساتھ میری یہ رائے قائم ہوتی ہے، کہ مسلمانوں کو اطمینان و توکل کے ساتھ مسلم لیگ میں داخل ہو جانا چاہئے، پھر ان میں جو اہلِ قوت و اہلِ اثر ہیں ان کو اپنی قوت و اثر سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے، اور جو اہلِ قوت نہیں وہ اہلِ قوت کو وقتاً فوقتاً یاد دہانی کر کے تقاضے کے ساتھ اصلاح مطلوب کی درخواست کرتے رہیں،

یہ تو خلاصہ ہوا اپنے انتظام کا، باقی دوسروں کے ساتھ معاملہ تو اس انتظام کے بعد اگر کانگرس مسلم لیگ سے صلح کی طرف مائل ہو تو حسب ارشاد "وان جنحوا للسلم فاجنح لھا" اس سے اصول شرعیہ کے موافق تیقظ و تدبر کے ساتھ اہلِ تجربہ و اہلِ علم و اہلِ فہم کے مشورہ سے صلح رکھیں، مگر اپنی تنظیم کو اس وقت بھی قوت و استقلال کے ساتھ قائم رکھیں،

---

[1] اور ان کا متقی نہ ہونا...... مانع نصرت نہیں ہو سکتا، اس کی متفق علیہ
- - - - - - - - -
نظیر ترکی سلطنت ہے، کہ وہ بھی متقی نہ تھے، مگر صرف اس بنا پر کہ مخالفین اسلام کی مدافعت کرتے تھے، تمام اہلِ حق علما و مشائخ نے (جن میں ہمارے اکابر بھی ہیں بلکہ پیش پیش رہے ہیں) ہر موقعہ پر ان کی نصرت کو دینی فریضہ سمجھا،

اس کو کمزور نہ ہونے دین، اور نہ کانگریس مین مدغم کرین، کہ شرع و تجربہ دونون کے اعتبار سے نہایت مضر ہے،

اور اگر بالفرض مسلم لیگ کی اصلاح سے قبل یا بعد اور کوئی جماعت مسلمہ منظمہ صاحب قوت واثر تیار ہو جائے، تو اس صورت مین مسلم لیگ اور وہ دونون اتحاد و اشتراک کے ساتھ کام کرین، تاکہ مسلمانون مین افتراق و تشتت نہ ہو، اور ان سب حالات مین قولاً و فعلاً و مالاً و تقریراً و تحریراً موافق و مخالف ہر ایک کے ساتھ اخلاق اسلامی کو اپنا شعار رکھین، جیسا کہ ارشاد ہے، قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن وغیرھا من الآیات،

خلاصہ دستور العمل یہ ہے کہ از خود نہ کسی سے آویزش کی ضرورت اور نہ آمیزش کی، رضائے حق کو مطمح نظر رکھ کر اپنے کام مین لگے رہین، اور اس کی شرط یہ ہے کہ ہر کام مین اس کا پورا لحاظ رکھین کہ کوئی امر خلاف شرع نہ ہونے پائے، یہی حیات مسلم کا اصل الاصول ہے، اور اس استقلال و استقامت کے ساتھ ہی دعا و ابتہال کو اصل وظیفہ و تدبیر سمجھین، اور پھر نصرت حق کے منتظر رہین"

حزم و احتیاط تو حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کا خاص حصہ تھا، اس لئے اس فتوی کے آخر مین ایک نوٹ کا بھی اضافہ فرما دیا گیا ہے، کہ

"یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالات بدل جائین، تو حکم بھی بدل جائیگا"

(افادات اشرفیہ مرتبہ مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی ص ا، تا ص ۵)

موجودہ حالات مین بھی ان شریک ہونے والون کا کام مسلم لیگ کے لئے صرف الکشن لڑانا، جلسے کرنا، جلوس نکالنا، نعرے لگانا نہین، بلکہ اہل قوت و اہل اثر و غیر اہل قوت و غیر اہل اثر غرض ہر طبقہ کے شریک ہونے والون کا اصل و مقدم کام یہ ہے کہ دینی نقطۂ نظر سے لیگ کی اصلاح مین لگے رہین، اس کی اہمیت کی بنا پر اس فتوے کے ایک اور ضمیمہ مین تاکید فرمائی گئی کہ

"جس جماعت میں داخل ہوں اس کی اصلاح کی کوشش کریں، اور اس میں منکر پر نکیر کرنا بھی آگیا، (یعنی خلاف دین باتوں پر روک ٹوک کرنا) اصلاح اس تفصیل سے کیجائے کہ اہلِ قوت اپنی قوت سے اور غیر اہلِ قوت اُن اہلِ قوت کو آمادہ کرنے سے اور علماء سے علمی و عملی امداد حاصل کرنے سے کام لیں، (افاداتِ اشرفیہ ص ۷)

اس لئے خوب سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ حضرت علیہ الرحمۃ کے خادموں یا غیر خادموں میں حضرت کے فتوی اور حضرت کا نام لے کر لیگ میں شرکت فرماتے ہیں، اور پھر اپنی استطاعت بھر اس کی دینی اصلاح کا حق نہیں ادا فرماتے، نہ اس کی خلاف شریعت باتوں پر روک ٹوک فرماتے ہیں، تو اُن کی شرکت کچھ ویسی ہی طفلانہ اور نادانی کی ہے، جیسے بعض بچوں کو دیکھا کہ روزہ تو نہیں رکھتے، مگر سحر کے وقت کھڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھتے ہیں، اور سب سے پہلے کھا لینا چاہتے ہیں، دینی نقطۂ نظر سے لیگ میں ایسی شرکت دراصل بے روزہ کا سحر وافطا ہے!!

اسی ضمیمہ میں حضرت نے اسی غایت حزم واحتیاط سے مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کی ایک شرط اور لگائی ہے، کہ

"یہ شرط ضرور ہے کہ اس تعاون میں جو اختلاط ہو، وہ دین کے لئے مضر نہ ہو، اور اُس کی اسلم صورت یہ ہے کہ عوام الناس ایسے لوگوں سے مذہبی گفتگو نہ کریں، نہ سنیں، یہ کام علماء پر چھوڑ دیں"

جس کی صورت یہی ہے کہ لیگ کے ایسے لیڈر جو دین کے عالم ومحقق نہیں، وہ اپنے جلسوں وغیرہ میں عوام کے اوپر کسی مسئلہ ومعاملہ پر دینی اعتبار سے ہرگز کوئی گفتگو نہ فرمائیں، مگر اس کی احتیاط کون کرتا ہے، بلکہ آج کل کے لیڈروں کا تو یہ بڑا مرض ہے، کہ وہ قرآن وحدیث کا انگریزی اردو کچھ الٹا سیدھا ترجمہ پڑھکر دین کے محقق ومفتی بن جاتے ہیں، اور بے باکانہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں قرآن

حدیث کو پیش کرتے، اور اُن سے مجتہدانہ استنباط فرماتے ہیں، جس کی بدولت خود ان کے اور اُن کی تحریروں اور تقریروں کے پڑھنے سننے والے عوام الناس کے ہاتھوں میں دین جس طرح بازیچۂ اطفال اور اتباع ہوا اور اعجاب کل ذی رائے برائیہ کا آلہ بن گیا ہے، وہ دین کے حق میں ایک بڑا مہلک فتنہ ہے، جو قومیات و سیاسیات حاضرہ کی راہ سے داخل ہو گیا ہے،

اور اگر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی ہدایت کے مطابق اس فتنہ کا اس طرح سد باب نہ کیا گیا، کہ خالص قومی و سیاسی لیڈر خود دین کے مفتی بننے کے بجائے اس کام کو علمار محققین اور اُن کے مشورے کے تابع کر دیں تو مسلمانوں کے رہے سہے دین کا بھی خدا ہی حافظ ہے، اس لئے لیگ میں شرکت فرمانے والے حضرات علمار کا دینی فریضہ ہے، کہ خود اکابر و اصاغر لیگ کی دینی اصلاح سے بھی پہلے اسی فتنہ کو آگے بڑھنے سے روکیں،

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے مذکورۂ بالا ضمنی ہدایت پر قناعت نہیں فرمائی، بلکہ بعض شبہات کے دور فرمانے کے سلسلے میں اس کی پوری محققانہ و مجتہدانہ تفصیل فرمائی ہے، جو ملخصاً عرض ہے،

"سیاسیات کے دو حصے ہیں، ایک ان کے احکام شرعیہ، یہ شریعت کا جزء ہے، اور کوئی عالم اس سے ناواقف نہیں، چنانچہ ابواب فقہ میں کتاب السیر ایک مستقل و مبسوط جزء ہے، جس کی درس و تدریس پر دوام و التزام ہے، اور دوسرا حصہ سیاسیات کی تدابیر تجربیہ ہیں، جو ہر زمانہ میں حالات و واقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر و تبدل سے بدلتی رہتی ہیں، یہ حصہ شریعت کا نہ جزء ہے، اور نہ علماء کا اس میں ماہر ہونا ضروری ہے،

لیکن اس حصہ کے شریعت کے جزء نہ ہونے کے یہ معنی نہیں، کہ یہ شریعت سے مستغنی ہو، اور اس کے استعمال کرنے والوں کو علماء شریعت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں، کوئی واقعہ کوئی عمل، کوئی تجویز، اور کوئی رائے دنیا میں ایسی نہیں، کہ جس کے جواز و عدم جواز کا

شریعت سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہو، گو وہ شریعت کا جزو نہ ہو، تو جزو نہ ہونے سے تابع نہ ہونا لازم نہین آتا، جیسے فن طب مین سیاست بدنیہ یعنی اصلاح احوال بدن کی تدابیر مدون کی گئی ہین، تو علمائے شرائع کا ان تدابیر مین ماہر ہونا لازم ہے، اور نہ یہ عدم مہارت اُن کے حق مین نقص ہے، البتہ ان تدابیر کے جواز و عدم جواز کی تحقیق اُن کا فرض منصبی ہے، (مثلاً یہ کہ فلان مرض کی فلان دوا یا تدبیر کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز)

اسی طرح سیاسیات مدنیہ یعنی نظام ملکی کے ساتھ معاملہ کرنا لازم ہے، اور طریق عمل مین دونون جماعتون کے فرائض کو اس طرح جمع کیا جائے، کہ پہلی جماعت سے تدابیر کی تحقیق کرین، اور دوسری سے احکام شرعیہ کی، اسی طرح جہان نظام مذکور فرض ہو جائے تو دوسری جماعت بھی پہلی جماعت سے تدابیر دریافت کرے، اور بشرط جواز شرعی اُن پر عمل کرے، اور پہلی جماعت دوسری سے ان تدابیر کے شرعی جواز و عدم جواز کی تحقیق کرکے ثبوتِ جواز کے بعد عمل کرے،

"البتہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہلِ سیاست کی ایسی نہ ہو، کہ علماء سے احکام پوچھکر عمل کرے، جیسا کہ اس وقت غالب ہے، تو اس وقت علماء ایسی جماعت کے پیدا ہونے کے منتظر نہ رہین، ورنہ مجبان دنیا دینی مقاصد کو تباہ کر دین گے، بلکہ وہ خود اپنے مین سے ایسی جماعت بنائین، جو علماً و عملاً سیاست و شریعت کی جامع ہو، اور یہ حکم کچھ سیاست مدنیہ کے ساتھ خاص نہین، بلکہ سیاستِ مدنیہ، بلکہ تجارت و زراعت وغیرہ جتنے فرائض کفایہ ہین، سب کا یہی حکم ہے"

حضرت مجدد وقت کی سیاسی تجدید کی روسے اس وقت یہ جماعت جمعیۃ العلماء ہی کی ہو سکتی تھی، بشرطیکہ وہ اپنے کو کانگریس مین شریک اور عملاً مدغم نہ کر دیتی، جو حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک بصورت موجودہ

کسی طرح جائز نہین، اور جس کی اس درجہ مین دراصل کوئی ناگزیر صورت بھی نہ تھی، کہ اس کے ارکان و اکابر کانگرس مین کوئی عہدہ قبول فرماتے، یا اُس کے سیاسی پروگرام کی طابق النعل بالنعل اتباع کرتے، اس لئے کہ کانگرس، قومیت کا زبان سے خواہ کتنا ہی دعویٰ کرے لیکن عملاً وہ ایک ہندو جماعت ہے، اور ہندو ہی رہے گی، اور اس لئے جمعیۃ کی طرح اس مین شرکت کرنے والی علمار کی کسی جماعت کے متعلق (اس کی احتیاط کے باوجود) آسانی سے باور کیا، اور کرایا جاسکتا ہے، خصوصاً عام مسلمانون کو کہ وہ جماعت عام مسلمانون کے خلاف ہندوؤن کے ساتھ شریک اور اُن کا آلۂ کار بن گئی ہے،

ایسے مواقع تہمت سے دور رہنے کی مصلحت سے بھی، اور اصولاً بھی جمعیۃ العلمار کا اصل مقام کانگرس اور موجودہ لیگ (جب تک کہ وہ اپنی سیاسی تدبیرین شرعی جواز و عدم جواز کے تابع نہ ہوجائے) دونون سے بلند و جدا رہنے ہی کا تھا، البتہ لیگ بہر حال بُرے بھلے کلمہ گو مسلمانون کی جماعت ہے، اس لئے اس کی دینی اعتبار سے اصلاح کی طرف دلسوزی کے ساتھ ہر ممکن طریق و تدبیر سے زیادہ توجہ فرمانا چاہئے تھا، تو عام مسلمان بھی قدرۃً یہی محسوس کرتے، کہ جمعیۃ العلمار مسلمانون یا مسلم لیگ کی مخالف نہین ہے، بلکہ خیرخواہانہ اس کی دینی اصلاح کی ساعی ہے،

گو راقم ہذا کے چھوٹے مُنہ کے لئے یہ بڑی بات ہے، تاہم ایک قلبی تقاضے کی بات ہے، اس لئے عرض ہے، کہ کاش اب بھی جمعیۃ العلمار کے اکابر اس پر غور فرمائین خصوصاً جب کہ بظاہر اب ہندوستان کی آزادی اور انگریزون سے کچھ دیر یا سویر گلو خلاصی یقینی نظر آرہی ہے، تو جمعیۃ کی شرکت و عدم شرکت یا تائید عدم تائید سے کوئی معتد بہ فرق اس مین قطعاً واقع نہین ہوسکتا، اور جمعیۃ کا اصل مقصد کانگرس کا ساتھ دینے سے انگریزون سے نجات ہی حاصل کرنا ہوسکتا تھا،

نیز اس صورت مین حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے نسبت یا عقیدت کا دعویٰ رکھنے والے علمار کا بھی فرض ہوگا، کہ وہ حضرت کی اس مذکورۂ بالا مجددانہ ہدایت وارشاد کے بموجب جمعیۃ العلمار مین شامل

جو جائیں علماء کی، اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیاست کی ایسی نہ ہو کہ علماء سے احکام پوچھکر عمل کرے جیسا اس وقت غالب ہے..... تو علماء خود اپنی ہی ایسی جماعت بنائیں، اس لئے کہ لیگ بہر حال نہ اس وقت ایسی جماعت ہے، اور نہ مستقبل قریب میں ہونے کی توقع ہے، جو علما سے احکام شریعت پوچھ پوچھکر عمل کرے،

باقی اگر لیگ آج ہی ہمت باندھ کر ایسی جماعت بنجائے تو پھر علماء کو سرے سے ایسی سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت نہیں، اور اس باب میں اُن کا فرض منصبی صرف یہ رہ جائے گا، کہ لیگ کی پیش کردہ سیاسی تدابیر کے جواز وعدم جواز کی تحقیق فرمادیا کریں، اور اپنا اصل وقت نیابتِ نبوت کے اصل فرضِ منصبی یعنی مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کی دینی اصلاح وتبلیغ میں صرف فرمائیں، اس فرض میں غفلت وکوتاہی نہ ہوئی ہوتی، تو آج اگر جمعیۃ العلماء کسی عارضی ووقتی مصلحت کی بنا پر بالکلیہ بھی کانگرس اور ہندوؤں کے ساتھ شریک ہوجاتی، تو عام مسلمانوں کو ہرگز کسی بے اعتمادی وبدظنی کا موقع نہ ہوتا، اور نہ وہ اس طرح علماء کا دامن چھوڑ بھاگتے،

حضرت کے کسی عزیز نے بھی کچھ ایسی ہی باتیں تحریر کی تھیں جن کی توثیق فرماکر لفظ بہ لفظ حضرت نے اپنے اسی مضمون بالا میں نقل فرمایا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے علماء کا سیاسی جماعت سے علحدہ رہنا اولیٰ ہے، کیونکہ اس وقت

"عام سیاسی لیڈر ملکی مصالح کو دین پر مقدم رکھتے ہیں، اور مصلحت ومذہب میں تعارض ہوتا ہے، تو مذہب میں بعید سے بعید تاویل کرنے میں دریغ نہیں کرتے، چنانچہ (سیاست میں شریک ہونے والے) علماء بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں، اور ان کی تاویل چونکہ بزنگ دین

سلہ لیکن جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ حضرت رح کے اجل خلفاء ورفقا کے ساتھ انھی مقاصد کو لے کر تو وجود میں آچکی ہے؛ (عبد الماجد)

ہوتی ہے، اس لئے وہ عام مسلمانوں کو زیادہ غلطی میں مبتلا کرتی ہے، لہٰذا اس وقت طریق کا مفید یہ ہوسکتا ہے، کہ سیاسی جماعت علٰحدہ ہو، اور مذہبی علٰحدہ اور مذہبی جماعت اپنا تبلیغ کا اصل کام اس طرح انجام دے کہ مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی نگرانی کرے، کہ وہ شریعت کے خلاف عمل نہ کر بیٹھے،

اور چونکہ موجودہ زمانہ میں سیاسی جماعت مذہبی جماعت سے پوچھکر عمل کرنے کی عادی نہیں اس لئے علمار کے ذمہ تھا کہ خود اُس جماعت کے پاس پہنچتے، اور احسن طریق سے تبلیغ کرتے مگر افسوس کہ علمار مسلمانوں کی مخالف جماعت میں داخل ہوکر مسلم جماعت کے لیڈروں کا مقابلہ کرتے ہیں، جس سے ان لیڈروں کو بھی علمار کے مقابلہ کی جرأت ہوگئی، اگر علمار اپنا اصل کام تبلیغ ہی رکھتے، جو اصل سیاست تھی، کہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنا دیا جائے تو آج جس وقار و عظمت کے کھونے کی علمار شکایت فرماتے ہیں، اس میں چار چاند لگ جاتے اور تبلیغ دین کا ثواب آخرت مزید براں،....... موجودہ طرز میں لیڈروں کو مقابلہ کا موقع دینے سے علمار کی عظمت و وقعت مسلمانوں کے دلوں سے نکلی جارہی ہے، جو مسلمانوں کے دین کو ہمیشہ کے لئے مضر ہورہی ہے، بخلاف اس کے اگر یہ حضرات تبلیغ فرما کر لیڈروں کو سنبھالتے، تو اس طرز میں شرعی طریقہ پر ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی محافظت بھی ہوتی، اور علمار کی عظمت بھی بڑھتی، (افاداتِ اشرفیہ ص ۲ ۹)

خود حضرت علیہ الرحمہ کو آخر وقت تک اصلی فکر لیگ اور اکابر لیگ کو دین کی تبلیغ اور دینی اصلاح ہی کی رہی، وفات سے تین مہینے قبل لیگ کی طرف سے ایک دعوت نامہ کے جواب میں خود تشریف لے جانے کی معذوری کے ساتھ تحریر فرمایا کہ

"اپنی دو کتابوں کا پتہ دیتا ہوں جو انشاء اللہ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے پیام عمل ہو"

ایک حیاۃ المسلمین شخصی اصلاح کے لئے اور دوسری صیانۃ المسلمین جمہوری نظام کے لئے ان کے مضامین اپنے موضوع میں رنگین نہیں، لیکن سنگین ہیں، وہی فرق ہے جو ذوق و غالب کے اشعار میں، ورنہ بدون عمل یہ سب کوشش اس کا مصداق ہوگی، کہ نشستند و گفتند و برخاستند ...... اگر یہاں مل گئیں، تو دونوں کتابیں ہدیۃً روانہ کروں گا، ورنہ دہلی میں تلاش کی جائیں، پھر حیوٰۃ المسلمین مل گئی اور روانہ بھی فرما دی،

گو یہ بالکل واضح ہے کہ حضرت کا آخر وقت تک رجحان (خواہ بطور راہون البلیتین) رہا لیگ ہی کی جانب لیکن مندرجہ بالا فتوے میں حضرت نے جو بنظر احتیاط یہ قید بڑھا دی تھی، کہ "یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالت بدل جائے، تو حکم بھی بدل جائے گا"

اسی احتیاط نے اب لیگ کے عملِ اقدام (ڈائرکٹ ایکشن) کی تجویز اور کلکتہ وغیرہ کی خانہ جنگی میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کی خونریزی کے واقعات کے بعد ایک پیشینگوئی کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لئے کہ اوپر یہ اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ اسلامی باقاعدہ جہاد و قتال کے تمام شرائط جب تک جمع نہ ہوں، اُس وقت حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس طرح کی خونریزی کو دعوت دینا تو درکنار سرتاسر مظلومیت کی حالت میں بھی صبر کے سوا جیل جانے تک کے مروجہ طریقے قطعاً ناجائز اور خودکشی کے مرادف ہیں، ایسی صورت میں لیگ سے تو امید نہ تھی، کہ وہ حضرت کے حکم و ارشاد سے اپنی اس تجویز کو بدلتی، البتہ حضرت ہی شرکت لیگ کی تائید و ترجیح کے فتوے کو غالباً عدم جواز سے بدل دیتے، لہٰذا حضرت کے مسلک یا خود حضرت سے عقیدت رکھنے والے علماء جو لیگ میں شریک ہیں ان کو اس کی طرف پہلے پوری قوت سے لیگ کو توجہ دلا کر پھر خود اپنے تعلق کا فیصلہ فرمانا چاہئے[1]

---

[1] اس مضمون کی اشاعت سے پہلے لیگ نے بھی عارضی حکومت میں شرکت قبول کر لی ہے، اس لئے سردست اس "عملِ اقدام" کی باقاعدہ تجویز کو تو عمل میں لانے کی غالباً ضرورت نہ ہوگی، لیکن بے قاعدہ نواکھالی وغیرہ میں جو کچھ ہوا ہے اس کی روک تھام سب کاموں پر مقدم ہے، اور آئندہ کے لئے اس کے سدباب کی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے، (عبدالماجد)

فتوی میں اس مذکورۂ بالا احتیاط کے علاوہ لیگ کے اجلاس پٹنہ (۱۹۳۸ء) کے موقع پر حضرت نے ایک خاص وفد کی معرفت لیگ کو جو پیام روانہ فرمایا تھا کہ "مایوس ہونے تک اپنی طرف سے ان دونوں دعوتوں کو یعنی عامۂ مسلمین کو لیگ کی طرف اور لیگ کو احکامِ دین کی طرف ترک نہ کیا جائیگا" اس کا منشا یہی تھا، کہ لیگ کی سعی تو پوری اور ہر طرح کی جائے، لیکن آخر ہر سعی کی ایک حد ہوتی ہے، اور مایوسی کے بعد لازماً کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے،

اس پیام میں حضرت علیہ الرحمۃ نے عام احکامِ دین کے ساتھ دو باتوں کے تقدم و اہتمام پر خصوصیت سے متوجہ فرمایا تھا، ایک نماز دوسرے اسلامی وضع و ہیئت و لباس" مگر اس آٹھ سال کے طویل عرصہ میں لیگ نے ان دو باتوں کی طرف بھی اصولاً یا عملاً اتنی توجہ تک نہیں کی کرائی جتنی کانگرس میں کھدر پوشی کی طرف ہے، ایسی حالت میں سیاسی تدابیر وغیرہ میں عام احکامِ دین کی اتباع کی کب اور کیا امید ہوسکتی ہے، تاہم احقر کے نزدیک حضرت علیہ الرحمہ کے مسلکِ احتیاط کا تقاضا ہے، کہ علماء اور غیر علماء دونوں میں جو حضرات دین کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہیں، اور ساتھ ہی کچھ قوت و اثر رکھتے ہیں، وہ اپنی پوری طاقت سے لیگ کو اس پر کم از کم ایک دفعہ اتمامِ حجت کے لئے متنبہ فرما کر اور کم و بیش ایک سال کی کوئی مقررہ مدت اس سے طے فرما کر ایک موقع اور دیں، اور اس مدت میں اگر ان دو باتوں پر بھی کوئی معتدبہ عمل نہ ہو، تو پھر حضرت سے عقیدت و نسبت کا دعوی رکھنے والوں کو ضرور سوچنا چاہئے، کہ کیا مایوسی کے لئے حضرت کی مراد کوئی نامتناہی مدت تھی،

اس سلسلہ میں حضرت مجدد نے اس غلط فہمی کو بھی دور فرمایا، کہ دین کے علماء کا سیاست کی تدابیر و تجربات میں ماہر ہونا نہ لازم ہے، نہ کوئی نقص، جب خود حضرات انبیاء علیہم السلام کا سلاطین ہونا نہ ضروری ہے، نہ اُن کے کمالات دین و نبوت میں، اس سے کوئی کمی واقع ہوتی ہے، تو پھر علماے دین کا کیا ذکر، فرماتے ہیں کہ

"ہر چند کہ یہ بدیہی و جلی ہے، اور خفی بھی ہوتا، تب بھی طبق مثال سے تنبہ کے بعد جلی ہو گیا، مگر تبرعاً بعض آیات سے زیادہ منہ کئے دیتا ہوں، سورۂ بقرہ کی آیات الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسٰی الی قومہٖ فلما فصل طالوت بالجنود قال ان اللہ مبتلیکم بنھر کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہو کہ (حضرت موسٰیؑ کی وفات کے بعد قوم جالوت کے ظالمانہ تسلط سے تنگ آکر) بنی اسرائیل نے اپنے ایک نبی سے عرض کیا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے، جس کے ساتھ ہم مل کر قوم جالوت سے جہاد کریں، انھوں نے فرمایا کہ اچھا اللہ تعالٰی نے تمھارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا، جو اس بات پر نص ہے، کہ بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی موجود ہونے کے ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ ہمارے قائد بن جائیے، بلکہ ایک مستقل بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی، سو اگر وہ نبی کافی سمجھے جاتے تو ایسی درخواست کیوں کی جاتی، یا اگر یہ درخواست غلط تھی، تو اُن کے نبی یا پھر اللہ تعالٰی نے اس پر تنبیہ کیوں نہیں فرمائی، بلکہ درخواست کو بلا نکیر قبول فرما لیا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ خود نبی کے لئے بھی سیاست میں تجربہ و مناسبت لازم نہیں تا بہ دیگران چہ رسد،

اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کے نزدیک طالوت بھی نبی تھے، تو ہمارا مدعا اس پر موقوف نہیں، بلکہ ایک نبی کے موجود ہونے پر اُن سے یہ کام نہ لینا، اس مدعا کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ نبوت کے لئے کمال سیاست لازم نہیں، (اور نہ اس کمال کا عدم کوئی نقص ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ کمال اور نقص متناقض نہیں، بلکہ متضاد ہیں، کہ دونوں کا رفع اور درمیان میں واسطہ کا ہونا جائز ہے، چنانچہ بعثت عامہ کمال ہے، مگر اس کا عدم بھی نقص نہیں، ورنہ بجز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع انبیاء کا نقص لازم آئے گا، نعوذ باللہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود کمال جامعیت اور سیاست میں بھی ماہریت غزوۂ احزاب میں خندق کی تدبیر

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے حاصل ہوئی ۔۔۔۔ تلقیح تابیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وَاَنتُمْ اَعْلَمُ

بِاُمُوْرِ دُنیاکُمْ ایسے ہی تجربات پر محمول ہے، اور راز اس کا یہ ہے کہ ایسے تجارب و تدابیر بذاتِ خود

دنیوی امور ہیں، گو مُباح ہوں کسی عارض سے دین ہو جاتے ہیں، اس لئے اُن کا نہ جاننا کسی درجہ

میں بھی کمال مقصود کے منافی نہیں،" (افادات ص ۹۳)

جماعتِ اسلامی کے حضرات بھی اس پر غور فرما سکتے ہیں، جو حکومت و سیاست پر اس طرح اور اتنا زور دیتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس کے بغیر انفرادی یا اجتماعی طور پر مسلمان مسلمان رہی نہیں سکتے، اور اس لئے سیاست کو مستقل دعوت کی صورت دیدی ہے،

بہرحال علمار کو یہ نہ خیال فرمانا چاہئے، کہ سیاسی تدابیر و تجربات کا علم و مہارت اُن کے عالم دین ہونے کا کوئی لازمی جزو ہے، یا مروّجہ سیاسیات کانگرس و لیگ وغیرہ کسی نہ کسی میں عملاً شریک ہونا اُن کا ہر صورت میں دینی فریضہ ہے، بلکہ اُن کا اصل دینی فریضہ مسلمان عوام و خواص سب کو صرف احکامِ دین پہنچا دینا ہے، البتہ مسلمان عوام و خواص سب کا یہ دینی فریضہ ہے، اور اسی میں اُن کے لئے دین و دنیا کی فلاح ہو کہ وہ اپنی سیاسی یا غیر سیاسی زندگی میں کوئی قدم بھی دینی اعتبار سے علمار کے فتوے اور اُن سے مشورے کے بغیر نہ اٹھائیں، اور علمار کو اپنے تابع بنانے کی کوشش نہ کریں، بلکہ مسائلِ دین میں خود کو بالکلیہ اُن کے تابع رکھیں، نہ کہ اُلٹے اُن کو اپنا تابع بنانے کی کوشش کریں مسلمانوں کے نظامِ حیات کی صحت اور اُن کی دینی و دنیوی صلاح و فلاح کے لئے یہ امر اس درجہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تجدید دین کا اہم جزو ہے کہ مواعظ و ملفوظات میں بار بار اور طرح طرح اس پر متنبہ و متوجہ فرمایا ہے، تو اصلاح الحق نام کے وعظ میں فرماتے ہیں کہ

"آج کل عوام کی یہ حالت ہے کہ علمار کو اول تو آگے کرتے نہیں، اور اگر کریں بھی تو اس طرح جیسے پہلوان کا بیل امام ہوتا ہے، کہ آگے تو وہ رہے، مگر پہلوان کے اشارہ پر چلتا رہے"

اسی طرح علما بھی جھنڈا لے کر آگے رہیں، مگر کنکھیوں سے مقتدیوں کے اشارے کو دیکھتے رہیں کہ ان کی مرضی کیا ہے، جیسے امام نماز میں ہوتا ہے، تو مقتدیوں کو تاکتا ہے"۔

مطلب یہ کہ علما اس زمانہ کی رفتار کے موافق سیاسی امور میں دخل بھی دیں اور لیڈروں کی خوشامد بھی کرتے رہیں، ان کی رائے کا اتباع بھی کرتے رہیں، کہ جہاں ان کی زبان سے کوئی کلمہ نکلے، فوراً ہدایہ وغیرہ سے اس کا فتویٰ نکالدیں، اور جب ان کی رائے بدلے، تو ہدایہ ہی سے پھر اس کے خلاف بھی نکالدیں، سو یاد رکھو، جو عالم حقانی ہوگا، وہ دین کے معاملے میں کسی کی رعایت ہرگز نہ کرے گا، اور نہ کسی کی موافقت ومخالفت کی پرواہ کرے گا، وہ خدا کی رضا کے سامنے تمام دنیا پر لات مارتے ہیں، سارا عالم بھی اُن کے خلاف ہو جائے، تب بھی شریعت سے سرمو تجاوز نہ کریں گے، چاہے اس میں خود اُن کی عزت ہو یا ذلت "۔

غرض یہ اس طرح تنبیہ کے بعد آگے اصلاحی وتجدیدی مشورہ ہے کہ مسلمانوں کی دین ودنیا کی خیر اسی میں ہے کہ علما کا اتباع کریں، البتہ وہ علما واقعی علما ہوں،

صاحبو! اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو علما کا اتباع کرو ان کو متبوع بناؤ تابع نہ بناؤ، ہاں ان میں انتخاب کرلو، جو نااہل ہوں، ان کا اتباع نہ کرو، کیونکہ محض کتابیں پڑھ لینے سے آدمی عالم نہیں ہو جاتا، علم دوسری ہی چیز ہے، جیسے طب کی کتابیں پڑھ لینے سے ہر شخص طبیب نہیں بن جاتا، بلکہ جس کو ملکۂ علاج حاصل ہو جائے، وہی طبیب ہوتا ہے، اسی طرح حدیث وقرآن وفقہ کی کتابیں پڑھ لینے سے علم کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی محض الفاظ یاد ہو جاتے ہیں، حقیقت علم حاصل ہونے کے لئے کتابوں کے سوا ایک اور چیز کی ضرورت ہے،

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یعنی صحبت اہل اللہ کی بھی ضرورت ہے، جس سے آج کل کے اکثر علماء کورے ہیں، الا ماشاء اللہ،

یعنی وہی کہ طبیب محض کتابوں سے نہیں بلکہ کسی ماہر و تجربہ کار طبیب کے مطب میں بیٹھکر اور اس کی صحبت و تربیت سے طبیب بنتا ہے، اسی سلسلہ میں ایک اس غلط فہمی کی بھی اصلاح و ازالہ فرمایا گیا ہے کہ علماء دنیا و سیاست کے معاملات کو نہیں سمجھتے، اس لئے اُن کو ان معاملات میں دنیا داروں اور لیڈروں ہی کا اتباع کرنا چاہئے، ارشاد ہے کہ

"دنیا داروں کا یہ خیال کہ علماء کو دنیا کی خبر ہی نہیں، اس کو ہم زیادہ جانتے ہیں، اس لئے دنیوی معاملات و سیاسیات میں ہمارا اتباع کرنا چاہئے، میں کہتا ہوں کہ ان معاملات میں علماء کس جزء کو نہیں جانتے، آیا اُس جزء کو نہیں جانتے، جو محض دنیا ہے، یعنی واقعات تو اُن کے واسطے فرض ہے، مولانا فرماتے ہیں،

تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند از ہمہ کارے جہاں بیکار ماند

اور اگر یہ کہو کہ ان معاملات میں جو جزء دین کا ہے یعنی ان واقعات کے احکام وہ علماء نہیں جانتے تو یہ بالکل غلط ہے، ویسے اگر کپڑا بننا یا جوتا سینا نہیں جانتا تو یہ اس کا نقص نہیں، بلکہ فخر ہے، اس کا اصلی کام پیشوں وغیرہ کے متعلق ملکی و سیاسی قوانین جاننا اور احکام دینا ہے[۱]

اسی طرح علماء کو دنیا کے کام کرنا تو نہیں آتے، لیکن احکام ہر کام کے معلوم ہیں، تم اپنے معاملات کو اُن کے سامنے پیش کرو، پھر دیکھو وہ فتوی دیتے ہیں یا نہیں، بس جو علماء احکام کے جاننے والے اور بے غرض ہوں، اُن کو مقتدار بناؤ، تابع نہ بناؤ،

صاحبو! سیاست کو بھی وہی لوگ زیادہ جانتے ہیں، جن کو تم دنیا سے بے خبر اور تاریک خیال

---

[۱] یہ اقتباسات سب تو اصی بالحق سے ماخوذ ہیں، کہیں کہیں اختصار یا توضیح کے مدنظر کچھ لفظی قلیل تصرف کے ساتھ، از ص ۲۹۰ تا ۲۹۶،

کہتے ہو، کیونکہ وہ شریعت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور شریعت نے سیاست کے اصول بھی سب سے بہتر بتلائے ہیں"

غرض کہ مسلمانوں کے لئے دنیوی وسیاسی معاملات میں بھی خیر وفلاح کی صورت یہی ہے کہ وہ ان کے متعلق شریعت کے احکام کو بے غرض علماے حقانی سے معلوم کرتے، اور ان کا اتباع کرتے رہیں،

لیکن اس بدقسمتی کو کیا کیجئے کہ ایسے علماے حقانی رہ کتنے گئے ہیں، اگر ایک طرف دنیا دار مسلمانوں یا سیاسی لیڈروں کو خوشامدی علما ریا بہلوان کے بیلوں کی تلاش رہتی ہے، تو دوسری طرف ملتے بھی تو زیادہ ایسے ہی ہیں، جن کی بدولت اسلام اور مسلمانوں دونوں کی رسوائی کے ایسے ایسے شرمناک واقعات پیش آتے رہتے ہیں، کہ بس حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی زبان سے یہی کہنے کو جی چاہتا ہے، کہ آسمان کیوں نہیں پھٹ پڑتا اور زمین کیوں نہیں شق ہو جاتی !

آج کل کا ایک بالکل تازہ منظر ملاحظہ ہو کہ یو پی کی کونسل میں زمینداری کے ختم کرنے کا قانون کانگرسی حکومت کی طرف سے پیش ہے، اور ہمارے ایک عالم ماشاء اللہ خود حکومت میں شریک ہیں، اور ایک دوسرے عالم لیگ کی طرف سے مخالف صف میں تشریف فرما ہیں، شریعت میں زمینداری (یعنی زمین خرید کر اُس کو لگان پر اٹھانا) نہ گناہ ہے، نہ حرام، بلکہ ایسے زمیندار یا مالک زمین سے بلا اس کی رضامندی کے اس حقوق ملکیت سلب کر لینا البتہ ناجائز ہوگا،

یہ دوسرے لیگی عالم مشاہیر علماے حقانی کے ایک بڑے مشہور گھرانے کے ہونہار چشم وچراغ ہیں لیکن شریعت سے زیادہ لیگ کی اتباع میں حکومت کی تجویز کے مخالف ہیں، یعنی یہ نہیں کہ جس چیز کو شریعت نے حلال وجائز ٹھہرایا ہے، اس کو ناجائز قرار دینے والوں کی ہر حال میں غیر مشروط مخالفت کریں، بلکہ اس کے بجائے اس انتقام پر راضی ہیں، کہ اچھا اگر زمینداری کو ختم کرتے ہو تو ہم تمھاری تائید کریں گے، مگر اس شرط کے ساتھ ہی مہاجنی وسرمایہ داری کو بھی ختم کر دو !

اس علم واقرار کے باوجود کہ زمینداری کی حمایت [illegible]ے لئے باعث شرم نہین، کیونکہ زمینداری شرعاً ممنوع نہین، اور نہ مذہب نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، پھر خدا جانے کس منطق سے اس شرعی جواز کو "عدم جواز" مین تبدیل کر دینے کی تائید محض مسلم لیگ کی ترمیم وشرائط سے جائز ہو گئی، جو یہ ارشاد ہوا کہ جب مسلم لیگ کی ترمیم مین تنسیخ زمینداری کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے، تو ہماری اس ترمیم کو حکومت کیون نہین منظور کرتی؟" زمیندارون کے ساتھ سرمایہ دارون، سود خوارون، مہاجنون اور بنیون کو کیون نہین ختم کرتی ہے،

(روزنامہ تنویر ۱۰ اگست ۱۹۴۶ء)

نیز سود خوری و مہاجنی کے ساتھ نفس سرمایہ داری سے عداوت بھی آخر اسلامی شریعت کی کس دفعہ کی رو سے ہے؟ اگر کوئی شخص تجارت یا صنعت وحرفت وغیرہ کے جائز شرعی ذرائع سے ارب پتی بھی ہو جائے، اور زکوٰۃ وغیرہ کے شرعی واجبات وحقوق بھی پورے پورے ادا کرتا رہے، تو کیا اس کی یہ سرمایہ داری حرام ہے، بس وہی کہ پہلوان لیڈر کا اشارہ جدھر ہو جائے،!

لیکن علم وتفقہ کے کمال کا بڑا مظاہرہ اس مسئلہ مین دوسرے شریک حکومت "مولانا" نے فرمایا جو جمعیۃ العلماء کے نمائندے ہین، اور ایک دینی عربی مدرسہ کی خدمت کو خیرباد فرما کر ابھی ابھی سیاسی خدمات کے صلہ مین حکومت کی وزارت گران قدر کرسی پر بٹھا دیئے گئے ہین، بس رحمان ہی ان کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھے، انھون نے تو بے خوف وخطر زمینداری کی سرے سے حرمت ہی کا فتویٰ صادر فرما دیا، کہ حکومت کا فرض ہے کہ اس نظام (زمینداری) کو قطعاً منسوخ کر دے" اور استدلال مین یہ عالمانہ تفقہ ملاحظہ ہو، کہ یہ زمینداری آئین شریعت کے نہین، بلکہ آئین قدرت کے خلاف ہے، جس طرح سورج کی کرنون کا کوئی ٹھیکہ دار نہین ہو سکتا، جس طرح ہوا کسی خاص جماعت کے لئے مخصوص نہین ہو سکتی، جس طرح پانی پر کسی خاص طبقہ کو قبضہ نہین دیا جا سکتا، اسی طرح زمین جو قدرت کا ایک فیاضانہ عطیہ ہے، جو تمام جاندارون کی ضروریات زندگی کے لئے ہے، کسی جماعت یا شخص کو حق نہین پہنچتا، کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ

زمین پر قبضہ کرکے دوسرے انسانوں کو ضروریات کی آسایش وآرام سے محروم کر دے،"

سبحان اللہ کیا تحقیق انیق ہے ، ائمۂ مجتہدین سے لے کر اس وقت تک ساڑھے تیرہ سو سال میں سلف وخلف کے بڑے چھوٹے فقہا میں بھلا کیون کسی کو یہ تفقہ فی الدین میسر ہوا ہوگا، کہ زمین کی ملکیت کو آفتاب کی کرنوں کی ٹھیکہ داری کے حکم مین داخل فرمایا ہو، نعوذ باللہ من شرور انفسنا! پیران مولینا کے صیغہ کا بھی یہ معاملہ نہ تھا، کہ ایسی مجتہدانہ تقریر فرمانا فرض منصبی ہوتا،

بس ان سارے مفاسد کا منشاء دسرچشمہ وہی خشت اول کی کجی ہے، کہ حکومت وسیاست کے عصری تصورات کو مسلمانون نے بھی بالذات مطلوب ومقصود بنا لیا ہے، جو اسلامی تصور کی رو سے مسلمانون کی ترقی نہین ، بلکہ ان کی اسلامی زندگی کی موت ہے ؛ اور حضرت مجدد العصر علیہ الرحمہ کی اس باب مین بھی اصلاح وتجدید کا مرکزی نقطہ وہی ہے ، کہ مسلمانون کا مقصود بالذات ہر شعبۂ حیات کی طرح حکومت و سیاست سے بھی بالکلیہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی ہونا چاہئے ، جس کا راستہ ایمان وعمل صالح ہے ، یعنی اپنی استطاعت بھر نا موافق سے ناموافق حالات[1] محکومی میں بھی انفرادی واجتماعی زندگی مین شریعت کے احکام وحدود کا اتباع ، ہماری ساری فکر وتدبیر بالذات اپنے ایمان اور اعمال ہی کی تصحیح وتکمیل مین صرف ہو، باقی حکومت جس کا قرآنی اصطلاح مین استخلاف فی الارض نام ہے ، وہ ایمان وعمل صالح پر حق تعالیٰ کی طرف سے موعود ہے ، استخلاف فی الارض کے معنی ہی یہ ہین ، کہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ یا نائب کی حیثیت سے اس کی زمین پر اسی کے احکام کا نافذ کرنا تو جن لوگون نے خود اپنے اوپر ان احکام کو نافذ کیا ہو، اُن سے خدا کی زمین اور دوسرون پہ نافذ کرنے کی کیا توقع کیجا سکتی ہے ، اور وہ اس وعدہ کے پورا ہونے کے متوقع کس منہ سے ہو سکتے ہین؟

---

[1] حضرتؒ کا اصل مسلک ومذاق سیاسیات کے باب مین سمجھنے کے لئے بہتر ہوگا کہ اُن کے خلیفۂ خاص اور مسترشد باختصاص مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کا رسالہ مسائل سیاسیہ ضرور ملاحظہ کر لیا جائے، (عبد الماجد)

بلکہ مخلص لہ الدین" مومن کی اصل شان تو یہ ہے کہ اس کا مقصود ایمان و عمل صالح سے بھی یہ موعود استخلاف نہین ہوتا، اس کی نظر مین یہ بھی شرک ہے، اس کا مقصود تو خالص خدا اور رسول کی رضا ہو، اس رضا کے ساتھ اگر اس کو پاخانہ بھی اٹھانا پڑے، تو خدا کی ناراضی کے مقابلہ مین اس کو گوارا کرے گا، اور ہفت اقلیم کی بادشاہت پر بھی لات مارے گا، مومن مخلص کا مقصود و مطلوب صرف حق تعالیٰ ہیں، باقی سب ان کی نظر مین چھوٹے بڑے بُت ہی ہین،

پرسی کہ کرا خواہی از خیل بتان جامی
من از تو ترا خواہم غیر از تو مرا خواہم

لُب لباب

قومیات و سیاسیاتِ حاضرہ کے باب مین حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدیداتِ دین کا لُبِ لباب

تفصیلاتِ بالا کے پیش نظر یہ نکلا کہ

۱- مسلمانون کے قومی و باطنی مزاج یا مافی النفسیت کا قیاس غیر مسلم اقوام پر قیاس مع الفارق ہے،

مسلمانون کی قومی و سیاسی یا دنیوی ترقی بھی بالکلیہ ان کی دینی ترقی کے تابع یعنی اس پر موقوف ہے کہ یہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ مین اور ہر قدم پر احکامِ دین کے اتباع کا پورا پورا التزام رکھین،

۲- لیکن یہ لازم نہین کہ ہر فرد یا ہر جماعت دینی احکام کے ساتھ دنیوی یا قومی و سیاسی تدابیر و تجربات کی بھی ماہر و جامع ہو، بلکہ عام طور پر یہ جامعیت نہ ہوتی ہے، اور نہ مطلوب ہے، البتہ یہ واجب ہے کہ جو افراد یا جماعات احکامِ دین کی ماہر و محقق نہین، وہ امور دنیا مین جو تدابیر اختیار کرین، اُن کا شرعی حکم پہلے علماے دین سے معلوم کر لین،

۳- اور عام حالات مین محققین دین اور مدبرین دنیا کی جماعتون کا الگ الگ ہونا جائز، بلکہ اکثر

صورتون مین اسلم وانسب ہے جیساکہ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ الخ، اور انتم اعلم بامور دنیاکم وغیرہ نصوص سے ظاہر ہے،

۴- ہان اگر کبھی ایسے حالات پیدا ہوجائین، کہ امور دنیا کو انجام دینے والی جماعتین "داعی الی الخیر" جماعت کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی پروانہ کرین، اور تدابیر دنیا مین احکام دین معلوم کرکے جواز و عدم جواز پر کاربند نہ ہون تو بطور فرض کفایہ واجب ہوگا، کہ احکام دین کے ساتھ ساتھ علماء کی ایک جماعت امور دنیا کی بھی ماہر و جامع ہو، جس مین صرف سیاسیات ہی کی تخصیص نہین، بلکہ معاشیات وغیرہ حسب ضرورت وحسب موقع تمام معاملاتِ دنیا داخل ہین،

۵- اب ہندوستان کے خاص موجودہ حالات کے لحاظ سے اس وقت امور سیاسیہ کی دو بڑی جماعتین موجود ہین، کانگرس اور مسلم لیگ، لیکن کانگرس خالص مسلمانون کی جماعت نہ ہے اور نہ ہوسکتی ہے، اور نہ اس سے خالص اسلامی احکام کے تحت خالص مسلمانون کے سیاسی حقوق ومنافع کی حفاظت ونگرانی کی توقع یا مطالبہ کیا جاسکتا ہے، اس لئے کانگرس مسلمانون کے لئے امور سیاسیہ کے انصرام کی کوئی مستقل جماعت نہ ہے اور نہ ہوسکتی ہے،

۶- بلاشبہ کسی تیسری طاقت کے مقابلہ مین جو ہندوستان کے مسلمانون اور غیر مسلمون دونون کی یکسان دشمن ہو، اس کے رفع شر کے لئے غیر مسلمون کی کسی جماعت کے ساتھ کوئی وقتی و عارضی عہد و پیمان یا اتحاد و عمل کیا جاسکتا ہے، وہ بھی احکام شریعت کے شرائط وحدود کے اندر رہکر، اور عارضی ضرورت کی صرف عارضی مدت تک، ان شرائط مین ایک بڑی شرط یہ ہے، کہ اس غیر مسلم جماعت مین مسلمانون کی حیثیت مغلوب وتابع کی نہ ہو، بلکہ غالب ومتبوع کی،

۷- اور کانگرس مین مسلمانون کی ادغامی شرکت کی نہ موجودہ صورت ایسی ہے، نہ آیندہ اس کا کوئی عملی امکان ہے، اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے نزدیک کانگرس کی تنظیم مین مدغم ہوکر داخل ہ

شریک ہونا تو مسلمانوں کے لئے قطعاً ناجائز اور دین و دنیا دونوں کے لئے سراسر زیان و ضرر ہے،

۸۔ لہذا کانگرس کے ساتھ کسی عارضی یا وقتی اتحاد عمل کے لئے بھی ضروری ہے، کہ مسلمانوں کی کوئی مکمل مستقل و جداگانہ سیاسی تنظیم ہو، جو کانگرس کی تنظیم کے ساتھ مساویانہ طاقت کی حیثیت سے کوئی معاہدہ مشترک دشمن کے مقابلہ یا مسلمانوں کے کسی اور مشترک مفاد کے لئے کر سکتی ہو،

۹۔ بصورت موجودہ ایسی جماعت ظاہر ہے، کہ صرف مسلم لیگ ہے، اس لئے اس کے نقائص کے باوجود کانگرس کے مقابلہ مین اس کی شرکت کو مسلمانون کے حق مین حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ نے اہون و اسلم تجویز فرمایا ہے،

۱۰۔ اگرچہ چونکہ مسلم لیگ اب تک اپنی تدابیر سیاسیہ مین اصولاً یا عملاً احکام دینیہ کی تابع نہین، اس لئے اس مین شرکت کی شرط حضرت نے یہ قرار دی ہے، کہ اہل قوت و اثر اپنی قوت و اثر سے اس کی اصلاح مین برابر ساعی رہین، اور غیر اہل قوت برابر اہل قوت سے اس کا تقاضا و مطالبہ کرتے رہین، اور علماء خاص طور پر اکابر لیگ کو احکام دین کے اتباع کی دعوت و تبلیغ فرماتے رہین،

۱۱۔ پھر بھی اگر لیگ کی اصلاح مین کامیابی نہ ہو، یا مستقبل قریب مین متوقع نہ ہو، تو حضرت کی ہدایت و ارشاد کے مطابق اس کے سوا چارہ نہین، کہ خود علماء ہی کی کوئی ایسی جماعت ہو، جو محقق دین ہونے کے ساتھ مدبر سیاست بھی ہو، یا بنے اور بطور فرض کفایہ کے امور سیاسیہ مین بھی مسلمانون کی رہنمائی کا فرض کم از کم اس وقت تک انجام دے، جب تک یا تو لیگ اپنے کو احکام دین کی تابع نہ بنالے، یا کوئی اور ایسی ہی خالص امور سیاسیہ کی ماہر مسلمانون کی تنظیم نہ قائم ہو جائے، جو احکام دین کی تابع ہو،

۱۲۔ فی الحال علماء کی ایسی جماعت جمعیۃ العلماء ہی ہو سکتی ہے لیکن اس کو پہلے ہر طرح اس کی سعی کر لینی چاہیئے، کہ لیگ اتباع احکام کی شرط کو قبول کرلے، یا مستقبل قریب مین قبول کر لینے کی امید ہو جائے، جب اس سے مایوسی غالب ہو جائے تو پھر وہ اس فرض کفایہ کا بوجھ تمام و کمال اپنے ہی دوش پر لے

۱۳- حالات مین کسی ایسی ہی تبدیلی رونما ہونے کے احتمال سے حضرت علیہ الرحمہ نے خود شرکت لیگ کے فتوے مین یہ قید لگا دی تھی کہ یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالات بدل جائین تو حکم بھی بدل جائے گا"

اور راقم ہذا کے نزدیک تو لیگ کی جارحانہ کارروائی یا عمل اقدام (ڈائرکٹ ایکشن) کی تجویز اور کلکتہ وبمبئی وغیرہ مین ہزارون بے گناہ مسلمانون کا جو خون بہا ہے، اس مین کسی طرح بھی حضرت شرکت کی اجازت نہ فرماتے، کیونکہ یہ حضرت کی تحقیق کی رو سے خودکشی کے مرادف ہے،

۱۴- بہرنوع جمعیۃ العلما، کے لئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مسلک کی رو سے پہلے تو ہر حال مین یہ ضروری ہوگا کہ وہ کانگرس کے ساتھ اپنے اوغامی واتباعی تعلق کو قطعاً منقطع فرمائے، بلکہ اب چونکہ کانگرس مین شرکت کا جو بڑا مقصد ہوسکتا تھا، (یعنی انگریزون سے آزادی) وہ اب اس کی عدم شرکت سے بھی انشاء اللہ مؤخر نہین ہوسکتا، اس لئے مسلمانون کی دینی و دنیوی مصلحت کی بناء پر کانگرس سے انقطاع کا اعلان بہر تقدیر اولیٰ واسلم ہے،[1]

اس کے بعد مسلم لیگ سے مایوسی کی صورت مین اس کو اپنے ساتھ اچھے نہ کچھ جدید سیاسیات کے زیادہ ماہر جدید انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانون کو ضرور شریک رکھنا چاہئے جو سیاسیات حاضرہ کے گہرے قومی و بین الاقوامی حالات و تجربات اور مسائل و نظریات سے پوری طرح امداد کرتے رہین،

۱۵- لیکن عام حضرات علمار اور کا بر جمعیۃ العلما، کی خدمت مین سب سے اہم و اقدم امر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اصول و مسلک کے تحت یہی عرض کرنے کا ہے، کہ سیاسیات مین ان کی خاص اپنی کوئی دینی تنظیم وجماعت خواہ کامیاب ہو یا نہ ہو، مگر وہ انفرادی و اجتماعی طور پر مسلمان عوام و خواص مین تبلیغ دین، اور ان کو پورا پورا

---

[1] کانگرس نے خود جمعیۃ العلما، یا قوم پرور مسلمانون سے عارضی حکومت مین جتنی پرواکی وہ خود جمعیۃ کے تازہ شکایتی رزولیوشن سے واضح ہے،

مسلمان بنانے کی سعی و فکر کے ساتھ اپنے اصلی فرض منصبی سے کسی حال اور کسی آن غفلت نہ فرمائیں،

اگر حضرت کے ایما کے موافق دس سال تک ہر طرف سے یک سو ہو کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے میں صرف کر دیئے جائیں، تو پھر انشاء اللہ علماء کو نہ کانگرس کا منہ دیکھنا پڑے گا، نہ لیگ کا، نہ ہندوؤں کا نہ انگریزوں کا،

آخر میں ایک مسئلہ کا حل رہ جاتا ہے، جو اہمیت کے اعتبار سے اوّلیت کا درجہ رکھتا ہے۔ لیگ کا راہ راست پر آنا یا لانا یا احکام شرع کے تابع کسی دوسری تنظیم کا قائم کرنا کرانا یا خود علماء و جمعیۃ العلماء کا فرض وقت کے تقاضے سے بطور فرض کفایہ سیاسی مسائل و معاملات میں مہارت حاصل کرکے مسلمانوں کی رہنمائی کرنا، یہ سب ایسی چیزیں ہیں، جو انفرادی حیثیت سے افراد کی استطاعت و اختیار سے باہر ہیں، مثلاً راقم احقر زیادہ سے زیادہ اس قسم کے معروضات تحریراً یا تقریراً پیش کر دے سکتا، یا اپنی بساط بھر کچھ دوڑ دھوپ کر لے سکتا ہے لیکن حسب مقصد و مطابق شریعت علماء یا غیر علماء کی کسی کارگر تنظیم و جماعت کا قائم ہو جانا اُس کے قبضۂ قدرت میں بہرحال نہیں،

تو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی جامع تجدید نے اس بنیادی سوال کو تشنہ بالکل نہیں چھوڑا، اور صفحات بالا میں خوب اور مکرر سکرر اپنے مواقع پر واضح کر دیا گیا ہے، کہ دینی سیاست یا حکومت و سلطنت کی اہمیت دین و شریعت میں کماحقہ مسلم ہونے کے باوجود ایسی ہرگز نہیں، کہ اس کے بغیر افراد کے لئے اپنی اختیاری سعی و طاقت سے کمال دین کا کوئی بلند سے بلند مقام حاصل کرنا ناممکن یا خارج از استطاعت و وسعت ہو،

دینی و اسلامی حکومت یا خلافت تو الگ رہی اگر خدانخواستہ کسی وقت ساری خدائی خدا کی منکر کافر ہو جائے، اور صرف ایک مومن رہ جائے، تو وہ بھی صالحین شہداء و صدیقین کے اونچے سے اونچے درجۂ قرب و قبول تک رسائی پا سکتا ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات تک میں اس سے ذرہ برابر

کوئی نقص و خلل نہین واقع ہوسکتا، کہ آغاز نبوت سے انجام تک ساری دنیا اُن کی مُنکر و کافر ہی رہے، حق تعالیٰ کی طرف سے کسی کو بھی کسی قسم کی تکلیف مالا یطاق بالکل نہین، اور قرب و قبول کا مدار تمامتر اس پر ہے، کہ آدمی موافق و ناموافق جیسے حالات مین بھی ہو، اپنی استطاعت و اختیار بھر حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے احکام کی بجاآوری مین کوتاہی و کم ہمتی کو راہ نہ دے، اس کے بعد اگر اس کو کسی نے زنجیرون مین اس طرح جکڑ دیا ہے، کہ وضو یا تیمم کرنا کیا معنی جسم و جوارح کو جنبش تک نہین دے سکتا ہو تو بھی آنکھ کی آنکھون کے اشارون کی نماز کے کمال و قبول مین رتی برابر کمی نہین واقع ہوسکتی،[1]

اختیاری و غیر اختیاری کا یہ مسئلہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ساری تجدیدات و تعلیمات کا ایک بڑا سنگِ اساس ہے، جس سے شریعت و طریقت کے بے شمار لاینحل عقدے حل فرمائے گئے ہین،

یہی نہین کہ حکومت و سیاست پر قرب و قبول کا قطعاً انحصار نہین، بلکہ اگر حکومت و سلطنت کو خدا کی ناراضی کی راہون سے حاصل یا ناراضی کی راہون مین استعمال کیا جائے، تو خدا کی ایسی ناراضی کے ساتھ ہفت اقلیم کا تاجدار یا فرعون ہوکر مرنے کے بجائے مومن کے لئے اپنے اختیار بھر رضا جوئی کے ساتھ پاخانہ اٹھاکر مر جانا کہین بہتر اور عین مطلوب ہوگا،

بلکہ عہدِ نبوت سے جتنا بُعد ہوتا جارہا ہے، دورِ جل و فتن و شر و شر کی روایات پر نظر ایمان رکھنے والون کو کھلی آنکھون تظر آرہا ہے، کہ موجودہ دور اور اس کی قومیات و سیاسیات بالخصوص اس درجہ جاہلیت اور فتنون سے بھر گئی ہین، کہ بہت ہی شاذ اور بہت ہی غیر معمولی ایمانی قوت و عزیمت رکھنے والے افراد ان مین پڑکر اپنے ایمان و عمل صالح کو خیریت و سلامتی کے ساتھ ساحل حیات تک پہنچا سکتے ہون، باقی عام مسلمانون کو اگر ایمان و آخرت کچھ عزیز ہے، تو اُن کے لئے تو بس ع

"اگر خواہی سلامت برکنار است"

---

[1] یہ سارا پیرا گراف حضرتؒ کے مسلک کا بہترین ترجمان ہے، (عبد الماجد)

یعنی تا مقدور وہی اصحاب کہف کی نوعیت کی کہفی زندگی، جیسا کہ مختلف روایات میں مختلف طرح سورۂ کہف کی تلاوت کو فتنۂ دجال اور دجالیت سے حفاظت کا ذریعہ فرمایا گیا ہے، باقی حدیثوں میں دورِ فتن و شرور کے جو آثار و علائم بیان فرمائے گئے ہیں، اور جن کی کثرت وشدت آج کسی ایمانی نگاہ سے مخفی نہیں اُن سے حفاظت کے لئے صحاح وغیرہ کی روایات میں گوناگون عنوانات سے یہی ہدایات ملتی ہیں، کہ ایسے زمانے میں عمومی یا قومی و سیاسی معاملات سے دور رہکر بس اپنے دین و ایمان کی خیر مناتے رہو، مثلاً

"جب دیکھو کہ لوگوں میں عہد شکنی و خیانت اور آپس میں آویزش و عداوت پھیل گئی ہو، تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بس گھر میں پڑے رہو، زبان بند رکھو، اور امر عامہ (پبلک یا قومی کاموں) سے دور رہکر خاص اپنی ذات یا اپنے دین کی حفاظت میں لگے رہو"

"اسی طرح ہے کہ جب دیکھو کہ لوگ اپنے نفس و ہوا کی پیروی میں پڑ گئے ہیں، اور دنیا کو دین پر ترجیح دیتے میں لگے ہیں، اور کتاب وسنت کو چھوڑ کر ہر شخص صاحب رائے بن بیٹھا ہے، تو عوام کے معاملات سے الگ ہو کر اپنی خبر رکھو، کیونکہ ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں صبر کے سوا چارہ نہ ہوگا، اور صبر کرنا بھی انگارے کا ہاتھ میں پکڑنا ہوگا،

ایمان کا یہ حال ہوگا کہ آدمی صبح مسلمان ہوگا، اور شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا، اور صبح کا فر، ایسے زمانہ میں سونے والا مسلمان جاگنے والے سے بہتر ہوگا، اور بیٹھا رہنے والا کھڑے رہنے والے سے، اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے، ایسے وقت میں اپنی کمانوں اور تلواروں کو ناکارہ کر ڈالنا، اور اگر کوئی تم پر حملہ کرے تو چاہیئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے بہتر کی راہ اختیار کرو جس نے اپنے قاتل بھائی سے کہا تھا کہ اگر تم مجھکو قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھاؤگے، تو میں تم کو قتل کرنے کے لئے ہرگز ہاتھ نہ بڑھاؤں گا"

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے، کہ ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ نمازیں مردہ ہو جائیں گی، مکانات بڑے بڑے عالیشان بنائے جائیں گے قسم اور لعنت کا زور ہوگا، زنا اور رشوت کی گرم بازاری ہوگی، آخرت دنیا کے بدلے فروخت کی جائے گی، جب یہ حالات دیکھنا تو نجات کی راہ یہ ہوگی، کہ گھر میں فرش یا بوریئے کی طرح چمٹ کر پڑ جانا، زبان اور ہاتھ نہ ہلانا،

"ان فتنوں کے زمانے میں جو شخص یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگا رہ سکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گویا ہجرت کرکے میرے پاس چلا آیا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے ذیل میں فرمایا ہے، کہ اصحاب کہف بیک ہجرت کہ در وقت استیلاے فتنہ از ایشان بوجود آمدہ بود بدرجہ علیا رسیدند"

"ایک اور بڑے ایمان و عبرت کی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر نرغہ کے لئے دشمن اس طرح دعوت دیں گے، جیسے کاسہ طعام کے گرد لوگوں کو پکار پکار کر جمع کیا جاتا ہو، کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا اس نرغہ کا باعث ہماری قلت تعداد ہوگی، فرمایا نہیں، تعداد تو بہت ہوگی، مگر خس و خاشاک کی سی حالت ہوگی، کہ تمہارے اندر نہ قوت و شجاعت ہوگی، اور نہ دشمنوں کے دل میں تمہاری ہیبت و عظمت ہوگی، عرض کیا گیا کہ ہماری اس کمزوری کی وجہ کیا ہوگی، فرمایا دنیا کی محبت اور موت کی کراہیت[۱]"

دشمنوں کے قلب سے مسلمانوں کا ڈر جس طرح نکلتا جا رہا ہے، اس کا خود سیاسیات ہی میں تازہ اندازہ اس سبق آموز سلوک سے ہو سکتا ہے، جو کانگرس کے مقابلہ میں دفعۃً نازمت اور وائسرائے نے مسلم لیگ سے نہیں، در اصل سارے مسلمانوں کے ساتھ کیا، اور یہ کاسۂ طعام کی طرف دعوت کیا

---

[۱] یہ اقتباسات تقضاءً الراقیا مؤلفہ نواب صدیق حسن خان مرحوم سے ماخوذ ہیں، فصل ۱،

اسی روسی **دعوت الی البطن** کا کوئی اشارہ ہے۔ (؟) جس کی جانب اس وقت کے سب سے بڑے سیاسی منڈل (کانگرس) کے سب سے بڑے دیوتا (جواہر لال) نے عارضی حکومت (انٹیرم گورنمنٹ) کی زمام ہاتھ مین لیتے ہی پکارا کہ ہمارا **انتہائی مقصد** چار سو ملین انسانون کو کھانا کپڑا وغیرہ (یعنی وہی کاسۂ طعام کی دنیوی ضروریات) فراہم کرنا ہے۔ (پانیر ہر ستمبر ۴۶ء)

بھلا جس سیاست کا **انتہائی مقصد** بہ "لازیستن برائے خوردن" ہو، اور جو اس "زیستن و خوردن" کی حیوانی زندگی سے آگے کسی انسانی مستقبل سے بالکل اندھی بہری ہو، تو وہ مسلمان ایسی کور وکر رہنمائی کا دامن مستقلاً کیسے تھام سکتا ہے، جس کا انتہائی مقصد اس دنیوی زیستن و خوردن کے بعد ہی شروع ہوتا ہے، اور جس نظام سیاست مین اس مابعد کی زندگی کا سرے سے کوئی تصور داخل نہ ہو، اس مین آخر کوئی مسلمان کیسے داخل رہ سکتا ہے، یا مسلمان مسلمان رہ کر ایسے نظام سیاست (کانگرس) کا زیادہ سے زیادہ صرف اس دشمن دین کے اخراج تک ساتھ دے سکتا ہے جس نے "زیستن برائے خوردن" کا سبق دیا ہے،

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، کہنا یہ ہے کہ مذکورۂ بالا روایات و نصوص کی رو سے شرور و فتن کے عموم و شیوع کے زمانے مین نجات و سلامتی کی راہ یہی ہے، کہ جہان تک بن پڑے قومیات و سیاسیات وغیرہ متعدی و عمومی خدمات سے دامن کش رہے[۱]، یا اپنے دین و ایمان کی خیریت و حفاظت کے ساتھ دین کی اگر کچھ متعدی خدمات کی بھی اہلیت و ہمت ہو، تو اس کی اسلم صورت یہی ہے، کہ رائج الوقت طریقون سے دور رہ کر جو کچھ اور جہان تک اپنی ذات سے تحریراً و تقریراً یا عملاً تبلیغ و اصلاح وغیرہ کی کوئی خدمت ہو سکے اس کو انجام دے، مگر اس مین بھی قدم پھونک پھونک کر رکھے، ورنہ کسی گوشۂ عافیت ہی مین گم رہے،

---

[۱] اس بارہ مین صحابۂ کرامؓ تک کے مذاق مختلف رہے ہین، چند نے بیشک خلوت گزینی ہی کو ترجیح دی ہے لیکن اکثر نے نصوص قطعیہ اور احکام محکمات کے ماتحت اپنی اپنی بصیرت کے مطابق جہاد اور عملی اصلاح ہی کی راہین اختیار فرمائین اور خلافت عثمانی اور خلافت مرتضوی کے زمانہ کے شرور و فتن کچھ آج کل کے شرور و فتن سے کم نہ تھے (عبد الماجد)

بہت سے محدثین و محققین نے تجدید دین کی اس مشہور حدیث کو ابواب فتن ہی کے ذیل میں درج فرمایا ہو کہ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا، اس لئے کہ دین کی تجدید یا یاد دہانی کی ضرورت ایسے دینی فتنوں کے زمانے سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے، اور زمانۂ نبوت سے جتنا بعد ہوتا جاتا ہے، اتنے ہی یہ فتنے ہمہ گیر ہوتے جاتے ہیں، اور اب تو شاید ہی دین کا کوئی گوشہ ان کی گرفت سے باہر رہ گیا ہو، اس لئے حضرت **جامع المجددین** علیہ الرحمہ کی بعثت مبارکہ سے نہ صرف پوری **جامعیت** کے ساتھ دین کے تمام علمی و عملی اجزا کی تجدید فرمائی گئی، بلکہ شرور و فتن کی ایسی ہمہ گیر و بے پناہ بارش کے دوران میں خود اپنے دین کی پناہ کے لئے عزلت و خلوت کے ساتھ ساتھ تجدید دین کی جامع و کامل متعدی خدمات کا جو نمونہ حضرت مجدد وقت نے اپنی زندگی میں چھوڑا ہے، وہ بجائے خود شرور و فتن کی روایات بالا کی روشنی میں ہر طبقہ کے خادمان دین کے لئے بڑا جامع و کامل اُسوہ ہے،

درکفِ جامِ شریعت درکفِ سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اور جن حضرات نے حضرت علیہ الرحمہ کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی کچھ مقدار بہ سعادت حاصل کی ہے، یا حضرت کی کتابوں کا گہر مطالعہ فرمایا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ حضرت کا خاص رنگ و مذاق خلوت و خدمت کی جامعیت ہی کا تھا، الحمدللہ کہ اس زندگی کے پہچاننے والے حضرت کے اکابر مجازین یا خلفاء کا بھی یہی مذاق اکثر کہ اپنے اپنے گوشوں میں معتکف افراد امت کے دین کو تازہ و زندہ فرماتے رہے ہیں، خود حضرت علیہ الرحمہ نے آخر حیات میں، ۲۰ سال سے زائد غالباً و اللہ اعلم درآستانۂ اشرفیہ میں اس طرح معتکف رہے کہ سفر تک بالکلیہ ترک فرما دیا تھا، بلکہ اس کی دعا فرمائی تھی، کہ کوئی ایسا عذر لاحق ہو جائے جو زیادہ تکلف بھی نہ ہو، اور سفر سے معذوری ہو جائے، چنانچہ آنت اترنے کا ایسا ہی عذر اللہ تعالی نے پیدا فرما دیا کہ کھانسی وغیرہ کی معمولی حرکت سے بھی اکثر اتر آتی تھی، اور پھر پردے میں لیٹ کر کپڑا ہٹا کر آنت چڑھاتا اور کھانی نکلا

پڑتی تھی، اس عذر کا اعلان فرما کر پھر دوبارہ متعلقات کے سلسلہ کے علاوہ کوئی سفر نہین فرمایا، بلکہ کسی دوسرے محلہ تک بھی تشریف نہین لے گئے، (اشرف السوانح ص ۷۰ حصہ اول)

جابجا خلوت پسندی کے اس مذاق کی ترجیح کا ایما بھی فرمایا ہے، شرور و فتن ہی کی روایات کے پیش نظر کسی صاحب علم نے جن کی نظران روایات پر تھی، اپنا حال عرض کیا کہ

"خاص بات یہ ہے جو روز بروز مرکوز خاطر ہوتی چلی جاتی ہے کہ آج کل کسی مناقشہ مین خواہ دینی ہو یا دنیوی خواہ اپنی ذات سے متعلق ہو، یا اور کسی سے مطلق دخل دینے کو جی نہیں چاہتا، ہر وقت علیک بخاصتہ نفسک کا ایک نشہ سا رہتا ہے، کیونکہ دیکھتا ہون کہ الشح مطاع اور ھوی متبع اور اعجاب کل ذی رای برائہ اور دنیا موثرہ کی گھنگھور گھٹا چارطرف محیط ہو رہی ہے، اس وقت یہی جی چاہتا ہے، کہ کسی طرح اپنا ایمان سلامت لے جاؤن کاش غنم متبع بھا شعف الجبال میسر آجائے، یا ایمان کے ساتھ بطن الارض مین جگہ مل جائے، بار بار لیتنی شجرۃ تعضد کا خیال آتا ہے، اور یون تمنا ہوتی ہے، کہ کوئی مجھ کو نہ جانے، اور نہ مین کسی کو جانون، اور اسی طرح جان جان آفرین کو سپرد کر دون مگر کیا کرون ہم نابکارون کو جھگڑون سے پوری رہائی نہین ملتی،"

اس کے جواب مین حضرت نے تحریر فرمایا، کہ "رہائی کی محبت بھی بحکم رہائی ہے، اور یہ مذاق خاص اس ناکارہ کا بھی ہے،[۵] گو اب تک کم ہمتی سے یہ نہین ہوا، مگر اب کچھ اس کے اسباب نظر آتے ہین، خدا کرے اس مین کوئی غائلہ نہ ہو[۶]" اسی طرح ایک جگہ مسائل مثنوی (کلید مثنوی ص ۳۰۶) مین خلوت وجلوت کی تحقیق مین ارشاد ہے کہ

---

[۵] مولانا کا مذاق خاص اپنی ذات کے لئے جو کچھ بھی ہو، بہرحال وہ مسلم لیگ مین شرکت اپنے متوسلین و متعلقین کے لئے دل سے پسند فرماتے تھے، اور لیگ کی ہر کامیابی سے خوش ہوتے تھے، (عبد الماجد) [۶] تبویب تربیۃ السالک ص ۲۲)

"قول فیصل باب خلوت میں یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی ضروری حاجت دینی یا دنیوی نہ دوسروں سے ہو، نہ دوسروں کی کوئی ایسی ہی حاجت اس شخص سے متعلق ہو، اس کے لئے خلوت جائز بلکہ افضل ہے خصوصاً ایام فتن و شرور میں"،

غرض خلوت تامہ اگر میسر نہ ہو تو ایسے ایام شرور و فتن میں دوسرا درجہ یہی ہو سکتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے تعلقات میں تقلیل سے کام لیا جائے، تاکہ ان شرور و فتن سے بقدر استطاعت دین کی حفاظت ہو سکے، بعض مقامات پر انہی روایات فتن کے ضمن میں خلوت گزینی کی حضرت نے اور بھی زیادہ تصریح و تاکید فرمائی ہے، افسوس غلبۂ نسیان کی وجہ سے یاد نہیں آرہے ہیں،

باقی تجدیدی و اصلاحی گوناگون فرائض و خدمات کے ساتھ ساتھ عزلت اور تقلیل تعلقات کے ضدین کو جمع فرما کر خود اپنی زندگی میں حضرت جامع المجددین نے جس طرح دکھلا دیا، وہ بجائے خود تجدیدی جامعیت کی مستقل کرامت ہے،

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

سیرۂ عائشہ

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی صدیقہ کے حالات زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات اسلام کے متعلق اُن کی حکمت سنجیاں، اور معترضین کے جوابات، آخر میں علامہ سیوطی کی عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشۃ علی الصحابہ بھی ہے، **قیمت :-** سے

ضخامت :- ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی،

"منیجر"

ہندوستان میں علم حدیث

(بسلسلۂ امام شوکانی)

از

مولوی ابویحیی امام خان صاحب نوشہروی

عرصہ ہوا معارف میں[1] یہ سلسلۃ الذہب بعنوان "ہندوستان میں علم حدیث" حضرت جامع العلوم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی زید مجدہٗ نے بامید اجازت شروع فرمایا تھا، ہندوستان بھر کے اصحابِ نظر نے اس پر جو کچھ لکھا وہ تمام ملاکر بھی اس فردِ یگانہ کے برابر نہ اتر سکا، اور ابھی تک معارف کے لبوں پر کسی حریف نے مردافگن عشق کے لئے یہ صدا مکرر باقی ہے،

اب وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان میں لکھنے والوں کی کمی نہیں، مگر تحقیق علوم کے بجائے تبلیغ مسلک اور مسائل جزئیہ پر ارمان نکلتے ہیں، افسوس کہ اس ترک حنفیت کی وجہ سے اصل علم ہی دامانِ خیالِ یار کی طرح چھوٹا جارہا ہے، وانّ الرزیۃ کل الرزیۃ،

اور جن حلقوں میں ایسی جنبہ داری کے بغیر یہ ذوق نظر آتا ہے ان میں تحقیق خالص ہے، نہ فکر صحیح، بلکہ اپنے مستشرق شیوخ کی پیروی تک انکی انتہا ہے ایسے اربابِ نظر کا ماخذ مہمات کتب نہیں، بلکہ نجومات ہیں، جن پر یوں داد سخن لٹتی ہے، کہ گویا اکتشاف فرمایا جارہا ہے، اور حال یہ ہے، کہ قدم قدم پر ٹھوکریں ہیں،

[1] جلد ۲۲ (بابت ماہ اکتوبر و نومبر و دسمبر ۱۹۲۸ء)

یون مری فردِ عمل وقفِ مئے دمے خانہ ہو

کوئی سجدہ ہے تو وہ بھی لغزشِ مستانہ ہو

ایک طبقہ ان معصومین قانعین کا ہے، جو علوم سے آگاہ ہیں، اور مسائل ہمہ پر لکھنا چاہتے ہیں، مگر زبان قلم منزلہ ولا یکاد یبین ہے، اُس زبان میں کم مایگی کی وجہ سے جس میں اپنا مافی الضمیر ادا کرنا ہے ورنہ "ہندوستان میں علم حدیث" پر خامہ فرسائی کے لئے یہی بوریا نشین تھے، ثمّ اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسیہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ ذلک ھو الفضل الکبیر،

کل کا واقعہ ہے کہ دولت خداداد بھوپال میں تدریسًا و تصنیفًا بزم تحدیث گونج رہی ہے، انہی بوریا نشینوں میں سے ایک درویش صفت مردِ مومن (امیرالملک نواب والاجاہ سید صدیق حسن خانؒ) کی وجہ سے نگارنگ بزم آرائیاں اُسی کے جذب توجہ کا کرشمہ ہیں، آئیے ذرا دیر مل بیٹھیں، اور

حکایت قدآن یار دلنواز کنیم

باین فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

اللہ رے اثر توجہ! ملک بھر کے فضلاء جمع ہیں، مگر سب امیرالملک کے ہم مسلک ہی نہیں ہیں، بلکہ ممتاز اماثل مولانا علی عباس چریاکوٹی احناف کے سرخیل ہیں، فضلاء سے گویا مئو کے زمرۂ شعراء فارسی کی حرف و حکایت ہے، روزِ روشن کا پردہ صبا[1] گویا مئو ہی کے ہاتھوں اٹھتا ہے، یہ اس عنوان پر وارالمصنفین صدیقی کی ۵ دین کتاب ہے، اس میں ۱۱۴۲ سخنوروں کا تذکرہ ہے، شمع انجمن، صبح گلشن، نگارستان سخن، اور اختر تابان، اول الذکر کے ساتھ ملا کر خمسۂ صدیقی کہہ لیجئے، آخرالذکر صرف شاعرات پر ہے،

---

[1] مظفر حسین صبا (مؤلف روزِ روشن) [2] روز روشن طبع ۱۲۹۷ھ،

شعرا میں یوسف ہیں[1] شیخ احمد شیروانی کے صاحبزادہ رفعت[2] ہیں ، ہمسوانی اہلِ سخن میں سے اعجاز[3] جمیل[4] و نکہت[5] ہیں ، ذوق[6] کاکوروی ہیں ، زہری[7] ہیں ، شہیر[8] ہیں ، اعظم[9] ہیں ، ان کا وطن خیرآباد اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد ہیں ، نوش[10] (گنج منوہر لال) ہیں ،

بزمِ مشاعرہ ہر مہینے منعقد ہوتی ہے ، ایک مشاعرہ کی طرح

ع در بوریا نشستیم کہ نتوان برخاست

تھی ، صبح گلشن میں اس کا نظارہ دیکھئے ،

"شبِ موعود بروقت معہود کمرِ خدمت بر میان جان بستند و بحضور ی محفل صفا منزل سرمایۂ سعادت اندوختند و بر زانوے ادب نشستند و چشم بر تحریک شفاء برکت اکتناہ دوختند طبع دراک او فہم ہر او اشتیاق منتظران رسیدہ باین غزل کرامت نشان جنبید

جذبۂ شوق گر از جانبِ کنعان برخاست بوے پیراہنِ یوسف ز گریبان برخاست

یہ وہی بوریا نشین میر مشاعرہ ہیں ، مقطع میں فرماتے ہیں :-

اے خوشا حال کہ نواب من از شہرتِ شعر ہمہ در ہند نشست و ز صفاہان برخاست

دوسرے شاعر کی گوہر افشانی سنئے ،

دگر آن سلسلۂ موز لفِ پریشان برخاست دوستان مژدہ کہ تقوی شد و ایمان برخاست

---

[1] مولوی محمد یوسف علی گوپاموی والد گرامی صاحب ممدوح [2] نام محمد عباس صبحِ گلشن ص ۵۵۳ ، [3] محمد عبد العزیز ، صبح گلشن ص ۶۲۲ ، [4] سید جمیل احمد : صبح گلشن ص ۶۲۲ ، [5] نکہت تاکر حسین [6] مولوی محی الدین خان ذوق کاکوروی صبح گلشن ص ۶۲۳ [7] منشی محمد جعفر زہری ، صبح گلشن ص ۵۵۳ [8] خان محمد خان صاحب شہیر ؛ صبح گلشن ص ۵۵۰ [9] مولوی محمد اعظم حسین اعظم فرزند مولوی لطف حسین خیرآبادی : صبح گلشن ص ۵۵۳ [10] صبح گلشن ، ص ۵۲۹ ،

یہ نواب زادہ ہیں (فرزند مبین) سید نور الحسن خان کلیم مقطع سنیے،

باچہ گویم کہ چون رفت زکوے تو کلیم قصہ کوتاہ بصد حسرت ارمان برخاست

تیسرے شاعر کے سامنے شمع آتی ہے،

فتنہ شد شور وازان چہرۂ تابان برخاست پردہ شد شرم وزرخسارۂ جانان برخاست

یہ افتخار الشعراء حافظ خان محمد خان شہیر ہیں، مقطع ملاحظہ ہو،

نغمہ از غزل وزمزمۂ مدح شہیر ہمہ از محفل صدیق حسن خان برخاست

چوتھے شاعر مولوی محمد احسن ہیں، ۲ غزلیں پڑھیں ایک کا مطلع ہے،

عرق آلودہ چون آن آفت دوران برخاست فتنہ از ہر طرفش مرد مجنبان برخاست

اور مقطع ہے:

لب ہر زخم دلش گفت دعا با احسن چارہ سازم چو بسامان نمکدان برخاست

۵۔ مولوی محمد یوسف گوپامئوی کا ایک شعر یہ ہے،

۵۔ نیست این زلف پریشان برخ وز فروغ دود از مشعل خورشید درخشان برخاست

۶۔ رفعت کا سر نیاز جھکتا ہے،:۔

ترک خونخوار بکف تیغ سرافشان برخاست خوب شد بار بسر از دوش عزیزان برخاست

زھری مقطع میں کہتا ہے:۔

روح عرفی بہ پذیرفتنش آمد در پیش زھری چون سوے شیراز غزلخوان برخاست

اعظم کا ایک شعر سنئے،

اعتبار عجب آورد سپہر نیلی

ہست دردے کہ زآہ دل سوزان برخاست

ایک رنگین نوا کا ترانہ ہے :۔

تا ز آغوش من شیفتہ جانان برخاست ۔۔۔ دل ز پہلو بدر افتاد ز تن جان برخاست

یہ کنج منوہر لال زوش تھے، ان کا ایک اور شعر ہے :۔

ماتمت با دو خود را نقش محبت بنشست ۔۔۔ فرصتت باد جنون را ابر بہاران برخاست

ایک سخن گو فرماتے ہیں :۔

تو و آن غمزے کہ در فکر متاع دین است ۔۔۔ من و آن دل کہ چو گبر از سر ایمان برخاست

یہ ارشاد احمد خوی پھلتی تھے،

شاعر محسن[1] ہیں :۔

بین کہ از کوے تو عاشق بچہ عنوان برخاست ۔۔۔ خلق نالان بدم خنجر بران برخاست

محسن کے مقطع کی تزئین ملاحظہ ہو،

محسن این ابر گہربار کہ بیخ گرویست ۔۔۔ کز در دولت صدیق حسن خان برخاست

یہ رام پور کے ایک نوجوان ہیں، عبدالجبار خان نام اور جامی تخلص، انھوں نے ۱۲۔ عدد پورے کر دیئے،

لذت ذبح چون دریافت رگ گردن ما ۔۔۔ قاتل ما ز سر نعش پشیمان برخاست

فلاکت زدہ ہیں یہ شعر اسی تاثر کا نتیجہ ہے،

صبح امید وطن بے رخ جانان شام است ۔۔۔ عاقبت حضرت یعقوب ز کنعان برخاست

میر مشاعرہ کی نگہ التفات کے منتظر ہیں، شعر عرض ہوا،

حبذا جذبۂ آن شوق کہ حامی ز وطن ۔۔۔ جانب حضرت صدیق حسن خان برخاست

---

[1] منشی افتخار احمد محسن، صبح گلشن ص ۵۵۵،

صبا کی مختصر خوامی دیکھئے،

الحذر اے فلک از من کہ ترا خواہد سوخت آہ جان سوز گر از دل شرر افشان برخاست

منظفر حسین گوپامئوی (مؤلف روز روشن) یہی صبا ہیں، ان کا ۳۱ واں مقام ہے،

بزم اٹھنے کو ہے اعظم (سید محمد اعظم حسین بن سید محمد زکی) نے اس پر ہی تو فرمایا،

چرخ از جور بیارام کہ جانان برخاست فتنہ در گوشہ نشین آفت دوران برخاست

شب سراسیمہ نشینم بخیال زلفش چون سحر خیز کہ از خواب پریشان برخاست[۵۱]

اس مشاعرہ میں ۴۱ حضرات نے اپنا اپنا کلام سنایا، اللہ رے جامعیت صدیق حسن!

ہر کہ بنشست بہ پہلوے تو شادان بنشست

چون سحر خیز کہ از خواب پریشان برخاست[۵۲]

مجلس علما کا منظر | علماے اہلحدیث میں جس کی قسمت نے یاوری کی، وہ نورتن صدیقی میں شامل ہوا، یمنی برادران میں سے شیخ حسن محدث (م ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) اور شیخ زین العابدین تھے اول الذکر امیر الملک کے استاد بھی ہیں، اور دوسرے صاحب قاضی مملکت (بھوپال) ان کی رحلت کے بعد یہ عہدہ شیخ محمد علی مچھلی شہری (م ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء) کو تفویض ہوا، یہ ایک واسطہ سے امام شوکانی کے شاگرد ہیں، ان میں شیخ عبدالحق بنارسی (م ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء) ہندوستان کے علماے شہیر سے ہیں، علوم حدیث پر ۲۵ کتابیں لکھیں، ان میں النعمۃ السابقۃ فی تخریج حجۃ اللہ البالغہ ہے[۵۳]، یہ سب قلمی ہیں، ابھی تک ایک بھی نہیں چھپی، شیخ کے ورثا کے پاس ہیں، مولانا شمس الحق صاحب عون المعبود (م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء) نے بہت کوشش کی، مطبع انصاری (دہلی) عروج پر تھا، مگر ان کے اخلاف نے قاضی صاحب کے مبیضات میں سے ایک کتاب بھی نہ دی،

---

[۵۱] مستفاد از (تذکرہ) صبح گلشن ص ۴۹۹ تا ۵۵۲ [۵۲] تذکرے صبح گلشن ص ۵۰۵ از غزل نواب صاحب

[۵۳] تراجم علماے حدیث ہند ج ا ص ۲۷۹،

قاضی محمد مچھلی شہری کا تقرر | والیۂ بھوپال حضرت علیا جناب نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ ریاست کے تمام امور اپنے لائق اور فرزانہ ماں شوہر نواب والاجاہ علیہ الرحمہ کے مشورہ سے سرانجام دیتی تھیں، قاضی القضاۃ مولانا زین العابدین انتقال فرما چکے تھے، حضرت نواب صاحب متلاشی تھے، کہ اسی تردد میں آپ نے حضرت عبداللہ صاحب غزنوی کو خواب میں دیکھا، وہ ایک شخص کی طرف اشارہ کرکے فرما رہے ہیں کہ ان کو مقرر کردو، ان کا نام محمد ہے، بیدار ہوئے، تو حلیہ اور نام دونوں ذہن میں محفوظ رہ گئے، اتفاق سے قاضی صاحب بھوپال پہنچے، نواب صاحب سے ملنے گئے، تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا، بس یہی صورت تھی، نام پوچھا تو وہی پایا جس کی بشارت خواب میں ہوئی تھی، عہدۂ قضاۃ پیش کیا، یہ ۵ رجادی الاخریٰ ۱۲۹۰ھ ۱۸۷۳ء کا واقعہ ہے،

حضرت والاجاہ ان کی بہت قدر افزائی فرماتے تھے، ایک مرتبہ نواب صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے علم حدیث کی بہت خدمت کی، مگر عربی زبان میں بلوغ المرام کی شرح محدثین کے طرز پر نہ لکھی، چند روز بعد والاجاہ نے فتح العلام شرح بلوغ المرام لکھ کر چوبدار کے ہاتھوں قاضی صاحب کے پاس بھیج دی، بستہ کھول کر دیکھا تو دل کی پژمردہ کلی کھل گئی۔

۱۳۰۳ھ ۱۸۸۵ء میں جب حضرت والاجاہ نوابی سے معزول کر دیئے گئے، اور قوائے سلطنت میں اضمحلال آنا شروع ہوا، تو یہ نزاکت دیکھ کر قاضی صاحب نے استعفا پیش کر دیا، اس موقع پر حضرت علیا نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ[۲] نے ایک لاکھ روپیہ قاضی صاحب کی خدمت میں بطور رخصتانہ پیش کیا[۳]"

مولانا سلامت اللہ جیراجپوری | مولانا سلامت اللہ جیراجپوری (م ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء) اکابر اہل الحدیث سے ہیں،

۱؎ مشہور عامل بالحدیث من غیر تقلید مہاجر از غزنی و مقیم امرتسر (م ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء) (مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی کے جد بزرگوار) سلسلۂ ہندوستان میں علم حدیث پر آپ کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے، فصل من مذکور

۲؎ م ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء

۳؎ تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۰۶ تا ۲۰۹،

سے ہیں کتب درسیہ کا زیادہ حصہ مفتی صاحب فرنگی محلی سے پڑھا، پھر دہلی جاکر حضرت میاں صاحب سے حدیث کی تکمیل کی، اس کے بعد نہایت انہماک کے ساتھ توحید کی اشاعت اور تبلیغ کرنے لگے،........

ایک زمانہ تک بنارس میں قیام رہا، اور وہاں علوم حدیث و تفسیر کی کتابوں کا درس دیتے رہے، پھر نواب صدیق حسن خان صاحب نے آپ کو بھوپال میں بلایا، اور مدرسہ و قضیہ کا مہتمم مقرر کر دیا، شاہ جہاں بیگم والیۂ بھوپال آپ کا بہت احترام کرتی تھیں، اُن کے عہد میں بھوپال کے واعظ شہر آپ ہی تھے، کوئی عالم مسجد جامع میں آپ کی اجازت کے بغیر وعظ نہیں کہہ سکتا تھا، اس کے معاوضہ کے لئے بیگم صاحبہ موصوفہ نے کئی بار کہا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا،

آپ کے تلامذہ اساتذہ بنتے گئے، مثلاً مولانا حفیظ اللہ صاحب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، آخر عمر میں مولانا سلامت اللہ کا منصب ریاست بھوپال کی طرف سے مقرر ہو گیا تھا، وہیں جسد عنصری سے روح کا انفصال ہوا[1]،

مولانا محمد بشیر سہسوانی | تیسرے اہل حدیث عالم مولوی محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) ہیں، وہ سربرآوردگان روزگار میں تھے، سرکار عالیہ اور جناب والاجاہ حضرت نواب صاحب نے بارادت دلی آپ کا اعزاز و احترام کیا، اور مدارس ریاست کی افسری کا عہدہ تفویض ہوا، یہ ۱۵ محرم ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء کا واقعہ ہے،

بھوپال کے زمانۂ قیام میں حدیث و تفسیر کا درس جاری تھا، اور مسائل مستفتی بہا پر مجتہدانہ انداز سے افتاء لکھے جاتے تھے، اعزا و اقارب پر الطاف کریمانہ کی بارش رکھتے تھے، الغرض جس طرح آگرہ سے اس علم کی مہک بھوپال تک پہنچی تھی، اسی طرح بھوپال سے یہ مشام جان تمام اکناف ہند میں پھیل گئی،

موصوف کے زمانہ قیام (بھوپال) میں حضرت نواب صاحب اور مولانا عبدالحی مرحوم لکھنوی کا وہ مشہور تاریخی (تحریری) مناظرہ شروع ہو گیا تھا، جس میں طرفین نے متعدد رسائل لکھے[2]، اسی اثناء

---

[1] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۴۴۳ تا ۴۴۵ [2] مولانا ان کتابوں پر اپنا نام ثبت فرماتے تھے مگر نواب صاحب دوسروں کا،

مین مولانا لکھنوی نے ابراز الغی مین کہیں یہ خیال ظاہر فرمایا، کہ نواب صاحب کے پردہ مین مولانا بشیر لکھتے ہین[1]، اس پر مولانا موصوف نے بیسی کمال علامہ معترض کے اس الزام کو رفع کیا، اور ہر دو اصحاب کی صلح سے گویا قران السعدین کرانے کی سعادت حاصل کی،

بھوپال مین حقوق راعی و رعایا پر بڑی خوبی سے ترغیب و ترہیب فرماتے تھے، اور احکام الٰہی کے سامنے کسی کے شخصی احترام کو خاطر مین نہ لاتے تھے،

الغرض اسی طرح حضرت نواب صاحب کے سایۂ الطاف و اکرام مین ۱۲ سال گذارے، کہ خلد آشیان نے ۱۳۰۷ھ ؁۱۸۸۹ء کو رحلت فرمائی، جس سے اہل علم کے حلقہ مین عام مایوسی پیدا ہونے لگی، اس لئے مولانا موصوف بھی دل برداشتہ ہو گئے، مگر حضرت علیا نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ نے انھین بھوپال سے کسی طرح جانے نہ دیا،[2]

والاجاہ کے زمانہ کا ایک واقعہ ذکر کے لائق ہے کہ ایک مرتبہ والاجاہ شہ نشین پر رونق فرما تھے، اور حاشیہ مین حضرات علماے عظام کے ساتھ مولانا محمد بشیر بھی تشریف فرما تھے، کوئی رسالہ مکمل کر کے لائے تھے، اور اس کو والاجاہ کی خدمت مین پیش کیا تھا، والاجاہ نے ملاحظہ کے بعد فرمایا، مولوی صاحب! ایک التجا ہے، مولانا نے کہا ارشاد، فرمایا، یہ رسالہ مجھے اس قدر پسند آیا ہے، کہ جس کی وجہ سے جناب تھوڑی دیر کے لئے میری جگہ شہ نشین پر تشریف فرمائیے، مین آپ کی جگہ پر آ بیٹھون، مولوی صاحب نے فرمایا، سرکار! ہم لوگ آپ کے نمک خوار اور ممنون احسانات ہین، یہ جرأت کیونکر ہو سکتی ہے، فرمایا! یہ میری درخواست ہے، ضرور قبول فرمائیے، تعمیل ارشاد ہوئی، نواب والاجاہ شہ نشین سے ہٹ کر حاشیہ مین آ بیٹھے، اور مولانا شہ نشین پر جلوہ بار ہوئے، اور اس دن کی نشست اسی طور پر ہی[3]

---

[1] شاید مولانا کا یہ خیال مناظرانہ کتب پر نہ تھا، بلکہ کتب مہمات پر تھا [2] تراجم علماے حدیث ہند جلد ۱ ص ۲۵۱ و ۲۵۲

[3] یہ واقعہ راقم السطور سے مولانا احمد اللہ مرحوم شیخ الحدیث دار الحدیث رحمانیہ دہلی نے بیان فرمایا،

مولانا محمد اسمٰعیل علی گڑھی | علماے اہلِ حدیث میں سے جو حضرت بھوپال میں قیام فرما تھے، ان میں ایک مولانا محمد اسمٰعیل علی گڑھی (م ۱۳۰۳ھ ۱۸۸۳ء) ہیں، یہ بھی علماے فحول میں سے تھے،

علی گڈھ میں مولانا شاہ عبد الجلیل شہید علیہ الرحمۃ اکابر علماء میں سے گذرے ہیں، علوم ظاہر کے ساتھ فیوض باطن سے بھی متمتع تھے، معقولات میں مولانا بزرگ علی مارہروی کے شاگرد اور حدیث وفقہ میں شاہ محمد اسحاق دہلوی سے مستفیض تھے، اور خلافت حضرت سید احمد بریلوی نے عطا فرمائی تھی، جامع مسجد علی گڈھ کی امامت تفویض تھی، کہ اس وقت کے معیار کے مطابق یہ سب سے بڑا منصب تھا، اس پر ۵۷ء کی جنگ آزادی کی علم برداری نصیب ہوئی، میدان دغا میں اُترے، جہاد کیا، یہ جنگ سونہال کے باغ (جو بجنبہ سڑک آگرہ کو گئی ہے) پر ہوئی، جس میں فائز بہ شہادت ہوئے، مسلمانان علی گڈھ نے آپ کی نعش مبارک آپ کے دوسرے ہمراہیوں کی لاشوں کے ساتھ جامع مسجد میں دفن کی، یہ حظیرۃ القدس، جامع مسجد کے شمالی دروازہ سے اندر جاتے ہوئے ملتا ہے، سال شہادت ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء ہے،

صاحب ترجمہ (مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم) آپ ہی کے خلف الصدق تھے[۱]، اور اپنے پدر بزرگوار سے علوم وراثت میں پائے، اور علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، اُن کے تبحر علمی کی دھوم بھوپال پہنچی، تو نواب صاحب نے قاضی شہر کا عہدہ پیش کیا، مگر موصوف کو اپنے قدیم کرمفرما نواب محمد خان (چھتاری) کی مفارقت گوارا نہ ہوئی، اس کے کچھ دنوں کے بعد نواب صاحب آگرہ تشریف لے گئے، تو مولانا موصوف ملنے کے لئے گئے، حاضری میں قدرے تعویق ہوئی تھی، اس لئے معذرت کے طور پر کہا

"قدمبوسی کا تو غیر معمولی اشتیاق تھا، مگر درمیان کی احتیاط سے قدرے تاخیر ہوگئی"

نواب صاحب نے فرمایا:-

"در درویش را دربان نباید"

---

[۱] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۲۳ بعنی ترجمہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب علی گڑھی)

مولانا نے جواباً فرمایا:-

"بباید تا سگ دنیا نیاید"

اس پہلی ملاقات کا حضرت خلد آشیان پر خوشگوار اثر پڑا اس کے بعد نواب صاحب سے شرف مکاتبت حاصل رہا، اپنی تصانیف دربار عالی میں پیش کیں اور خلد آشیان نے ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ تاحیات جاری فرمادیا[51]۔

حفاظ صحاح | حضرت والاجاہ نے جس طرح قرآن پاک حفظ کیا جاتا ہے، اسی طرح کتب احادیث صحاح ستہ و مشکوٰۃ بشمول بلوغ المرام کے حفظ کا اعلان فرمایا، ہر ایک کتاب پر انعامی رقم کی تعیین فرمائی۔ راقم الحروف کو اس سلسلہ کے دو حضرات سے شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا، ایک مولوی حافظ عبدالوہاب نابینا دہلوی[52] (م ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء) اور دوسرے مولوی عبدالتواب غزنوی علی گڑھی[53] ہیں، جو بحمد اللہ بقید حیات موجود ہیں۔ ان دونوں کے مواعظ میں راقم نے سرود حدیث کا ایسا سمان دیکھا کہ:- ع

جو دل میں نہاں ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا

فمنهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك

امام شوکانی اور نواب والاجاہ مرحوم | یہ نواب والاجاہ مرحوم کی ریاست کے فیضان کا ذکر تھا، خود نواب والاجاہ نسباً سید الحسینی تھے، مسلک عمل بالحدیث بن غیر تقلید تھا، اور ان محاسن کی وجہ سے ہند و عجم کے تمام اہلحدیث کے سرخیل ہیں، نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں امام شوکانی (محمد بن علی ابن محمد بن عبداللہ (م ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء) کے معرف ہونے کا فخر موصوف ہی کو حاصل ہے، کہ جو کچھ ملا، اسی

---

[51] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۲۸، [52] تراجم علمائے حدیث (بضمن ترجمہ علمائے دہلی) جلد ا ص ۱۰۰
[53] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۳۳، بضمن ترجمہ علمائے علی گڈھ۔

کی نسبت اجازہ وطرزِ استدلال وخزائنِ کتب کے مطالعہ سے ملا، امام شوکانی کے ترجمہ کے ضمن مین فرماتے ہین :-

"واز محاسن اتفاقات آنست کہ در حال تحریر این کتاب در ماہ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء شبے کہ صبح آن تاریخ ششم از ماہ مذکور بود، حضرت ایشان را در خواب دیدم وشرح منتقیٰ را در حالتے کہ کتاب در دست من است بر ایشان قرأت کردم وبلا واسطہ اجازت حاصل نمودم وتا دیرگاہ سخن درمیان رفت"

وہکذا پیش ازین بدو سہ سال درمنام دیدم کہ ایشان تشریف آوردہ اند وبر مؤلفات من ثنا نمودہ وعزیزے دیگر در خواب دیدہ کہ دختران ایشان بخانۂ من ازین قدوم آوردہ اند تعبیر رفت "!

"کہ مراد بآمدن ایشان ..... در مؤلفات محررسطور در ہر پیرایۂ عربی وعجمی وشیوع یافتن آن بتوسط این عاجز درامصار وبلدان دور ونزدیک شرقاً وغرباً ویمیناً وشمالاً وللہ الحمد"

اسی نسبت نے اُن کی زبانِ قلم سے قاضی شوکانی کا فسانہ اطرافِ عالم مین سنایا،

رسید مژدہ کہ آمد بہار وسبزہ دمید وظیفہ گر برسد مصرفش گلست و نبید

شیخ کے تذکرہ مین فرماتے ہین،

"ومصنفات مطولات ومختصرات تالیف نمود اسماے بعضے ازان در اتحاف وابجد العلوم وجز آن در ترجمۂ شریفش نوشتہ ایم ازان جملہ شرح منتقیٰ ست در ہشت مجلد کہ درین نزدیکی ۱۲۹۷ھ ہجری ببذل ہمت رئیسۂ معظمہ صاحبِ قران تاج ہند نواب شاہجہان بیگم والیۂ حوزۂ بھوپال محمیہ در مصر قاہرہ بمطبع بولاق ہزار نسخہ ازان بصرف بست وپنج ہزار مبلغ

لہ تاج المکلل من جواہر مآثر الآخر والاول للنواب ص ۳۱۰،

(۲۵ ہزار) مطبوع شدہ"

" دبر ہامش آن عون الباری لحل ادلۃ البخاری ست از اد فی تلامذۂ او یعنی این جانے فانی عفا اللہ عنہ"

"وازان جملہ تفسیر فتح القدیر، سیل جرار و بل الغمام است وہمہ مؤلفاتش مقبول ومرغب فیہا ومعشوق علماے سنت است در بدر طالع بذکر بعض مصنفات وحقائق آن پرداختہ ونام ارشاد الفحول در اصول فقہ بردہ وگفتہ وہو الآن فی عملہ اعانہ اللہ علیٰ تمامہ ثم تم بعد ذلک فی مجلد واین کتاب را مختصریست از کاتب حروف حصول المامول نام کہ اولاً در ہند وثانیاً در قسطنطنیہ طبع شدہ وبجمیع اقطار عرض پریدہ وسرمایۂ اہل اتباع گردیدہ"

"بعدہ گفتہ وقد جمع من رسائلہ ثلثہ مجلدات کبار ثم لحق بعد ذلک قدر مجلد وسمی الجمیع الفتح الربانی فی فتاوی محمد الشوکانی وجمیع ذلک رسائل مستقلۃ وابحاث مطولۃ واما الفتاوی المختصرۃ فلا تنحصر ابداً واین کتاب نزد این بندہ شرمندہ موجود ست وازان درویش الطالب وحز آن انتفاع کثیر بدست آوردہ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم"

"قال وہو الآن یشتغل بتصنیف الحاشیۃ علی الازہار وسماہا السیل الجرار وہی مشتملۃ علی تقریر ما دل علیہ الدلیل ودفع ما خالفہ والتعرض لما ینبغی التعرض لہ والاعتراض علیہ من شرح الجلال وحاشیتہ وہذا الکتاب ان اعان اللہ علی تمامہ فسیعرف قدرہ من یعترف بالفضائل ولا یجحد ما وہب اللہ لعبادہ من الخیر قال تم ہذا الکتاب بمعونۃ اللہ تعالیٰ"[1]

فتح البیان اور فتح القدیر کا ماجرا

فتح القدیر (شوکانی) کے طبع ہو جانے کے بعد والا جاہ کے

---

[1] التاج المکلل ..... ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۶

خلاف معاندین نے وساوس سے کام لینا شروع کر دیا تھا، مگر ایک فتح البیان ہی پر کیا موقوف ہے، منکرین والاجاہی نے تو بہت ہی کچھ کہا ان کی بیشتر تالیفات پر کہا، کہنے والوں میں وہ راسخون فی العلم بھی تھے، (اور ابھی تک اُن کے بقیۃ السلف باقی ہیں،) جو اردو بھی صرف اس لئے جانتے ہیں، کہ یہ ان کی مادری زبان ہے، ورنہ فارسی سے بے گانہ اور عربی میں اب تک قرآن مجید بھی اُن کے لئے معمّا، اور پھر:- ع

اس پہ بچے ہیں کہ ہم درد جگر دیکھیں گے

آپ نے حصول المامول (للنواب) کا ماخذ اور پڑھ لیا، یہ السیل الجرار ہے ملاحظہ فرمائیے:-

"گو ہم درین نزدیکے کتاب سیل جرار را در پارسی زبان اختصار و ترجمہ نمودہ ام و نامش بدور الاہلہ من ربط المسائل بالادلہ نہادہ درین ولا از قالب طبع برآمدہ است کتابے در فقہ سنت و مرجحات احکام بسے نادر و غریب افادہ ونفع اللہ بہ المسلمین المتبعین"[۱]

اور فتح القدیر کے متعلق تو ارشاد ہے:-

"وہو الآن یجمع تفسیر الکتاب اللہ جامعًا بین الدرایۃ والروایۃ ویرجوا اللہ ان یعین علی تمامہ بمنہ وفضلہ"

"ثم من اللہ ولہ الحمد بتمامہ فی اربعۃ مجلدات کبار"

"واین تفسیر را جامع این اوراق اوّلاً اختصار کرد پستر بر آن از دیگر تفاسیر معتبرہ چیزہا افزودہ تا آنکہ کتابے مستقلاً گردید وکو شد بفتح البیان فی مقاصد القرآن"

"ودر طبع واشاعت آن بست ہزار سکہ کلدار تقریبًا صرف افتادہ ونزدیک است کہ از قالب مطبع جوائب بار دیگر جلوہ افروز شدہ باللہ التوفیق"[۲]

---

[۱] التاج المکلل ..... حاشیہ ص ۵۲۵ [۲] رر ..... ص ۳۰۰

یہ جلیل المنزلۃ مصنف کس تفصیل سے اپنے مصنفات کا ماخذ بتا رہا ہے، معترضین نے امام شوکانی کا نام سن لیا، ان کی تصانیف میں فتح القدیر کا ذکر پڑھ لیا، یہ جانتے تھے، کہ نواب صاحب شوکانی کے مسترشد ہیں، بات بن جائے گی، فرما دیا کہ فتح القدیر ہی کو فتح البیان کے نام سے چھپوا دیا، اور ہندوستان میں عالمین بالسنۃ پر ایسا الزام کونسی بڑی بات ہے،

اعتراضات کی ایک نوعیت یہ بھی ہے کہ امیر الملک کی بعض تحریروں پر مسلک اہل حدیث کے خلاف ہونے میں اعتراض ہے، جیسا کہ اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۲ و ۲۶، اپریل ۱۹۴۶ء میں ایک مضمون چھپا ہے، افسوس یہ ہے کہ محبین کی نظر بھی تصانیف والاجاہی کے غوامض پر نہیں، اس لئے جب بھی ان پر کسی تقلیدی تحریر کی وجہ سے نقض ہوتا ہے، تو نواب صاحب کے یہ نادان دوست آپ کی تحریروں کی ذمہ داری سے بیگانہ وشی برتنے لگتے ہیں، آخر تو قول قدیم، و قول جدید، یا رجوع مصطلحات دین میں ہیں، جن کے کچھ نہ کچھ مفہوم و مصداق ہیں کتاب اللہ میں ۵۰۰ سو آیات منسوخ نہ سہی، صرف ۲، آیتیں سہی، یا بقول بعض الناس[1] عہد حال ایک بھی منسوخ نہ سہی، مگر اصول نسخ کی تنسیخ اس وقت تک نہ ہو سکے گی جب تک قرآن مجید انہی آیات و الفاظ و ترتیب بیان کا مرقع ہے جس میں مرقوم ہے ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر گویا منسوخات یا قول قدیم کے متعلق والاجاہ فرماتے ہیں یعنی عمر کے ۲۰ ویں سال سے تصنیف شروع ہوئی

(۱) "دہیچہ و سالہ ملکہ کمتر ازان بودم کہ شوق تالیف و تحریر تراجم دامن گیر دل شد، تا آنکہ مؤلفات بسیار در ہر سہ زبان فربی دارد و تازی بہم رسید و اکثرے ازان در ہمان زمان تالیف در کانپور و دہلی وغیرہما، مطبوع گردید"

عمر پختہ ہوئی، تجربہ بڑھا، مطالعہ وسیع ہوا، اب پہلا لکھا ہوا اپنی ہی نظر میں تقویم پارینہ بن گیا یعنی

---

[1] امیر المومنین، از فرق احمدیہ قادیانیہ!

۲- "اما بعد از آن کہ عبور بر دواوین سنت و صحف فقہ حدیث و کتب علوم اجتہاد و تحقیق ساختہ و پرداختہ تر پیشین چون تقویم پارین بنظر آمد، پس مقدار کثیرے را از آن مولفات اندوائرہ اعتبار بیرون انداختہ شد، زیرا کہ بر ہنجار اہل تقلید بود و طریقہ حنفیہ داشت در تحریر" (زدوغ) یہ تو ایسی تصانیف ہیں کہ اوائل عہد میں مدون فرمائیں، وہ مذاق قوم کے مطابق تھیں ما ورد بلوغ علم کے بعد؟ یعنی

۳- واکنون بعون اللہ تعالیٰ و حسن توفیقہ، انچہ بقلم می آید، و تالیف و تصنیف می یابد جملہ معتمد بر دلیل و طرح تقلید ست و ر اکثر از تعریبات راسے و تخریجات اہل راسے ندارد بحبتہ النخبہ حقائق محررہ ائمہ اعلام ست......"[۵]

امام شوکانی کا کچھ اور ذکر خیر نواب والاجاہ مرحوم تاج مکلل میں فرماتے ہیں:-

"گویم و برکت وی رضی اللہ عنہ در بعض تلامذہ او نیز سرایت کرد، تا آنکہ مولفات او در لسان عجم و عرب در فنون دین و علم ادب و مصنفات مطولہ و مختصرہ او در معارف کتاب و مدارک سنت عالمگیر شد و اقطار گیتی را از شرق و غرب و یمین و شمال فرا گرفت و علمائے اہل علم از جمیع امصار بعیدہ و اقطار دور دست بسوے او بتوجہ گردید و مشتغلین عصر مولفات خود را نزد او می رسانند و از وے اجازت می ستانند و جریان کتابت می خواہند، چنانکہ درین سال سید علامہ خیر الدین نعمان الوسی نادرہ مفتی دار السلام بغداد کتاب جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین فرستاد و فقیہ فہامہ شہاب الدین بن بہاء الدین مرجانی حنفی قزان سہ مؤلف خود را ہا اکرد، یکے منتخب الوفیہ در ضبط تواریخ، و وفیات اکابر علمائے امت از عہد نبوت تا زمان والد خود و کتاب فوائد مہمہ و موائد متمہ در علم قرآن و رسم مصاحف عثمان

---

[۵] از نمبر ۱ تا نمبر ۳ مقتبس ہے تاج مکلل ... ص ۲۰۵ سے

"وکتاب حق المعرفۃ وحسن الادراک بما یلزم فی وجوب الفطر والامساک واین ہر سہ نسخہ

در بلدۂ قزان در ۱۲۹۸ھ طبع شد"

"و شیخ علامہ برہان الدین بلغاری کتاب ناظورۃ الحق را اتحاف فرمودہ الی غیر ذلک"

"واما مکاتیب علماے اقطار صنعا ومدائن یمنیہ وفضلاے حرمین شریفین ومصر وقدس

شام وبیروت وتونس، واستامبول وجزائر وجز آن پس در حصر نمی گنجد تا آنکہ مجموعے کبیر از آن

مجتمع شدہ"[۱]

نواب صاحب کی زبانِ قلم سے امام شوکانی کا یہ سراپا کہاں تک سنایا جائے، إمبادا!

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا

بن گیا رقیب آخر تھا جو مہربان اپنا (باقی)

---

[۱] تاج مکلل ص ۳۰۷، و ۳۰۸،

حیاتِ شبلی

(حصہ اول)

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحعمری ہی نہیں، بلکہ اُن کی وفات ۱۳۳۲ھ تک ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، ادبی اصلاحی اور دوسری تحریکوں اور سرگرمیوں کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمت پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ ٹری تلاش وجستجو سے مرتب کیا گیا ہے..... ضخامت مع مقدمہ ۱۰۵ دیباچہ ۸۲۰ صفحے، قیمت غیر مجلد ... مجلد ... "منیجر"

اسلامی نظریۂ سیاست

جناب محمد حمید زمان صاحب صدیقی پٹھان کوٹ

(۵)

اسلامی نظریۂ اجتماع سیاست کی عملی حیثیت،

گذشتہ مباحث میں اسلامی نظریۂ سیاست پر محض اصولی اور نظریاتی حیثیت سے گفتگو کی گئی تھی، اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ سیاسی نظریہ محض فکر و ذہن تک ہی محدود ہے، یا اس میں ایک عملی حقیقت بننے کی صلاحیت بھی موجود ہے کیونکہ محض نظری حیثیت سے کوئی حیاتیاتی نظریہ خواہ کتنا ہی خوبصورت اور دلفریب کیوں نہ ہو، جب تک وہ حیاتِ انسانی میں خاص قسم کی تبدیلی پیدا کرکے اس کو اپنے منشار کے مطابق چلانے پر قادر نہ ہو کسی توجہ اور التفات کا مستحق نہیں،

عالم انسانی میں ہر چیز کا وجود اسباب وعلل اور محرکات و دواعی کے وجود پر موقوف ہے، جب تک علت بوجود اپنے تمام لوازم کے ساتھ وجود میں نہ آجائے، اس چیز کا عالم وجود میں آنا ممکن نہیں، اس بنا پر کسی نظام حکومت اور فلسفۂ اجتماع کو بروے کار لانے کے لئے ضروری ہے، کہ جس خطۂ ارضی میں اس کو نافذ کرنا چاہتے ہیں، وہاں کے انسانوں کے قلوب و اذہان میں ایک ایسی تبدیلی ہونی چاہئے، جو اس نظریۂ حیات سے مناسبت رکھتی ہو،

جب زمین میں غلہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو تو اس میں کسی چیز کی کاشت کرنا اور اس سے ثمرات و نتائج کی امید رکھنا عبث ہے، اسی لئے سب سے پہلے ناقابل کاشت زمین کو گھاس

پھونس خود رَو جڑی بوٹیوں خاردار جھاڑیوں اور ہر اس چیز سے پاک کرنا ضروری ہو جو عمل زراعت اور اس کے نتائج کے لئے مانع اور نقصان رسان ہو سکتی ہے، اس کے بعد کھاد اور پانی وغیرہ کے ذریعہ اس کی قوت و استعداد کو اپنے منشا کے مطابق بنانے کی سعی کرنا ہوگی، ان مراحل کے بعد فصل کی کاشت سے مفید اور کارآمد نتائج کی توقع کی جا سکے گی،

اسی طرح انسانوں کو اگر کسی خاص شاہراہ عمل پر لانا مقصود ہے تو سب سے پہلے ان کے قلوب و اذہان کی زمین کو ناموافق تصورات کی آلائشوں سے پاک، اور پھر مخصوص نظام تعلیم و تربیت کے ذریعہ ان کے قوائے فہم و ادراک میں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی، اس کے بعد جو عملی نظام ان کے سامنے رکھا جائے گا، وہ اس کو بخوشی قبول کرنے پر آمادہ ہو سکیں گے۔ پہلے عمل کو "تطہیر فکر" اور دوسرے کو "تعمیر فکر" سے تعبیر کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،:-

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے دلوں کو پاک کرتے ہیں، اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں،

قرآن حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت میں سے تزکیہ قلوب اور تطہیر فکر کو پہلے درجہ میں رکھا ہے، اور تعلیم و تربیت یعنی تعمیر فکر کو دوسرے درجہ میں اور تعمیر فکر کے لئے کتاب اللہ اور حکمت یعنی علم سنت[1] کو بطور نصاب مقرر کیا ہے،

---

[1] معارف:- یہ صحیح ہے کہ حکمت کے معنی بعض روایتوں میں سنت کے آئے ہیں، لیکن حکمت کے مفہوم کو صرف "علوم سنت" میں محدود کرنا، اور اس پر کسی نظریہ کی مستقل بنا قائم کرنا بھی محل نظر ہے، بعضوں نے اس کی تفسیر "التفقہ فی الدین" سے کی ہے، اور بعض ارباب علم نے "الکتاب" سے مراد احکام قانونی اور "الحکمۃ" سے احکام اخلاقی کر لیا ہے، سورہ بقرہ رکوع ۲۴، اور خصوصاً بنی اسرائیل رکوع ۳ میں

"حکمت" کی تفسیر علوم سُنت سے کی گئی ہے، اس لئے کہ یہ قرآنی اصطلاح ہے، اور قرآن کریم میں یہ لفظ صرف ان قطعی محکم اور یقینی علوم کے لئے استعمال ہوا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے توسط سے انسانوں کو حاصل ہوتے ہیں،

یعنی "حکمت" انبیاء علیہم السلام کے طریق سنت اور منہاج نبوت کا دوسرا نام ہے، فلاسفہ و متکلمین نے حکمت کے لفظ میں گو توسیع کر لی ہے، اور انسانی علوم و فنون مثلاً فلسفہ طبعی، مابعد الطبعیات اور فلسفہ، طب بھی اس کا اطلاق کرتے ہیں، مگر یہ علوم تغیر پذیر ہیں، اور ان میں ترمیم اور قطع و برید ہوتی رہتی ہے، اس لئے ان پر حکمت کا اطلاق نہ صرف قرآن کے منشار کے خلاف ہے بلکہ لغوی اعتبار سے بھی غیر موزون ہے، اسلام میں کتاب اللہ کے بعد انسانوں کے پاس اگر کوئی سرمایۂ اذعان و یقین ہے، تو فقط علم نبوت ہے، اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے، وہ محض ظنی اور تخمینی ہے، جو ہرگز انسان کے لئے وجہ کمال نہیں ہو سکتا،

محرم نہیں فطرت کے سرود ازلی سے بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات

غرض یہی وہ طرز تعلیم اور طریق ارشاد ہے، جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، اور دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام وقتاً فوقتاً آتے رہے ہیں، وہ اسی طریق رشد و ہدایت کے پابند رہے قرآن حکیم میں غور و فکر کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ سالہ مکی زندگی میں اپنی تمام تبلیغی کوششوں کو تطہیر فکر ہی پر مرکوز رکھا، یہی وجہ ہے، کہ مکہ معظمہ میں جس قدر قرآنی سورتیں نازل ہوئیں، ان میں سب سے زیادہ تزکیہ قلوب پر زور دیا گیا ہے، اور دس سالہ مدنی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴۷) جو چند اخلاقی احکام بیان کئے گئے ہیں، اُن کے آخر میں ارشاد ہے،

ذٰلِكَ مِمَّآ أَوْحَىٰٓ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ، یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی ہیں،

"مس"

زندگی میں آپ نے تعمیر ملت کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اسی بنا پر مدنی سورتوں میں بالعموم تمدنی، عمرانی، معاشی اور سیاسی مسائل بیان کئے گئے ہیں، اور اس طرح ۲۳ سالہ دورِ حیات میں آپ نے اسلام کے فلسفہ، فکر و عمل کی تکمیل کی،

ان حقائق کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی جدید نظام فکر و عمل کو بروئے کار لانے کیلئے سب سے پہلے انسانوں کے رجحانِ طبیعت اور انداز فکر میں انقلاب پیدا ہونا ضروری ہے تاکہ مطلوبہ فضا، نظامِ حیات کے لئے سازگار ہو جائے، یہ عبوری مرحلے طے کرنے سے پہلے نظامِ سیاست تو بالجبر ان کے سر منڈھا جا سکتا ہے لیکن ان کے دلوں میں نہیں اتارا جا سکتا، اور تا وقتیکہ دلوں میں اس کی عقیدت و محبت کارفرما نہ ہو زیادہ دیر تک اس کا قائم رکھنا دشوار ہے،

یہ بات بھی ناقابلِ انکار ہے کہ تطہیر فکر اور تعمیر فکر کا کام کوئی معمولی کام نہیں بلکہ مشکل سے بھی مشکل تر ہے، کیونکہ انسانوں کے قلب و دماغ جن عقائد و تصورات سے مانوس ہو جاتے ہیں، اور جو خیالات نسلاً بعد نسلٍ وراثت کے طور پر اُن میں منتقل ہوتے چلے آتے ہیں، وہ سوسائٹی کے خمیر میں داخل ہو کر فطرتِ ثانیہ بن جاتے ہیں، اب ان خیالات کی جگہ دوسرے خیالات پیدا کرنے کیلئے سالہا سال انتھک اور لگاتار جد و جہد کی ضرورت ہے، یا نبی کی مقدس شخصیت اپنی معجزانہ قوت سے صدیوں کا کام چند دنوں میں ہی انجام دیدے، لیکن سوائے نبی کے اور کسی کے بس کی بات نہیں، کہ وہ چند سالوں میں حیات انسانی میں انقلابِ عظیم پیدا کر کے ان کی کایا پلٹ کے رکھدے،

واقعات کی روشنی میں بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ انسانوں کے فکر و ذہن میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے بہت بڑی مدت اور کاوش کی ضرورت ہے، آج دنیا کی اقوام سیاست و تمدن کے جس موقف پر پہنچ چکی ہیں، وہ اگرچہ افادی حیثیت سے دورِ سابق سے کچھ مختلف ہیں، پھر بھی اس تک پہنچنے کے لئے ان کو سالہا سال کی لگاتار اور مسلسل کوشش سے دوچار ہونا پڑا ہے، اور ابھی روزِ اول

کا معاملہ درپیش ہے،

دست از یک بند تا افتاد در بند دگر

اس لئے یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریت و مساوات کے بلند بانگ دعاوی کی تکمیل کے لئے ابھی ایک زمانہ درکار ہے، کیونکہ اب تک اُن کی ذہنیتیں اس سطح پر نہیں پہنچ سکی ہیں، جہاں سے بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود اور ہمدردی و مساوات کے اصلی سرچشمے نکلتے ہیں، ظاہر ہے کہ جب اتنی مسلسل جدوجہد کے بعد بھی اقوام حاضرہ اپنے ہی مجوزہ نصب العین تک نہیں پہنچ سکیں، حالانکہ یہ نظام کو ان کی عقل نے ترتیب دیا ہے وہ کسی حد تک ان کی ذہنی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے، تو کسی ایسے نظام حیات کو قبول کرنے کے لئے وہ کیسے آمادہ ہو سکیں گی، جو ابھی تک ان کے معیار عقل سے درار الوری ہے، یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے، کہ انسان ہر ایسی چیز کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے جس سے اس کو طبعی لگاؤ ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں ایسی چیز کے قبول کرنے میں وہ زیادہ دقت محسوس کرتا ہے جو اس کے عقائد و تصورات سے بالکل مختلف ہو،

دراصل دنیا سے انسانیت اس نظام فطرت سے جس قدر دور ہو گئی ہو اُسی قدر اب اسے اس کے قریب لانے میں وقت اور محنت کی ضرورت ہے، اور جس قدر انسانی قلوب میں صالح تبدیلی پیدا ہوتی جائے گی، اسی قدر اسلامی نظام سیاست و اجتماع کے نفاذ و اجرار کا وقت بھی قریب آتا جائے گا،

اس میں شک نہیں کہ زمانہ دھیمی رفتار کے ساتھ خود ہی اپنے اصل مرکز کی طرف جا رہا ہے اور جلد یا بدیر اُسے اسلام کی معین کردہ منزل تک پہنچنا ہے، چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اقوام حاضرہ اسلام کے نام سے بغض و عناد رکھنے کے باوجود غیر شعوری طور پر اسی منزل کی طرف بڑھ رہی ہیں، اور آخر ایک ایسا وقت آکر رہے گا، کہ تمام دنیا سے انسانیت اسلام کے دامن امن و عافیت میں

پناہ لینے پر مجبور ہو جائے گی،

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ؕ

قرآن کریم تمام عالم انسانی کے لئے ذکر ہے، اور یہ حقیقت دنیا پر کسی دن عیاں ہو کر رہے گی،

انسانی دنیا کو اس غایت قصویٰ تک پہنچانے کے دو ہی ذریعے ہیں، ایک یہ کہ کوئی فوق الفطرت شخصیت اپنی غیر معمولی قوتِ فکر و عمل سے چند سالوں ہی میں تطہیرِ فکر اور تعمیرِ فکر کے مراحل طے کرکے دنیا کے گمراہ انسانوں کو رشد و ہدایت کی بلندیوں تک پہنچا دے، دوسرے یہ کہ دنیائے انسانیت خود ہی گرتی پڑتی، اور علم و یقین کے مراحل طے کرتی ہوئی اس نصب العین تک پہنچ جائے، پہلی صورت میں خدائے قدوس کی طرف سے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل کی معجزانہ قوتوں کو دخل ہے اور دوسری صورت خود انسانی اذہان و افکار کے تدریجی ارتقار کا نتیجہ ہے، پہلی حالت عالم انسانی کے لئے ایک مثالی اور معیاری حیثیت رکھتی ہے تاکہ انسان اُسے سامنے رکھکر اپنی تگ و دو جاری رکھ سکے، اور زندگی کے مراحل و مشکلات کے حل کے لئے ان کے سامنے ایک مثال موجود رہے، اس حالت کے دیرپا ہونے کی ضرورت نہیں، کہ یہ تو شعورِ ذات کے لئے ایک زینہ ہے، اور انسانی ارتقار کے لئے ایک مثالی حقیقت کا کام دیتی ہے، مگر دوسری حالت میں انسانی فکر و ذہن خود ہی سیکڑوں ٹھوکریں کھانے کے بعد نظامِ الٰہی کے لئے مستعد اور قابل بن جاتا ہے، اس لئے اسے قدرتی طور پر دیرپا ہونا چاہئے یہی وہ بابرکت زمانہ ہوگا جس کی نسبت خود مخبرِ صادق علیہ التحیۃ والسلام نے خبر دی ہے،

لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ (احمد) — روئے زمین پر کوئی ایسا گھرانہ نہیں رہیگا، جہاں کلمۂ اسلام داخل نہ ہو جائے،

خلافت الٰہیہ کا دورِ سعادت | جب رات کی تاریکی کائنات کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے تو شعاعِ صبح کی نمود ہوتی ہے، جب گرمی کی شدت ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے، تو خوشگوار ہوائیں بارانِ رحمت کی نوید لاتی ہیں، جب انسان کے ظاہری جسم کے لئے رب العالمین کی جانب سے یہ اہتمام ہے تو پھر اس کے قلب و نظر کو کیسے ہمیشہ بے نور ہی رہنے دیا جاتا، اور اس کی روح کی تپش کے لئے کیوں نہ سامانِ تسکین بہم پہنچایا جاتا،

آج سے تیرہ سو سال قبل جب کہ کائنات کی روحانی تجلیات بالکل مدھم پڑ چکی تھیں اس کے قلب و نظر پر جہالت و ضلالت کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، انسانی گمراہی اپنی حدِ کمال تک پہنچ چکی تھی، یہاں تک کہ زمین کی سطح پر انسانوں کی کوئی جماعت بھی دینِ حق پر قائم نہ رہ گئی، انسانیت کے گلے پر قومی، نسلی، قبیلوی اور مذہبی امتیازات کی چھری چلائی جا رہی تھی، قتل و غارت اور کشت و خون کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا، ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان فاطرِ ارض و سما کی ہستی کا منکر اور ارباباً من دون اللہ کے سامنے سجدہ ریز تھا، اور انسانیت مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی کہ خدائے بزرگ و برتر نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے، اور زمین کے عین قلب میں ایک "جہانگیر" تجلی کا ظہور ہوا، جس نے فطرت کی تہ در تہ تاریکیوں "ظلمٰتٌ بعضھا فوق بعض" کو چاک کر کے اس کے اصلی خط و خال کو نمایاں کر دیا، ضلالت و غوایت کے بادل چھٹ گئے، اور فطرتِ انسانی اپنی تمام ضیاپاشیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گئی، خود نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے دن اعلان کیا،

ان الزمان قد استدار کھیئتہ	زمانہ ایک بڑا لمبا چکر کاٹ کر اُسی مرکز پر
یوم خلق اللہ السموات والارض	آ پہنچا ہے، جہاں سے اس کی ابتدا ہوئی تھی،

درحقیقت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور خزاں خوردہ انسانیت کے لئے نویدِ بہار تھا، اھل باطل جور و استبداد کے لئے پیغامِ مرگ، آپ نے ۲۳ سالہ مختصر حیات میں ایک ایسے نظامِ حیات کی بنیاد ڈالی

جس کی مثال دنیا نے کبھی پہلے نہین دیکھی تھی،

خدائے قدوس نے دنیا کی رہنمائی کے لئے ایک ایسی عظیم اور مقدس ترین شخصیت کا انتخاب کیا جو قیامت تک کائنات انسانی کی رہنمائی کے لئے کافی ہے، اوس کی آواز پر جن لوگون نے لبیک کہا وہ عالم انسانی مین سب سے زیادہ ایمان وعمل اور ہدایت ورشد کے لئے اہل تھے، اسی لئے دنیا کی لاتعداد انسانی آبادی مین صرف ان ہی کو سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و نصرت اور خلافت الٰہیہ کے قیام کے لئے منتخب کیا گیا،

جاهدوا فی اللہ حق جهادہ
اجتباکم وما جعل علیکم فی الدین من
حرج ملة ابراهیم هو سمّاکم
المسلمین من قبل وفی هذا
لیکون الرسول شهیدا علیکم
وتکونوا شهداء علی الناس،

تم اللہ کے راستہ مین جہاد کرو جیسا کہ جہاد
کا حق ہے، اُسی خدا نے تمھین دنیا کے انسانون
سے اس مقصد کے لئے چنا ہے، اور دین کے
معاملہ مین اُس نے تم پر کوئی ناقابل برداشت
تکلیف نہین ڈالی، اپنے روحانی باپ
ابراہیم کی ملت کو اختیار کرو جس نے اِس
سے پہلے اور اس وقت بھی تمھارا نام مسلم
رکھا ہے تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر
گواہ اور نگران بنین، اور تم تمام لوگون پر

اجتبار کے لغوی معنی کے اعتبار سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ملت اسلامیہ اور بالخصوص صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو روے زمین کے ان گنت انسانون سے اسی طرح چنا گیا ہے، جس طرح کسی کثیر التعداد اشیاء سے جوہر کشید کیا جاتا ہے، اور جس طرح مقصود بالذات جوہر ہوتا ہے، اسی طرح کائنات انسانی مین مقصود اصلی مسلمان کا وجود ہے، اور یہی وہ خیر اُمت ہے، جس کا مقصد حیات ذاتی منصب ووقار عزت وجاہ اور دولت وزر کا حصول نہین، بلکہ دوسرون کو ضلالت وغوایت کی تاریکی سے نکال کر ذات احدیت

سے روشناس کرانا ہے "خیر امت" کے موقر خطاب کا یہ اسی لئے اہل تصور کیا گیا ہے کہ اخرجت للناس یعنی اس کی زندگی عالم انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے وقف ہے،

گفت آن گلیم خویش بدر می برد ز موج

وین سعی می کند کہ بر آرد غریق را

یہی وجہ ہے کہ بے شمار انسانی آبادی میں خدا ے قدوس کی نگاہ انتخاب پڑی تو عرب کی اس "امت امیہ" پر جو فلسفہ اور سائنس تو کیا، حساب کے معمولی قواعد بھی نہیں جانتی تھی، ہاں اس کے پاس ایک ہی چیز تھی، "اس کا قلب صالح تھا، جس میں عالم انسانی کی رہنمائی کرنے کی استعداد کامل موجود تھی،

عن ابن مسعود قال ان الله نظر فی	خدا ے تعالی نے لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو
قلوب العباد فوجد قلب محمد خیر	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تمام لوگوں کے
قلوب العباد فاصطفاه وبعثه برسالته	دلوں سے بہتر پایا، پس ان کو چن لیا، اور
ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب	نبوت عطا کی، دوسری دفعہ خدا نے لوگوں
محمد صلی الله علیه وسلم فوجد قلوب اصحابه	کے قلوب پر نگاہ ڈالی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خیر قلوب العباد فجعلهم وزراء	کے اصحاب کے قلوب کو سب سے بہتر پایا،
نبیه صلی الله علیه وسلم یقاتلون عن دینه	لہذا ان کو اپنے نبی کے وزرا ہونے کا شرف
(اخرجه ابو عمر فی خطبة الاستیعاب)	عطا کیا، جو دین کی حفاظت کے لئے جہاد

نیز یہی حدیث بیہقی میں تھوڑے سے اختلاف اور کچھ اضافہ کے ساتھ ہے کہ

فجعلهم انصار دینه ووزراء	پس ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی
نبیه فما رآه المؤمنون	صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر بنایا پس جس چیز کو یہ ایمان والے
حسنا فهو عند الله حسن و	بہتر تصور کریں گے، وہ اللہ کے نزدیک بھی

مَا رَاٰہُ قبیحًا فھو عند اللّٰہ — بہتر ہوگی، اور جس کو یہ برا خیال کرین گے وہ

قبیحٌ، — اللہ کے ہان بھی بری ہوگی،

غرض یہی وہ مقدس نفوس تھے، جن کے ایمان محکم اور عمل پیہم نے کائنات انسانی مین ایک نئے انقلاب کی طرح ڈالی جس کی ابتدا خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھون سے ہوئی تھی، آپ ہی نے سب سے پہلے وحی الٰہی کی روشنی مین ایک عہد آمت کی تعمیر کی، اور اس کے ذہن و فکر کو نئے سانچے مین ڈھال کر اس کے لئے شاہراہ عمل متعین کر دی، اور راستہ کی ایک ایک عبوری حالت سے آگاہ کرکے آخری منزل مقصود کا نشان بھی بتایا، اور آنے والے مختلف دورون کی جانب اشارہ کرکے ان دورون کے لئے بھی راہ عمل بتا دی، تاکہ حیات اجتماعیہ کا کوئی ایک دور بھی ہدایات نبوت سے رہنمائی حاصل کرنے مین محروم نہ رہ جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے متنوع حالات کے پیش نظر ملت اسلامیہ کو کئی ادوار مین تقسیم کیا ہے، چنانچہ ابو یعلی اور شاطبی کی روایات مین بالترتیب چار اور پانچ دور بیان کئے گئے ہین جنھین مقالہ کے ابتدائی حصہ مین ذکر کیا جا چکا،

اس حدیث مین خلافت راشدہ کا زمانہ بھی معین کر دیا گیا ہے، اور اس معین عرصہ کے بعد ملوکیت مستبدہ کی خبر دی گئی ہے۔

الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃً — میرے بعد خلافت ۳۰ سال تک رہیگی،

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ قال — مدینہ منورہ مین خلافت علی طریق السنۃ

الخلافۃ بالمدینۃ والملک بالشام (اخرجہ الحاکم) — ہوگی، اور شام مین ملوکیت،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کے اعمال کو سنت سے تعبیر فرمایا ہے، اور مسلمانون کو سنت نبوی کی طرح اتباع کامل کا حکم دیا گیا ہے، کہ ان کا نظام اجتماع اور آئین سیاست بالکل طریق سنت اور مناہج نبوت پر قائم تھا،

عن عرباض ابن ساریۃؓ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی تمسکوا بہا وعضوا علیہا بالنواجذ (صحاح)

تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت بڑا اختلاف دیکھے گا، لہٰذا تم میرے بعد میری سنت، خلفاے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اسی کے ساتھ تمسک کرو، اس کو نہایت مضبوطی سے پکڑ لو،

متعدد احادیث میں اس مقدس عہد کی دینی برکات اور سیاسی فتوحات کی خبر دی گئی ہے،

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلک کسری ثم لا یکون کسری بعدہ وقیصر لیہلکن ثم لا یکون قیصر بعدہ ولتقسمن کنوزہما فی سبیل اللہ،

کسری (گویا) ہلاک ہو چکا ہے، اور اس کے بعد کوئی کسری نہیں ہوگا، اور قیصر بھی عنقریب ہلاک ہو جائے گا، اور پھر کوئی قیصر پیدا نہیں ہوگا، تم اُن کے خزانے اللہ کے راستہ میں تقسیم کروگے،

عن ثوبانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقہا ومغاربہا وان امتی سیبلغ ملکہا ما زوی منہا واعطیت الکنزین الاحمر والابیض، (اخرجہا مسلم)

اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو اکٹھا کر دیا، تو میں نے اس کے مشرقی اور مغربی حصوں کو دیکھا، بہت جلد میری اُمت کی حکومت اُس زمین پر قائم ہو جائیگی جو مجھے دکھائی گئی ہے، اور مجھے سونے اور چاندی کے خزانے دیئے گئے،

ظاہر ہے کہ ان فتوحات کی تکمیل خلفاے راشدین کے زمانہ میں ہوئی، اور اسی دور سعادت میں مسلمانوں نے قیصر و کسری کے تخت و تاج کو پاؤں تلے روندا، وہاں کے ملکوں میں اسلام کا جھنڈا

نصب کیا گیا، اور عراق کی فتح کے بعد ایک ہزار اونٹ بیش بہا خزائن اور ساز و سامان سے لدے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، یہی وہ زمانہ ہے، جس میں دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ میں قرآنی نظام سیاست و اجتماع کا نفاذ ہوا،

اس بابرکت دور کے بعد ایک بہت بڑے فتنہ کی خبر دی گئی ہے، اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس موقع پر اپنے امیر کا ساتھ دیں

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انھا ستکون فتنۃ و اختلاف او اختلاف و فتنۃ قال قلنا یا رسول اللہ فما تامرنا قال علیکم بالامیر و اصحابہ (اخرجہ الحاکم)	بہت جلد ایک فتنہ اور اختلاف یا اختلاف اور فتنہ (علی شک الراوی) بپا ہوگا، ابوہریرہ نے سوال کیا یا رسول اللہ! ایسی حالت میں ہمارے لئے کیا ارشاد ہے؟ فرمایا، اپنے امیر اور اس کے ہمراہیوں کا ساتھ دینا،

حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اس فتنہ کا آغاز ہوا، اور پھر بڑھتا ہی چلا گیا، یہاں تک کہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بدامنی، شورش اور طوائف الملوکی خطرناک حد تک پہنچ گئی، اور ان کی شہادت کے بعد خلافت راشدہ کا دور ختم ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شورش و بدامنی کے متعلق پہلے سے حضرت علیؓ کو آگاہ فرما دیا تھا،

عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلیؓ اما انک ستلقی بعدی جھداً قال فی سلامۃ من دینی قال فی سلامۃ من دینک (اخرجہ الحاکم)	آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، عنقریب تجھے سخت تکلیف اور مشقت سے دوچار ہونا پڑیگا، عرض کیا میرے دین کی سلامتی کے ساتھ؟ فرمایا، "ہاں تمہارے دین کی سلامتی کے ساتھ"

خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دور استبداد شروع ہوتا ہے، اس کی نسبت بھی شرارۃ و جہان

صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے خبر دیدی تھی،

ثُمَّ کائن مُلکًا عضوضًا، الخ — اس کے بعد جابر بادشاہ ہون گے،

ملوکیت عاضہ اور "ملوکیت جابرہ" کے بعد ایک پانچوین دور کی بھی خبر دی گئی ہے،

ثم تکون خلافۃ علی منہاج النبوۃ	آخر مین ایک دفعہ پھر خلافت علی طریق السنۃ
تعمل فی الناس بسنۃ النبی و یلقی	کا دور آئے گا جس کے اعمال سُنت کے اسلوب
الاسلام بجیرانہ فی الارض و	پر ہون گے، اور اس دور مین اسلام کو زمین
یرضی عنھا ساکن السماء و ساکن	مین استحکام حاصل ہوگا، آسمان والے، اور
الارض لاتدع السماء من قطرالا	زمین والے اس دور سعید سے خوش ہون گے
صبتہ مدرارًا ولاتدع الارض	آسمان رحمتِ خداوندی کی موسلا دھار بارش
نباتھا و برکاتھا الا اخرجتہ	برسائے گا، اور زمین اپنی تمام نباتات، اور
(اخرجہ الشاطبی فی الموافقات)	خزائن باہر نکالدے گی،

یہی وہ آخری دور ہے، جو اسلام کی آخری منزل ہے، اور جس مین لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ کا اعلان خداوندی ایک حقیقۂ ثانیہ بن کر دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوگا،

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نظام سیاست مین کوئی کشش تھی، تو پھر وہ زیادہ عرصہ تک کیون نہ قائم رہ سکا،

مختصرًا اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا دائرۂ اثر و نفوذ کسی ایک وطن یا قوم مین محدود نہیں، بلکہ جغرافی اور نسلی قیود سے بلند تر اور تمام عالم انسانی کی وسعتون کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اور ظاہر ہے کہ کوئی حیاتیاتی نظریہ افادہ کے اعتبار سے جتنا محدود ہوگا، اس کا اجراء و نفاذ بھی اسی قدر آسان ہوگا، اور جس قدر اس کا دائرۂ نفوذ بڑھتا جائے گا، اسی تناسب سے اس کے قیام مین

دشواریاں بڑھتی جائیں گی،

اسلام کا نصب العین تمام روے زمین میں خلافت الٰہیہ کا قیام ہے اور تاوقتیکہ تمام عالم انسانی استعداد و قابلیت کے ایک خاص موقف تک نہ پہونچ جائے اس وقت تک اسلامی نظام حیات برپا اور عالمگیر نہیں ہو سکتا، عہد خلافت راشدہ میں اگرچہ دنیا کے بہت بڑے حصہ میں خلافت الٰہیہ کا نفاذ ہوا مگر وہ دیر پا نہ ہو سکا کیونکہ ان کے لئے جن شرائط کی ضرورت تھی، وہ پوری طرح اس وقت تک عالم وجود میں نہیں آئے تھے، مگر اس بات کی ضرورت تھی کہ ایک کامل اور جامع کتاب ہدایت اور ایک مکمل نمونۂ عمل انسانوں کے حوالہ کر دیا جائے جو زندگی کے مختلف مراحل میں ان کے لئے ایک مثالی حقیقت کا کام دے سکے اور عملی تجربات میں ان کی ٹھیک ٹھیک رہنمائی کر سکے یہاں تک کہ ان کا شعور ذات درجۂ تکمیل تک پہنچ جائے

عن مالک انه بلغه انه علیه السلام قال	میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک
ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم	تم ان سے تمسک کرتے رہو گے گمراہی سے
بھما کتاب الله و سنة رسوله صلی الله علیه وسلم	محفوظ رہو گے یعنی کتاب اللہ اور سنت "

نیز خاتم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اسلامی نظریۂ سیاست کے نفاذ سے دنیا پر یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ نظام زندگی محض تصورات کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ ایک عملی حقیقت بننے کی اس میں پوری صلاحیت موجود ہے مگر اس کی تکمیل اس وقت ہو گی جب کہ انسان کا شعور ذات مختلف مراحل طے کرتا ہوا اپنے اصل مرکز پر پہنچ جائیگا یہی انسان کی آخری منزل مقصود ہو گی، اور کسی نہ کسی دن اسے اس غایت قصوی تک پہنچنا ہو گا، مگر یہ وقت کب آئیگا، اس کے متعلق کوئی قطعی جواب نہیں دیا جا سکتا، ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جب دنیاے انسانیت سالہا سال کی مسلسل ناکامیوں اور نامرادیوں سے تنگ آجائیگی، اس کے فہم و ادراک کی جولانیوں کے لئے تمام راہیں بند ہو جائیں گی، تو یاس و ناامیدی کے عالم میں اسے یہ کہنا پڑے گا، ع "تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی" اور پھر اعتراف عجز کے ساتھ اسے بارگاہ رب العزت میں جھکنا ہو گا، اور حسرت و افسوس کے ساتھ انتہائی ندامت سے کہنا پڑے گا، کہ ربنا ظلمنا انفسنا فاغفر لنا ذنوبنا ۔

تلخیص و تبصرہ

رباعیاتِ عمر خیام کا قدیم ترین نسخہ

ماہ رواں میں طہران کا ماہانہ علمی رسالہ "یادگار" جلد ۳ نمبر ۳ موصول ہوا، اس کے ایک ادارتی مقالہ سے رباعیاتِ خیام کے ایک قدیم ترین نسخہ کا حال معلوم ہوا، فاضل مدیر یادگار نے رباعیات خیام کے ان نسخوں میں سے جو اس وقت تک معلوم تھے، بوڈلین لائبریری کے نسخہ کو قدیم تر لکھا ہے، جو ۸۶۵ھ یعنی خیام کی وفات کے ۳۴۰ برس بعد کا لکھا ہوا ہے، اور جس میں صرف ۱۵۸ رباعیاں ہیں،

لیکن یہ مستشرقین کی تحقیق ہے، جس کا تتبع مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں کیا ہے، حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے اپنی تصنیف "خیام" میں چند ایسے دوسرے نسخوں کی نشان دہی بھی کی ہے جو بوڈلین کے اس نسخہ سے قدیم تر ہیں، ان میں دو نسخے قسطنطنیہ میں ہیں، جو ۸۶۴ھ اور ۸۶۱ھ کے لکھے ہوئے ہیں، اور ایک نسخہ لکھنؤ میں بابو گوری شنکر سکسینہ کی ملکیت میں ہے، جو ۸۲۶ھ میں لکھا گیا ہے (خیام ص ۲۶۱ و ۲۶۲)

بہرحال یہ تینوں نسخے بھی نویں صدی ہجری کے قرار پاتے ہیں، جن میں قدیم تر لکھنؤ کا نسخہ مکتوبہ ۸۲۶ھ ہے، رباعیات کا جو جدید مجموعہ طہران میں دریافت ہوا ہے، اس کی کتابت کی تاریخ ۶۰۴ھ ہے یعنی خیام کی وفات کے کل ۸۰ برس کے بعد وہ لکھا گیا ہے، اس لحاظ سے اس نسخہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے،

خیام کی یہ رباعیاں دراصل ایک مجموعہ منتخبات کے اندر ہیں، جس میں مختلف شعراء کے کلام کے انتخابات درج ہیں،

اتفاق سے اس مجموعہ کے ابتدا اور وسط کے کچھ اوراق غائب ہین، اور جو محفوظ رہ گئے ہین، ان مین سنائی، معزی، سوزنی، عمر خیام اور انوری کے منتخبات موجود ہین، اور خوش قسمتی سے عمر خیام کی رباعیات کے سب اوراق محفوظ رہ گئے ہین، مجموعہ کے باقی ماندہ کل اوراق کی تعداد ۹۵ ہے، جن مین سے ۱۲ ورق خیام کی رباعیات کے ہین، ہر صفحہ مین ۱۶ سے ۱۸ سطرین ہین، اور رسم خط قدیم ہے، رباعیات کا انتخاب اس عنوان سے شروع ہوتا ہے،

"من کلام عمر الخیامی النیشاپوری علیہ الرحمہ"

پھر خاتمہ پر درج ہے،

"انتخاب اشعار حکیم عمر خیامی نیز بپایان رسید"

ان منتخب رباعیون کی تعداد جو ۱۲ ورقون مین ہین، ۲۵۱ ہے، اس سے خیام کی رباعیات کی تعداد کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، اب تک محققین کو رباعیاتِ خیام کے کسی قدیم نسخہ کی جستجو رہی ہے، اور اس کی عدم موجودگی مین مختلف علمی و ظنی قیاس آرائیون سے ان کی تعداد معین کرنے اور مختلف رباعیون کے انتساب کی صحت و عدم صحت کے جانچنے کا معیار مقرر کرنے کی کوششین کرنی پڑی ہین، اس نسخہ کے انکشاف سے ان مباحث پر غیر معمولی روشنی پڑے گی، اور کسی نتیجہ تک پہنچنے مین آسانی حاصل ہوگی، اور پھر کم سے کم یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گا، کہ وہ ڈھائی سو سے زیادہ تھین، جن مین سے ۲۵۱ رباعیون کو منتخب کیا گیا ہے، افسوس ہے کہ لائق مقالہ نگار کو اس مجموعہ کی رباعیون کو دوسرے مجموعون کی رباعیون سے مقابلہ کرنے کا موقع نہ مل سکا ہے، وہ صرف چند رباعیون کا مقابلہ برلین کے نسخہ سے کر سکا ہے، اور ان کو اس مقالہ مین شائع کر دیا ہے، لیکن مقالہ نگار کا عام اندازہ ہے، کہ ان ڈھائی سو رباعیون مین سے بیشتر دوسرے مجموعون مین بھی موجود ہین،

اس مجموعہ کے خاتمہ پر کتابت کی تاریخ ثبت ہے، مجموعہ انوری کے انتخابات پر ختم ہوا ہے،

آخر میں تحریر ہے:-

"چون انچہ درصد کتاب وعدہ دادہ بودیم، از منتخبات شعرا بر سبیل اجمال بتقدیم رسید کتاب را برین اشعار استاذ الشعرا حکیم ازرقی ہروی رحمہ اللہ ختم کنیم، اگر طغیان قلمی یا خللی درعبارت یا درمفہوم یا سہو در نظر آید، معذور باید داشت کہ بر سبیل ارتحال درحال استعجال اتفاق تحریر افتادہ ایزد سبحانہ وتعالیٰ انچہ مقتضی ثبات ونظام ومستدعی و حصول مرام بود ارزانی دارد، انہ اللطیف المجیب درشہر رجب لسنۃ اربع وستمایۃ العبد المذنب غیاث الدین محمد بن یوسف بن علی عفا اللہ عنہ بحق محمد والہ الطاہرین المعصومین"

ادارہ مجلہ یادگار کا ارادہ ہے کہ اس ساڑھے سات سو برس کے قدیم مخطوطہ کو عکسی فوٹو کے ساتھ شائع کرے تاکہ رباعیاتِ خیام کے مجموعوں میں سے ایک قیمتی مجموعہ منظر عام پر آجائے،

"س"

اعلان

۱- معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسالِ زر کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲- معارف ہر مہینہ کی ۵ تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہوجاتا ہے اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئے، ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر پرچہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

"منیجر"

استفسار و جواب

کیا ولادت نبوی کے وقت آپ کے والد کی وفات ہوچکی تھی،

جناب خواجہ عبد الوحید صاحب
قدیر منزل سید روڈ لاہور

حال ہی میں سیرۃ نبوی کی ایک چھوٹی سی کتاب برائے تبصرہ میرے پاس آئی، اس کا نام تھا "حیات النبی" اور عنوان کے نیچے لکھا ہے "شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کی مستند عربی تاریخ بدء الاسلام کے عربی ترجمہ کا اردو خلاصہ"،

اس کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے،

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو ماہ کے تھے، کہ آپ کے والد بزرگوار نے وفات پائی"

یہ جملہ پڑھکر تعجب ہوا، اس لئے کہ ہم لوگ ہمیشہ یہی پڑھتے اور سنتے آئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدایش سے پیشتر آپکے والد عبد اللہ بن عبد المطلب انتقال فرما چکے تھے، بدء الاسلام کا اردو ترجمہ جو علیا حضرت میمونہ سلطانہ شاہ بانو صاحبہ بھوپال نے کیا ہے، اور جو رحمانی پریس دہلی میں طبع ہوئی، اس کے ص ۸ پر ولادت باسعادت کے زیر عنوان وہی الفاظ موجود ہیں :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو مہینہ کے تھے کہ آپکے باپ نے رحلت فرمائی"

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اصل کتاب (جو عربی زبان میں ہے) کے الفاظ بھی یہی ہیں اور اگر ایسا ہی ہے تو اس کی سند کیا ہے، میں نے سیرۃ النبی کی جلد اول اس غرض سے دیکھی، تو وہاں اول عبد اللہ کی وفات کا تذکرہ ہے، جہاں باب ختم ہوتا ہے اور اس کے بعد "ظہور قدسی" کے عنوان سے وہ باب لکھا گیا ہے جس میں ولادت نبوی کا ذکر ہے، یہ صاف ظاہر

گزرتا ہو کہ آپ کی پیدائش سے پیشتر آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی،

اس لئے اگر مندرجۂ بالا جملہ غلط ہے، تو اس کی تصحیح ہونی چاہئے، اندرین حالات اپنے خیالات عالیہ سے مطلع فرمائیں، اور اگر کسی ماہ کے معارف میں اظہار خیالات ممکن اور مناسب ہو تو شاید بہت سے لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچ سکے،

معارف:۔ ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرت کے والد ماجد کی نسبت مختلف روایات ہیں، سیرۃ ابن ہشام میں یہی ہے کہ اُن کی وفات کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز شکم میں تھے، چونکہ بحیثیت سیرۃ کی کتاب کے یہ ماخذ زیادہ تر مشہور ہے، اس لئے زبانوں پر یہی روایت ہے مگر دوسری روایتیں بھی کتابوں میں موجود ہیں، جن میں سے ایک وہ ہے جس کو حضرت الاستاذ رحمۃ نے بدر الاسلام میں اختیار کیا ہے،

امام سہیلی سیرۃ ابن ہشام کی شرح میں لکھتے ہیں،

وذکر انّہ مات ابوہ وھو حمل و اکثر العلماء انّہ فی المھد ذکرہ الدولابی وغیرہ وقیل ابن شھرین ذکرہ ابن ابی خیثمہ وقیل اکثر من ذلک ..... وقد قیل مات ابوہ وھو ابن ثمان وعشرین شھرًا، (روض الانف سھیلی ص۱۰۷)	ابن ہشام کا بیان ہے کہ آپ حمل ہی میں تھے، کہ آپ کے والد نے وفات پائی، اور اکثر علماء اس پر متفق ہیں، کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارہ میں تھے، اس کو محدث دولابی وغیرہ نے بیان کیا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ آپ دو مہینہ کے تھے اس کا ذکر محدث ابن ابی خیثمہ نے کیا ہے

حافظ زرقانی مواہب لدنیہ کی شرح میں اس مسئلہ کی حسب ذیل تحقیق کرتے ہیں،:۔

"اور جب حضرت آمنہ پر حمل کے دو مہینے گذرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی پیدائش کو

دو ماہ باقی تھے، تو آپ کے والد عبد اللہ نے وفات پائی، اس وقت ان کی عمر پچیس برس کی تھی، جیسا کہ واقدی کا بیان ہے، اور یہی زیادہ ثابت ہے، یا ۳۰ برس کے تھے، جیسا کہ ابو احمد حاکم نے کہا یا اٹھائیس برس کے تھے، یا اٹھارہ برس کے تھے، اور اسی کو حافظ مغلطائی اور حافظ ابن حجر نے صحیح کہا ہے، اور اسی کو حافظ سیوطی نے پسند کیا ہے

اور کہا گیا ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارۂ طفولیت میں تھے، سہیلی نے کہا ہے کہ یہی اکثر علماء کا قول ہے، محدث دولابی نے اسی کو کہا ہے، .... اب اس قول کے بعد کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارہ میں تھے، اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت آپ کی کیا عمر تھی، محدث ابن ابی خیثمہ کی روایت ہے، کہ دو ماہ کے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۷ ماہ کے تھے، اور یہ بھی کہ ۲۸ ماہ کے تھے، لیکن راجح اور مشہور قول یہ ہے جیسا کہ امام نووی نے کہا ہے اور واقدی اور ابن سعد اور بلاذری اور ذہبی نے اس کو راجح کہا ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت ابھی تک شکم مادر ہی میں تھے، اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے، جس کو حاکم نے روایت کیا ہے، اور جس کو حاکم نے صحیح مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، مستدرک میں حاکم نے قیس بن مخرمہ صحابی سے روایت کیا ہے، کہ

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد نے وفات پائی، آپ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے"

[illegible] ۱۳۲۳ ۳۲۲ [illegible] مصر

قیس بن مخرمہ صحابی آپ کے خاندان کے تھے، اور بالکل ہم عمر تھے، یعنی اسی سال پیدا ہوئے، جس سال آپ پیدا ہوئے، (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۴، حیدر آباد دکن) اس لئے یہی روایت صحیح ہے، اور یہی علماء میں معتبر اور مسلمانوں میں مشتہر ہے، حاکم کی یہ حدیث مستدرک جلد ۲ ص ۶۰۵ میں ان لفظوں کے ساتھ ہے توفی ابوہ وامہ حبلی بہ (ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم)

• آپ اس رسالہ پر حاشیہ لکھتے ہیں کہ ایک روایت یہی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ولادت سے پہلے آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی" بس"

مطبوعات جدیدہ

قرآن اور تصوف از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حجم ۲۱۲ صفحے تقطیع ۲۲×۲۹/۱۸ قیمت ع۶، پتہ:- ندوۃ المصنفین قرول باغ دہلی۔

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب اسلامی عقائد و مسائل کو زمانۂ حال کے فلسفیانہ طرز استدلال میں مرتب کرکے معارف اور ملک کے دوسرے علمی رسالوں میں پیش کرتے رہے ہیں، "قرآن اور تصوف" ان کے اسی نوعیت کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جو معنوی ترتیب سے ایک مستقل کتاب کے ابواب بن گئے ہیں، اس میں انھوں نے قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے اسلام کے حقیقی تصورات و تعلیمات کو پیش کرکے دکھایا ہے، کہ یہی وہ بنیادی حقائق ہیں، جن کو اکابر صوفیہ نے دور قدیم میں تصوف کے نام سے پیش کیا ہے، مقدمہ میں لفظ "تصوف" اور "صوفی" پر بحث آئی ہے، مصنف نے امام قشیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "لفظ صوفی ۲۰۰ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا" (قرآن اور تصوف ص ۹) لیکن امام قشیری کا یہ بیان لفظ تصوف کے بارہ میں ہے، نہ کہ لفظ صوفی کے متعلق، اور انھوں نے صرف "پہلے" لکھا ہے نہ کہ "کچھ پہلے"، امام قشیری فرماتے ہیں،

فانفرد خواص اہل السنة...	اس لئے خواص اہل سنت..... تصوف
...باسم التصوف واشتهر هذا	کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری
الاسم لهؤلاء الاكابر قبل المائتين	صدی ہجری سے پہلے ان اکابر کے لئے
من الهجرة (رسالہ قشیریہ ص ۹)	اس نام کی شہرت ہوئی،

لفظ صوفی کے استعمال کے متعلق جامی کی نفحات الانس کا بیان اس سے زیادہ واضح ہے، اس میں شیخ ابو ہاشم صوفی کے متعلق جنھوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی ہے، مذکور ہے،

"اول کسے کہ ویرا صوفی خواندہ اند وے بود پیش از وے کسے را باین نام نخواندہ بودند"

(تذکرہ ابو ہاشم صوفی)

بایں ہمہ دوسری اور تیسری صدی میں وہ اکابر جن کی امتیازی شان زہد و عبادت سمجھی جاتی تھی، عموماً "الزاہد" اور "المتعبد" ہی کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، تیسری صدی کے بزرگوں میں سے شیخ ابو حمزۃ الصوفی ۲۶۹ھ کو الصوفی اور حضرت شیخ جنید بغدادی المتوفی ۲۹۷ھ کو شیخ الصوفیہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اور اسی زمانہ سے "الزاہد و المتعبد" کا لقب رفتہ رفتہ ترک ہوتا گیا، اور اس کی جگہ "الصوفی" نے لے لی،

پھر مصنف نے اکابر صوفیہ کے اقوال و تعبیرات سے تصوف کی حقیقت بتائی ہے، اور پھر آگے چل کر ان حقائق کی تطبیق کتاب و سنت سے دی ہے، اور عبادت و استعانت "قرب و معیت" "تنزلات ستہ" "خیر و شر" اور "یافت و شہود" کے عنوانات جداگانہ بابوں میں قائم کئے ہیں، اور ان میں ان موضوعوں کے دقائق و حقائق کو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور کتاب و سنت و اکابر امت کی تشریحات کی بنیادوں پر زمانۂ حال کی منطقی ترتیب فلسفیانہ طرز استدلال کے ساتھ دلنشین پیرایہ میں پیش کیا ہے، جس کا مقصود مصنف کے الفاظ میں "حصول مقام عبدیت مع الالوہیت اور یافت و شہود حق ہے" جس کا قدرتی نتیجہ محویت فی الحق اور یافت و شہود حق و خلق ہے"، اور آخر میں دکھایا ہے کہ جب عرفان کامل کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت و عشق کا جاذبہ بھی عارف کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے، تو "وہ اسی دنیا میں رہ کر جنت فردوس میں داخل ہو جاتا ہے، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (۳۰ع ۱۴) اور اپنی عبدیت کی تحقیق کے ساتھ ہی وہ جنت ذات میں داخل ہو جاتا ہے،"

ہر وقت چشمۂ قرب سے شراب محبت مین سرشار رہتا ہے، عیناً یشرب بھا المقربون (۱۲۳ و ۲۶ و ۲۸)

یہ تصنیف جدید علم کلام کے سلسلہ کی ایک اچھی کڑی کہی جا سکتی ہے جس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس کی بنیاد کسی یونانی فلسفہ کے سوال و جواب پر ہونے کے بجائے کتاب و سنت کے حقائق پر رکھی گئی ہے، ہم مصنف کو اس تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین، مقدمہ کے بعد والے باب کو "دوم" لکھنے کے بجائے "اول" قرار دینا تھا کہ مقدمہ تو کتاب کے ابواب سے جدا رہتا ہے،

معاہدۂ ہند و برطانیہ، از جناب سر سید سلطان احمد صاحب، حجم ۱۴۹ صفحے، تقطیع ۱۸×۲۲/۸،

کاغذ اور لکھائی چھپائی بہتر، قیمت :- عہ، پتہ :- نگارستان ایجنسی اردو بازار، دہلی،

جناب سر سید سلطان احمد صاحب نے وائسرائے کونسل کی ممبری کے زمانہ مین اپنی شخصی حیثیت سے ہندوستان کے سیاسی مسائل پر اس تصنیف میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا تھا، جس زمانہ مین ہندوستان کی سیاسیات مین تعطل جاری تھا، پہلی شملہ کانفرنس ہو چکی تھی، مصنف کے تخیل مین درجہ نوآبادیات کا آزاد ہندوستان تھا، اور اس کی اس حیثیت مین اس کو جن مسائل سے سامنا کرنا پڑتا، اس کتاب مین ان پر نظر ڈالی ہے، اور اپنی معقول تجویزین پیش کی ہین، مصنف کی نظر مین مستقبل کا ہندوستان جنوبی ایشیا کا سب سے بڑا باا‌ثر مملکت ہوگا، اس پر ایشیا مین امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ داری عائد ہوگی، اس سلسلہ مین مصنف نے ہندوستان کی مغربی، شمالی و مشرقی سرحدون کی آزاد و نیم آزاد حکومتون اور قبیلون پر نظر ڈالی ہے، ان سے ہندوستان کے موجودہ گوناگون تعلقات کی نوعیتون اور آئندہ قائم ہونے والے روابط کو دکھایا ہے، اور اپنی تجویزین پیش کی ہین، پھر ہندوستان کے تعلقات ایشیائی سلطنت روس و چین اور ایشیا مین اثرات رکھنے والی حکومت امریکہ سے دکھائے ہین، پھر برطانوی سلطنت اور ہندوستان کے آئندہ تعلقات کا ذکر آیا ہے، اور ان دونون پر جو جداگانہ فرائض عائد ہوتے ہین، ان کو بیان کیا ہے، آخر ہندوستان کی وحدت کی ضرورت اور وفاق ہند مین مستقبل کے ہندوستان کی نجات دکھائی ہے، اور یونین آف انڈیا

کا مجوزہ خاکہ پیش کیا ہے، اور ہندو برطانیہ کے تعلقات کو ایک معاہدہ کے ذریعہ سے طے کرنا اور ملک کے تعطل کو دور کرنے کا مشورہ دیا ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی کتاب انگریزی زبان میں تھی، ترجمہ کی زبان میں سلاست و روانی نہیں ہے، کتاب کا وہ حصہ زیادہ قابلِ قدر ہے جس میں ہندوستان کے تحفظ اور اس سلسلہ میں ہمسایہ حکومتوں کے تعلقات پر نظر ڈالی گئی ہے، مجوزہ یونین کے متعلق مصنف نے جو خیالات ظاہر کئے تھے، یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ۱۶ مئی کے وزارتی وفد کے اعلان میں تقریباً وہی خاکہ موجود ہے،

صد پارۂ دل، از جناب دل محمد صاحب ام اے، حجم ۲۰۶ صفحے، تقطیع فلسکیپ ½، قیمت ۳ر

پتہ:۔ خواجہ گلزار محمد صاحب، خواجہ بک ڈپو، موہن لال روڈ، لاہور،

جناب خواجہ دل محمد صاحب ایم اے سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور ہماری زبان کے کہنہ مشق شاعر ہیں، اُن کی قومی اسلامی اور اخلاقی نظموں کے مجموعے "دردِ دل" اور "آئینۂ اخلاق" قدر دانوں کے حلقہ میں مقبول ہو چکے ہیں، نیز "بھگوت گیتا" کا منظوم اردو ترجمہ ان کے قلم سے نکل کر ملک کے مختلف حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے، اب "صد پارۂ دل" کے نام سے ان کی پانسو رباعیوں کا مجموعہ شائع ہوا ہے، جناب سر شیخ عبد القادر صاحب نے اس مجموعہ کا "سرآغاز" لکھا ہے، جس میں خواجہ صاحب کے کلام کے خصوصیات دکھائے گئے ہیں، یہ مجموعہ رباعیوں کی معنوی خصوصیات کے لحاظ سے پانچ حصوں "میخانۂ عرفان" "طلسم شہود" "اسرار حقائق" "اعمال و اخلاق" اور "نیرنگ جذبات" کے عنوانوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اور ان میں سے ہر حصہ میں موضوع سے متعلق سو سو رباعیاں درج کی گئی ہیں، امید ہے کہ حضرتِ دل کا یہ تازہ تحفہ بھی قدر دانوں میں مقبولیت عام حاصل کریگا

فرعونی تاریخ، از جناب خواجہ حسن نظامی صاحب، تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶، قیمت ۳ر، پتہ:۔

دفتر لوح محفوظ، اردو لائبریری، دہلی،

”فرعونی تاریخ مصر کی قدیم سیاسی و تمدنی سرگذشت ہے، کتاب دو حصون مین ہے، پہلا حصہ ۲۰۰ صفحون پر مشتمل ہے، جو گویا قدیم مصری تصویرون کا ایک عکسی البم ہے، جس مین پہلی تصویر ”حضرت یوسف“ زلیخا کے گھر مین“ کے عنوان سے ہے، خواجہ صاحب نے اس تصویر کے شائع کرنے کا جواز یون نکالا ہو کہ ”یہ اُس زمانہ کی ہے جب کہ وہ پیغمبر نہیں ہوئے تھے، کیونکہ ”اصلی“ پیغمبری اپنے والد حضرت یعقوبؑ کی وفات کے بعد شروع ہوئی تھی“ (ص ۷) گویا ان علماء کے نزدیک پیغمبرون، اور اولیاے صالحین کی تصویرین کھینچنا یا شائع کرنا جائز ہے، انھون نے اس قسم کی کوئی شرط بھی لگا رکھی ہے، کہ وہ ان کے ”اصلی“ پیغمبر اور ولی ہو جانے کے بعد کی ہو، اسی طرح دوسرے حصہ کے دیباچہ مین خواجہ صاحب نے اس کتاب کو ”تاریخ مصر“ کے بجائے ”فرعونی تاریخ“ سے موسوم کرنے کی عجیب وجہ لکھی ہے، فرماتے ہین، ”مجھے اپنے خدا کی پیروی ضروری معلوم ہوتی ہے، جس کو فرعون نام سے ایسا لگاؤ ہے کہ قرآن مجید مین جگہ جگہ اُس نے فرعون کا ذکر کیا، لفظ مصر کا ذکر قرآن مجید مین بہت کم ہے، اور عربی مین کہاوت ہے، من احب شیئاً اکثر ذکرہ، جو جس چیز سے محبت رکھتا ہے اس کا بار بار ذکر کرتا ہے“ (دیباچہ حصہ دوم ص ۳ و ۴) یعنی بیک جنبشِ قلم فرعون بھی نعوذ باللہ ”محبوبِ الٰہی“ بن گیا، دوسرا حصہ ۲۰۰ صفحون پر مشتمل ہے، جس مین مصر کی قدیم سیاسی و تمدنی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اور مختلف بابون مین مصر کی بادشاہیون کے سیاسی حالات، مصر کے تمدن، علوم و آداب، عقائد و روایات، رسم و رواج، مصری آرٹ، صنعت و حرفت، فن تعمیر، غرض قدیم مصر کے ہر گوشہ پر نظر ڈالی گئی ہے، اور آخر مین ”مصری عجائب گھر“ کی سیر کرائی گئی ہے، مصری تمدن کی قدامت و اولیت وغیرہ کے مباحث مین وہ نظریئے قبول کئے گئے ہین جن کو مصر کے اہل علم نے قائم کیا ہے، نیز خواجہ صاحب نے جابجا مصری عقائد و مذہب کی مماثلت قدیم ہندوانہ عقائد و رسم و رواج سے بھی دکھائی ہے، کہین کہین طرز ادا محتاط مؤرخین کے طرزِ گفتگو سے علیحدہ ہے، بہرحال اردو مین یہ کتاب قدیم مصری معلومات کا بہترین مرقع ہے، اور اس لئے قدر افزائی کی مستحق ہے،

”س“

جلد ۵۹ ماہ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مارچ [illegible] ۱۹ء عدد ۳

مضامین

شذرات

ہندوستان، اس وقت انقلاب کے دروازے پر کھڑا ہے، کئی صدیون سے جو تاریخ جاری تھی، اب اس کے آخری صفحے بھی مرتب ہو جائین گے، خوشی کی بات ہے، کہ اس سیاسی انقلاب کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ مین ایک نئی روح دوڑانے کی امنگ بھی پیدا ہو چکی ہے، ابھی جنوری کے پہلے ہفتہ مین انڈین سائنس کانگرس کا ۳۴ وان سالانہ اجلاس دہلی مین منعقد ہوا جس مین سائنس کے مختلف شعبون کے ہندوستانی ماہرین کے علاوہ مختلف ملکون، روس، انگلستان، فرانس، امریکہ، اسٹریلیا، کناڈا اور چین کے ماہرین سائنس نے شرکت کی، اور اپنی تقریرون مین سائنٹفک ترقیون کے لئے ہندوستان کے درخشان مستقبل سے اپنی امیدین وابستہ دکھائین، اور صدر منتخب نے اپنے خطبہ مین ان عزمون کو بیان کیا جن کے بموجب سائنس کی ترقیون مین مستقبل کا ہندوستان اپنا حصہ ادا کرنے والا ہے، اور ملک کے سائنس دانون سے توقع ظاہر کی، کہ وہ اپنے سائنٹفک خدمات کو ہندوستان کی ترقی کا ذریعہ بنائینگے اور جدید سائنٹفک ادارون سے اس ملک کی ضرورتین پوری کرین گے،

اسی طرح ہندوستان کا موجودہ نظام تعلیم بھی ایک انقلابی دور سے گذر رہا ہے، سب سے اہم مسئلہ تعلیم کی زبان کا ہے، شکر ہے کہ اب اس مسئلہ پر نظری حیثیت سے گفتگو کرنے کا دور ختم ہو چکا، انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے سب سے پہلا کالج ۱۸۳۳ء مین بمبئی مین قائم کیا گیا تھا، اور ۱۸۳۵ء مین کلکتہ کے میڈیکل کالج کی بنا پڑی، اور اس وقت سے آج تک اس ملک مین سرکاری تعلیم کی زبان انگریزی رہی، اس یک صدسالہ دور کا جو کچھ تعلیمی تجربہ ہے، ہمین اس سے فائدہ اٹھانا ہے، اس سے انکار نہین کیا جا سکتا، کہ انگریزی کے ذریعہ تعلیم ہونے سے ملک کو نفع اور نقصان دونون پہنچا، مگر اب جب کہ خالص ملکی حکومت ہو گی، اور ہماری ملکی زبان مین نئے سے نئے علوم کو پڑھانے کے ذرائع و وسائل مہیا ہو چکے ہین، اور جامعہ عثمانیہ مین اس کا عملی تجربہ بھی کیا جا چکا ہو تو انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنائے رکھنے کے وہ بنیادی دلائل بھی باقی نہین رہ گئے، جو لارڈ میکالے اور ولیم بنٹنک نے پیش کئے تھے، ایسی صورت

میں اب انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنائے رکھنا کوئی مناسب بات نہیں کہی جاسکتی تھی، خوشی کی بات ہے، کہ مرکزی حکومت ہند کے نئے وزیر تعلیم نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی اس اہم مسئلہ پر توجہ کی چنانچہ اس کو حل کرنے کے لئے وہ مختلف صوبون کے وزراے تعلیم، اور یونیورسٹیون کے ماہرین کو مشورہ کے لئے جمع کرنے والے ہین، اور توقع ہے کہ سال روان یا آیندہ سال سے ملکی زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیدیا جائے اور ہندوستانی طلبہ جو ایک سو برس سے علوم کی تحصیل اجنبی زبان مین کرتے آئے ہین، اس بار سے سبکدوش ہو جائین، اور وہ مختلف علوم کی تحصیل اپنی ملکی زبان مین کر سکین، اور انگریزی زبان کی تحصیل کو ایک معیاری ادبی زبان کی حیثیت سے برقرار رکھ سکین، امید ہے کہ ہندوستان کے ہر طبقہ کی طرف سے یہان کے نظام تعلیم مین اس خوشگوار تبدیلی کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے گا،

ہمارے لئے اس سے بھی زیادہ باعثِ مسرت یہ ہے کہ مرکزی حکومتِ ہند کے محکمۂ تعلیم کی زمام ایک صاحبِ علم و فضل شخصیت کے ہاتھون مین آجانے کی وجہ سے ہماری عربی و فارسی تعلیم کا مسئلہ بھی حکومت کے زیرِ توجہ مسائل کی فہرست مین داخل ہوگیا ہے، اور صوبۂ متحدہ اس سلسلہ کی مساعی کے لئے جولانگاہ قرار پایا ہے کہ درحقیقت یہی صوبہ ہندوستان کی عربی درسگاہون کا مرکز ہے، یہان جو تبدیلیان رونما ہون گی، وہ سارے ہندوستان کی عربی درسگاہون کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکین گی، ابھی ۲۲ر فروری ۴۸ء کو عربی و فارسی کمیٹی کا جو اجلاس لکھنؤ مین منعقد ہوا، اور اس مین جو ماحول نظر آیا، وہ ہمارے لئے بہت کچھ حوصلہ افزا ہے، اس اجلاس مین ملک کی اہم درسگاہون کے روحِ روان حضرات نے عملی شرکت فرمائی، اور ہندوستان مین عربی تعلیم کی اصلاح و تجدید کے مسئلہ پر اپنے قیمتی مشورے دیئے،

مولانا آزاد نے اپنے خطبۂ صدارت مین نصابِ تعلیم کی اصلاح پر سب سے زیادہ توجہ فرمائی، جیسا کہ مولانا موصوف نے فرمایا، یہی دعوت تھی، جو آج سے پچاس برس پہلے **ندوۃ العلماء** کی تحریک کے نام سے ملک مین پیش کی گئی تھی، اور بحمد اللہ کہ اس پچاس برس مین خواہ زبان سے اس دعوت کی قبولیت کا اقرار نہ کیا گیا ہو، مگر عملی طور پر اس کی صداے بازگشت سے ہمارے عربی مدارس کے حجرے خالی نہین رہے، آج عربی مدارس کا نصابِ تعلیم بہت کچھ بدل چکا ہے، غیر ضروری علوم کی منتہی کتابین درس سے خارج کی جا چکی ہین، علومِ آلیہ کو آلہ و وسیلہ کی حیثیت سے پہچانا جا چکا ہے، پھر عربی علم ادب اور دوسرے نئے علوم کو مدرسون مین کسی کے ساتھ سہی روشناس کیا جا چکا ہے،

یہی وجہ ہو کہ اس اجلاس کے خطبۂ صدارت کے جواب میں علماے کرام کی جانب سے جو تقریریں کی گئیں، وہ بھی امید افزا ہیں کہ درحاصل اب اس کی ضرورت سے انکار کرنے کا دور گذر چکا، صالح زمین تیار ہو چکی ہے، صرف توجہ اور انہماک سے بے جھجک کام کرنے کی ضرورت ہے، جن اصلاحات کا رائج ہونا باقی رہ گیا ہے، ان کو رائج کیا جائے، اور جہاں طلبہ پر غیر ضروری کتابوں کا بار اب بھی باقی رہ گیا ہو اس کو ہلکا کیا جائے، اور دینی علوم و فنون کے ساتھ عربی ادب و نقد و بلاغت کی مکمل تعلیم دی جائے، اور نصاب میں تاریخ، جغرافیہ، جدید فلسفہ، جدید ہیئت، ریاضی اور سائنس کے ضروری ابتدائی معلومات، اور مطالعۂ فطرت (نیچر اسٹڈی) کے مضامین بڑھائے جائیں، اور نئے علوم و فنون میں بصیرت حاصل کرنے کے لئے انگریزی ادب کو زبان ثانی کے طور پر پڑھایا جائے، اس طرح عربی تعلیم کے نصاب اور مدارس کے نظام کو ایک ایسے قالب میں لایا جائے کہ وہاں کے فارغ التحصیل علما ہمارے دور حاضر کی دینی، ملی، علمی، تعلیمی اور تمدنی ضرورتوں کے لئے مفید ہو سکیں، امت کی صحیح رہنمائی کے فرائض انجام دے سکیں، صوبۂ متحدہ کی عربی فارسی کمیٹی سے ہماری بہتر توقعات وابستہ ہیں، دعا ہے کہ اس کے ارکان یکجہتی سے اس مسئلہ پر غور و فکر فرمائیں، اور باہمی صلاح و مشورہ سے مفید تجویزیں مرتب کریں، اور ان کو نفاذ اور عمل میں لانے کے لائق بنا سکیں،

اسی طرح بنگال اور سندھ کے صوبوں میں نئی یونیورسٹیوں کے قیام کی تجویزیں بھی درپیش ہیں، ان صوبوں میں سیاسی صورت حال نے مسلمانوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا ہے، امید ہے کہ یہ نئی یونیورسٹیاں تعلیم کے نئے خاکے اور نئی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر قائم کی جائیں گی،

حکومت ہند کے تازہ فیصلہ کے مطابق اردو کے گہوارہ لکھنؤ کے ریڈیو اسٹیشن سے اردو زبان کے نشریات کا حصہ صرف ۴۰ فیصدی اور ہندی کا ۶۰ فی صدی ہوگا، اس فیصلہ کے ناموزوں ہونے کی آواز مستحکم دلائل کے ساتھ ملک کے مختلف ذمہ دار حلقوں کی طرف سے اٹھائی جا چکی ہے، حقیقت یہ ہو کہ حکومت کا یہ فیصلہ خود اس کے قائم کئے ہوئے ان اصولوں کے بھی خلاف ہو، جن کی روشنی میں اس فیصلہ تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے، اس میں نہ تو متعلقہ علاقوں کی زبان کی "حیثیت و اہمیت" کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور نہ اسٹیشن کی "لسانی حیثیت" کا کہ لکھنؤ بہرحال وہ "محل وقوع" ہے "جہاں اس زبان کی توسیع و ترقی ہوئی ہے" ان حالات میں ایسے فیصلہ کا اعلان کرنا حد درجہ حیرت انگیز اور بڑی جسارت کا کام ہے، ضرورت ہے، کہ حکومت ہند جلد سے جلد اس پر نظر ثانی کرے کہ اس کا دامن اردو، اور اس کے مرکز لکھنؤ کی ادبی و لسانی عظمت کو مٹانے کے الزام سے بری رہے،

مقالات

کچھ "فتاویٰ تاتارخانیہ" کے متعلق

از

سید ریاست علی ندوی

معارف بابت ماہ فروری ۱۹۳۲ء میں ایک مقالہ "خان اعظم تاتارخاں اور اس کی یادگار علمی خدمات"، کے عنوان سے شائع ہوا تھا، ان دنوں راقم السطور کے مقالات کا ایک مجموعہ "عہد اسلامی کا ہندوستان" کے نام سے زیر ترتیب ہے جس میں ایسے مقالات جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے ہندوستان کے اسلامی دور کی تاریخ سے وابستہ ہے یکجا کئے گئے ہیں، اور ان کو مباحث و معلومات کے زمانہ کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے،

یہ مقالات ۲۶ء سے ۴۶ء تک میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں، اس بیس برس کی مدت میں بہت سے ایسے نئے مآخذ چھپ کر سامنے آئے جو ان مضامین کی تسوید کے وقت تک چھپے نہیں تھے یا ہمارے کتبخانہ میں آ نہ سکے تھے، اس لئے ان پر نظر ثانی کرنے کے سلسلہ میں ان نئے مآخذ سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت پیش آئی، اس سلسلہ میں مذکورہ بالا مقالہ "خان اعظم تاتارخاں ....، پر بھی نظر ثانی کا موقع ہاتھ آیا، تو اس میں "فتاویٰ تاتارخانیہ"، کا ذکر تشنہ نظر آیا، ذیل کی سطروں میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

مقالہ "خان اعظم" میں فتاویٰ تاتارخانیہ کے متعلق جو کچھ ذکر آیا ہے۔ وہ صرف قاضی شمس سراج

عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے ماخوذ تھا، اور بانکی پور کی مجمل فہرست مخطوطات "مفتاح الکنوز الخفیہ" اور رام پور کی مجمل فہرست کتب عربی کے حوالہ سے صرف یہ اجمالاً عرض کیا گیا تھا کہ اس کے نسخے بانکی پور اور رام پور میں موجود ہیں، اس کے بعد بانکی پور کی فہرست مخطوطات کی انیسویں جلد ۱۹۳۵ء میں چھپ کر آئی جس میں فقہی مخطوطات کا ذکر تفصیل سے آیا ہے اسی طرح مولانا عبدالحی مرحوم کی نزہۃ الخواطر ۱۳۵۰ھ میں طبع ہوئی، پھر خدیویہ مصر اور بعض دوسرے کتب خانوں کی فہرست مخطوطات کا اضافہ ہمارے کتب خانہ میں ہوا، ان میں سے خصوصاً اول الذکر دونوں کتابوں سے فتاوی تاتارخانیہ کے متعلق بعض نئے معلومات روشنی میں آئے،

قاضی شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں فتاوی تاتارخانیہ کا تذکرہ تفسیر تاتارخانیہ کے ساتھ اس کے ذیل میں کیا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"تفسیر تاتارخانی کہ درجہان مشہورست آں تفسیر جمع کردۂ تاتارخاں بود چنیں گویند راویان روایت وحاکیان حکایات کہ تاتارخاں خواست کہ تفسیرے مفصل مرتب کند تمام تفاسیر جمع کنانیدہ جماعۂ علمائے حاضر گردانیدہ، در ہر آیتے وکلمہ آں قدر مفسران گذشتہ کہ اختلاف نوشتہ بودند برائے تالیف تفسیر بدل وجان درنشست و در یک اختلاف حوالہ بداں صاحب تفسیر کردہ گوئی جملہ تفاسیر در یک تفسیر جمع گردانیدہ چوں آں تفسیر مرتب گشتہ تاتارخاں آں تفسیر را تفسیر تاتارخانی نام داشتہ، وہمچنیں خان اعظم تاتارخاں یک فتویٰ درست کنانیدہ وآں بریں نوع بود کہ جملہ نسخ فتاوی مشہور بر خویش جمع کرد وہر مسئلہ و ہر کلمہ کہ اختلاف ہر یک مفتی ست در فتاوی خود نوشتہ وآں را فتاوی تاتارخانی نام داشتہ و در ہر اختلاف ہر یک مفتی حوالہ بصاحب آں فتاوی کردہ این چنیں فتاوی موازنہ سی جلد مرتب شدہ"[1]

عفیف کے اس بیان سے یہ چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں:۔

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۹۲،

۱۔ فتاویٰ کی ترتیب وتدوین کی خدمت بھی، تفسیر تاتارخانیہ کی طرح ایک جماعت علما نے انجام دی،

۲۔ خان اعظم تاتارخاں نے خاص طور پر اس خدمت کے لئے جماعت علمار کو مقرر کیا،

۳۔ یہ کتاب تصنیف پاکر "فتاویٰ تاتارخانیہ" سے موسوم ہوئی،

حاجی خلیفہ نے بھی اس کتاب کا ذکر اپنی کشف الظنون میں کیا ہے، مگر اس کا بیان عنفیت کی مذکورۂ بالا تصریحات کے خلاف ہے، وہ لکھتا ہے،

"تاتارخانیہ" فی الفتاوی	تاتارخانیہ، فتاویٰ میں امام فقیہ عالم بن علا
للامام الفقیہ عالم بن علاء	حنفی کی تصنیف ہے، یہ ایک ضخیم کتاب کئی
الحنفی وھو کتاب عظیم فی	جلدوں میں ہے، ۔ ۔ ۔ اور اس میں خان اعظم
مجلدات ...... وذکر انہ	تاتارخاں کے ایما سے مرتب ہونے کا ذکر آیا ہے
اشار الی جمعہ الخان الاعظم	اور چونکہ کتاب کو کسی نام سے موسوم نہیں کیا گیا
تاتارخان ولم یسمہ ولذلک	ہے، اس لئے اس تذکرہ کی وجہ سے تاتارخانیہ
اشتھر بہ وقیل انہ سماہ	کے نام سے مشہور ہوگئی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ
زاد المسافر[1]	مصنف نے اس کو زاد المسافر کے نام سے
	موسوم کیا تھا،

پھر آگے چل کر "زاد المسافر" کے تحت میں یقین کے ساتھ لکھتا ہے،

"زاد المسافر فی الفروع"

وھو المعروف بالفتاوی	زاد المسافر فقہ میں ہے، یہ فتاویٰ تاتارخانیہ
التاتارخانیہ لعالم بن علاء الحنفی	کے نام سے موسوم ہے، عالم بن علار حنفی

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۱۸،

المتوفی سنة ست وثمانین ومائتین[1] متوفی ۲۹۶ھ کی تصنیف ہے،

شیخ عالم بن علار حنفی کا ذکر نزہۃ الخواطر میں گلزار ابرار (تصنیف مولوی محمد غوثی) کے حوالہ سے آیا ہے، اس میں مذکور ہے:۔

الشیخ الامام العالم الکبیر فرید الدین	شیخ امام عالم جلیل فرید الدین عالم
عالم بن العلاء الحنفی الاندرپتی	ابن علار حنفی اندرپتی فقہ اصول اور عربی
احد العلماء المبرزین فی الفقه	کے علمائے ماہرین میں سے تھے، فقہ
والاصول والعربیة له الفتاوی	میں ان کی ایک کتاب تاتارخانیہ ہے،
التاتارخانیة فی الفقه المسمی	جس کو انھوں نے زاد السفر سے موسوم
بزاد السفر صنفه فی سنة سبع و	کیا ہے، اس کو انھوں نے ۷۷۷ھ[2] میں
سبعین وسبعمائة للامیر الکبیر	تالیف کیا اور امیر کبیر تاتارخان کے نام
تاتارخان وسماه باسمه و	سے معنون کیا، فیروز شاہ کی خواہش تھی
کان فیروزشاہ یرید ان یسمیه	کہ یہ کتاب اس کے نام سے معنون ہو لیکن
باسمه فلم یقبله لصلات	مصنف اور تاتارخان کے درمیان جو خلصانہ
کانت بینه وبین تاتارخان[3]	روابط قائم تھے، ان کی وجہ سے مصنف
	نے اس کو قبول نہیں کیا،

---

[1] کشف الظنون جلد ۲ ص ۳ [2] یہ ظاہر ہے کہ عالم بن علار کا سال وفات ۲۸۶ھ یہاں غلط درج ہو گیا ہے زمانہ کے اعتبار سے اس کو ۶۸۶ھ ہونا چاہیے، معلوم ہوتا ہے یہ لفظی مسامحت نقل در نقل سے کشف الظنون میں بھی آگئی ہے [3] فتاویٰ تاتارخانیہ کا سال تصنیف ۷۷۷ھ قرار دینا محل نظر ہے کیونکہ تاتارخان کا سانحۂ وفات جیسا اس کے سوانح میں درج ہو چکا ہے، ۷۵۲ھ سے پہلے پیش آچکا تھا [4] نزہۃ الخواطر ص ۹۰

ان اقتباسات بالا سے ظاہر ہوا کہ

۱۔ تاتارخانیہ کی ترتیب کی خدمت ایک ہندوستانی عالم شیخ فریدالدین عالم بن علاء کے ہاتھون انجام پائی، نہ کہ علماء کی کسی جماعت نے تاتارخان کے ایما سے اس کے اہتمام مین اس کو مرتب کیا ہے۔

۲۔ بلکہ صاحب گلزار ابرار کے فحواے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تصنیف کی تدوین ایسے شخصی اور انا دانہ طریقہ سے عمل مین آئی، کہ اگر مصنف چاہتا تو فیروز شاہ کی خواہش کے بموجب اس کو تاتارخان کے بجاے اس کے نام سے معنون کرتا، اس طرح تاتارخان سے اس کتاب کا تعلق محض براے نام رہجاتا ہے۔

۳۔ اس کتاب کا نام فتاوی تاتارخانیہ اصل نام نہین ہے، جس سے اس کو مصنف نے موسوم کیا ہو، بلکہ اس مین تاتارخان کے ذکر کے آنے کی وجہ سے اس نام سے اس کی شہرت ہوگئی ہے۔

۴۔ اس کا نام حاجی خلیفہ کے بیان کے مطابق زاد المسافر اور صاحب گلزار ابرار کی روایت کے بموجب زاد السفر رکھا گیا ہے۔

قاضی شمس سراج عفیف، حاجی خلیفہ، اور صاحب گلزار ابرار کے ان بیانون مین جو اختلافات ہین، ان کی تصحیح فتاوی تاتارخانیہ کے اصل نسخہ سے بہت کچھ ہوسکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ رامپور، حیدرآباد اور مصر کی فہرستین بالکل مجمل ہین، خدیویہ مصر کی فہرست مین مرتب نے صرف کشف الظنون کی عبارت نقل کردی ہے، ان فہرستون مین اصل نسخہ کے حوالہ سے اس کتاب پر کوئی روشنی نہین ڈالی گئی ہے، لیکن خوشی کی بات ہے، کہ کتب خانہ مشرقی بانکی پور کے فہرست نگار نے اپنا فرض ادا کیا ہے، اور اصل نسخہ سے مدد لے کر اس کتاب کے متعلق معلومات فراہم کئے ہین، اس سلسلہ مین فتاوی تاتارخانیہ کے مقدمہ کی ایک عبارت خاص طور پر مفید مطلب ہے، مقدمہ مین مذکور ہے:۔

اما بعد فقد اشار الی........	مجھے اس کی تالیف کے لئے خان اعظم تاتار
الخان الاعظم تاتارخان... طقد	خان نے اشارہ کیا ہے..... اور مین نے اللہ

سألت الله ان اتشمر لجمع کتاب	دعا کی کہ کتاب فتاویٰ کو جمع کرنا شروع
الفتاوی ..... ولاجوم تشبثت فی	کروں ..... چنانچہ میں کتابوں کے جمع کرنے
جمع الکتاب ورتبت ابوابه علی	میں لگا، اور اس کے ابواب ہدایہ کی ترتیب
ترتیب الهدایه وسمیته بالفتاوی	پر قائم کئے، اور اس کو میں نے فتاویٰ تاتار
التاتارخانیه، ؎	خانیہ سے موسوم کیا،

مقدمہ کی اس عبارت میں اگرچہ مصنف نے اپنا نام نہیں لیا ہے، مگر زیر بحث امور میں سے چند باتیں صاف ہوجاتی ہیں،

۱۔ فتاویٰ کے جمع و ترتیب کی تحریک خان اعظم تاتارخان کی طرف سے ہوئی، اور اسی کے ایما و ہدایت کے مطابق اس کی ترتیب عمل میں آئی،

۲۔ اس کا نام نہ زاد المسافر رکھا گیا، اور نہ زاد السفر، بلکہ اس کو فتاویٰ تاتارخانیہ ہی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا، نہ کہ محض اس نام سے اس کی شہرت ہوگئی ہے،

لیکن پھر زاد المسافر یا زاد السفر سے اس کے موسوم کئے جانے کی روایت کہاں سے چلی تو سردست اس کا پتہ لگانا دشوار ہے، آیندہ اگر شیخ عالم بن علاء کے مزید سوانح اور ان کی تصنیفات کا سراغ لگ سکا تو شاید یہ مشکل حل ہوجائے،

۳۔ مقدمہ کی اس عبارت سے اس روایت کا بے اصل ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ فیروز شاہ نے اس کو اپنی طرف منسوب کرنا چاہا، مگر مصنف اس پر آمادہ نہیں ہوا، کہ در اصل مصنف کو اس کتاب کی ملکیت کا آزادانہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ اگر چاہتا تو تاتارخان کے بجائے فیروز شاہ سے اس کو منسوب کردیتا، پھر فیروز شاہ کی طرف سے کسی ایسی خواہش کا ظاہر ہونا اس کے شاہانہ وقار سے فروتر تھا،

؎ فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹ ص ۱۲

اور اگر وہ خواہش ظاہر ہو چکی ہوتی، تو خان اعظم تاتارخان کا تعلق اس تصنیف سے جس نوعیت کا تھا، اور دوسری طرف فیروز شاہ اور تاتارخان کے درمیان جیسے مخلصانہ مراسم تھے، ان امور پر نظر رکھ کر تاتارخان کے اخلاق سے یہ بعید تھا، کہ وہ اپنے آقا کی خاطر اتنا معمولی سا ایثار بھی گوارا نہ کر لیتا،

اس لئے اس روایت کو ایسی افواہوں میں شمار کرنا چاہئے جو کسی کتاب یا مصنف کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے مشہور ہو جاتی ہیں، اور صاحب گلزار ابرار نے اسی قسم کی ایک افواہ کو بے سند اپنی تصنیف میں قبول کر لیا ہے،

باقی رہا یہ سوال کہ یہ شیخ عالم بن علاء کی تصنیف ہے، یا علماء کی ایک جماعت نے مل کر اس کو مرتب کیا ہے، تو اس میں کچھ زیادہ پیچیدگی نہیں ہے، اگرچہ مقدمہ میں جامع فتاوی نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا ہے لیکن عبارت میں اپنا ذکر بصیغۂ واحد لایا ہے، پھر بانکی پور کے کتب خانہ میں ایک نسخہ پر یہ بھی مکتوب ہے کہ

نقل عالم بن علاء الهندي في الفتاوى التاتارخانية[1] — عالم بن علاء ہندی نے فتاوی تاتارخانیہ میں نقل کیا ہے،

اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس زمانہ میں اہل علم کے درمیان جن میں یہ کتاب متداول تھی اس کے جامع کی حیثیت سے عالم بن علاء ہندی کا نام معروف تھا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ تیس جلدوں کی ضخیم کتاب کی تیاری کا کام تھوڑی مدت میں کسی ایک شخص کی تنہا خدمت سے انجام پانا دشوار ہے اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ قاضی شمس سراج عفیف کے بیان کے مطابق اس خدمت کو علماء کی ایک جماعت نے انجام دیا ہوگا، اور جمع و ترتیب کی آخری ذمہ داری شیخ عالم بن علاء اندپتی کے سپرد اسی طرح ہوگی، جیسے کہ فتاوی عالمگیریہ کی ترتیب کی ذمہ داری شیخ نظام کے

---

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور جلد ۱۹ ص ۱۱۲

کے سپرد تھی اس لئے شیخ عالم بن علا، اندر پتی کو دور حاضر کی اصطلاح میں مرتب کہا جا سکتا ہے، اور مقدمہ کی عبارت بھی انہی کے قلم کی بھی جا سکتی ہے، اس لئے اگر اس تصنیف کی نسبت ان کی طرف کی جائے، تو کوئی ناموزون بات بھی نہیں ہے،

الغرض فقہ کا یہ عظیم الشان کارنامہ خانِ اعظم تاتارخان کے علمی و دینی شغف سے عالم وجود میں آیا، اس کے اہتمام میں اور اس کے مصارف سے یہ تصنیف تیار ہوئی، اور ترتیب و تدوین کی خدمت شیخ عالم ابن علا، اندرپتی کی نگرانی میں علمار کی ایک جماعت کی معاونت سے اتمام کو پہنچی،

آخذ اور کتاب کی ترتیب | حاجی خلیفہ نے فتاویٰ تاتارخانیہ کے مآخذ اور کتاب کی ترتیب کا بھی تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

جمع فیہ مسائل المحیط البرھانی	اس میں محیط برہانی، ذخیرہ، خانیہ اور
والذخیرۃ والخانیۃ والظھیریۃ	ظہیریہ کے مسائل جمع کئے ہیں، اور المحیط
وجعل المیم علامۃ للمحیط	کے لئے میم کی علامت مقرر کی ہے اور بقیہ
وذکر اسم الباقی وقدم بابا فی	کے نام لکھے ہیں، اور شروع میں ایک
ذکر العلم ثم رتب علی ابواب	باب علم کے بیان میں لکھا ہے اور ہدایہ
الھدایۃ	کے ابواب کے مطابق کتاب مرتب کی ہے،

حاجی خلیفہ نے اپنی عام روش کے خلاف کتاب کے ابتدائی جملے نقل کئے ہیں، اور نہ باب العلم سے پہلے جو مقدمہ منسلک ہے، اس کا تذکرہ کیا ہے، بانکی پور کی فہرست میں کتاب کے نسخہ میں آغاز کتاب کے حسب ذیل فقرے نقل کئے گئے ہیں،

"الحمد للہ الذی صیر الفقھاء انجما للاھتداء وجعل ربنا علی ما صنع

ملہ کشف الظنون ج ۱ ص ۲۱۱،

علینا من العطاء انتہی[5]"

اسی طرح مقدمہ سے اخذ کرکے اس کتاب کے مآخذ مین ۲۰ کتابون کے صرف نام درج کئے ہین، لیکن نہ ان کتابون کے مصنف کے نام لکھے گئے ہین، اور نہ ان کے زمانہ کی تعیین کی گئی ہے، اسی طرح کشف الظنون مین بعض کتابون کے ضمن مین ذکر آیا ہے، کہ اس کا حوالہ تاتارخانیہ مین آیا ہے، مگر خود تاتارخانیہ کے مقدمہ مین جو فہرست ہے اسمین اس کتاب کا نام موجود نہین، اور نہ حاجی خلیفہ نے خود جہان تاتارخانیہ کا ذکر کیا ہے وہان اس کتاب کو اس کے ماخذ مین شمار کیا ہے، بہرحال تاتارخانیہ کے ماخذ کی فہرست ان کے مصنفین کے نام، ان کا یا اُن کی تصنیف کا زمانہ اور کتابون کے قلمی یا مطبوع صورت مین موجود ہونے کی تصریح حسب ذیل ہے،

۱۔ المحیط کے نام سے زیادہ معروف محیط سرخسی ہے، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ تاتارخانیہ کے ماخذ مین المحیط البرہانی رہی ہے جس کی تائید حاجی خلیفہ کی تصریح سے بھی ہوتی ہے، یہ صاحب ذخیرۃ الفتاوی برہان الدین محمود بن تاج الدین احمد بن عبدالعزیز الصدر الشہید المتوفی ۶۱۶ھ کی تصنیف ہے، اس کا نسخہ خدیویہ مصر مین نمبر ۱۷ کے نشان کے ساتھ موجود ہے، اور جیسا کہ حاجی خلیفہ کا بیان اوپر گذرا، یہ تاتارخانیہ کے اہم ماخذ مین رہی ہے، اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا گیا ہے اس لئے حوالہ میں اس کا نام بار بار لکھنے کے بجائے اس کے لئے میم کی علامت اختیار کی گئی ہے،

۲۔ ذخیرۃ الفتاوی شیخ برہان الدین المتوفی ۶۱۶ھ موصوف کی یہ دوسری کتاب ہے جو ماخذ مین رہی ہے، اس کے نسخے خدیویہ مصر (ج ۲ ص ۵۱) اور بانکی پور (نمبر کتاب ۱۲۷۵، جلد ۱۵ ص ۱۶۰) مین موجود ہین،

۳۔ فتاوی ظہیریہ، تصنیف ظہیرالدین ابوبکر محمد بن احمد القاضی المحتسب بخارا المتوفی ۶۱۹ھ۔

---

[5] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۵ ص ۱،

(موجود در بانکی پور نمبر ۸۷۰، وحیدرآباد)

۴۔ فتاوی خانیہ معروف بہ فتاوی قاضی خان، تصنیف فخرالدین ابوالمحاسن حسن بن منصور اوزجندی فرغانی المتوفی ۵۹۲ھ (مطبوع)

۵۔ کتاب الخلاصہ: تصنیف افتخار الدین طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری المتوفی ۵۴۲ھ (موجود بانکی پور نمبر ۱۶۱۶، وخدیویہ ج ۲ ص ۱۳۲)

۶۔ جامع الفتاوی:۔ تصنیف ناصرالدین ابوالقاسم محمد بن یوسف سمرقندی متوفی ۵۵۶ھ (موجود خدیویہ مصر ص ۲۲)

۷۔ جامع الفقہ معروف بالفتاوی العتابیہ، تالیف ابونصر احمد بن محمد عتابی بخاری متوفی ۵۸۶ھ (خدیویہ ج ۲ ص ۲۲)

۸۔ فتاوی سراجیہ کے نام سے تین مصنفین کی کتابیں ہیں، ایک سراج الدین عمر بن اسحاق المعروف بہ سراج ہندی المتوفی ۷۷۳ھ کی ہے، دوسری ابوطاہر محمد بن محمد کی طرف منسوب ہے، تیسری سراج الدین علی بن عثمان اوسی فرغانی کی ہے، جو ۵۶۹ھ میں ترتیب پائی، غالباً موخرالذکر مصنف کی کتاب تاتارخانیہ کے مآخذ میں رہی ہے، بانکی پور، خدیویہ اور دارالمصنفین میں اس کے نسخے موجود ہیں، کلکتہ اور لکھنؤ سے ۱۲۸۳ھ اور ۱۲۹۳ھ میں طبع ہو چکی ہے،

۹۔ الحجہ کے نام سے افسوس ہے کہ فقہ حنفی میں کسی ایسی کتاب کا پتہ نہیں چلا، جو آٹھویں صدی ہجری تک تصنیف پا چکی ہے، اور اس کو تاتارخانیہ کے مآخذ میں سمجھا جائے۔

۱۰۔ فتاوی غیاثیہ:۔ تالیف شیخ داؤد بن یوسف خطیب، یہ سلطان غیاث الدین کے لئے تالیف پائی تھی، خدیویہ مصر اور دارالمصنفین میں اس کے نسخے موجود ہیں، ۱۳۲۲ھ میں بولاق سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے،

۱۱۔ التہذیب کے نام سے دو کتابیں فقہ میں ہیں لیکن وہ دونوں شافعی فقہاء کی لکھی ہوئی ہیں، اور بظاہر تاتارخانیہ کے مآخذ میں نہیں ہیں، فقہ حنفی میں ایک کتاب تہذیب لذہن اللبیب فی الفروع ہے، کشف الظنون میں مذکور ہے، کہ یہ ذخیرۃ الفقہاء سے بھی موسوم ہے، (ج ۱ ص ۳۵۲) لیکن ذخیرۃ الفقہاء نام کی کسی کتاب کا ذکر آگے چل کر اس میں موجود نہیں، البتہ ذخیرۃ الفتاوی سے موسوم ایک کتاب علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن نصیر الدین ملکان البرقوانی کی ہے، مصنف کا زمانہ تاتارخانیہ سے متقدم سمجھا جاسکتا ہے، اس لئے اگر التہذیب سے یہ کتاب مراد ہوسکتی ہے، تو یہ مآخذ میں سمجھی جاسکتی ہے،

۱۲۔ التجرید کے نام سے دو کتابیں ہیں، ایک رکن الدین عبد الرحمن بن محمد المعروف بابن امیر و بید کرمانی متوفی ۵۴۲ھ کی ہے، مصنف نے خود اس کی شرح ایضاح کے نام سے لکھی تھی، پھر شمس الائمہ تاج الدین عبد الغفار بن لقمان متوفی ۵۶۲ھ نے بھی المفید والمزید کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے، دوسری کتاب تجرید القدوری کے نام سے معروف ہے، یہ امام ابوالحسین احمد بن محمد متوفی ۴۲۸ھ کی تصنیف ہے لیکن اول الذکر کتاب کا مآخذ میں ہونا زیادہ ممکن ہے،

۱۳۔ نوازل فی الفروع امام ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ[1] کا مشہور

---

[1] امام ابواللیث سمرقندی کے سال وفات میں اختلافات ہیں، مدینۃ العلوم میں ماہ جمادی الاخری ۳۹۳ھ درج ہے، ملا علی قاری نے اپنی طبقات میں ۳۷۳ھ لکھا ہے، قاضی عیاض نے اپنی شرح الشفا میں ۳۷۳ھ درج کیا ہے، صاحب کشف الظنون نے مختلف کتابوں کے تحت میں مختلف جگہ ان کا ذکر کیا ہے، اور مختلف سنین ۳۷۵ھ (ذکر تفسیر القرآن) ۳۷۳ھ (ذکر شرح الجامع) ۳۸۳ھ (ذکر خزانۃ الفقہ) درج کئے ہیں، کفوی نے ۳۷۳ھ لکھا ہے۔ (الفوائد البہیہ ص ۹۲) اسی طرح خدیویہ مصر کی فہرست میں نوازل کے ذکر میں متوفی ۳۹۳ھ (جلد ۳ ص ۱۴۴) اور خزانۃ الفقہ کے تذکرہ کے موقع پر ۳۷۳ھ ہجری لکھا ہے، (جلد ۲ ص ۴۳) ہم نے آخر سے آخر ۳۹۳ھ کو بلا ترجیح اختیار کر لیا ہے،

(موجود در بانکی پور نمبر ۶، ۷۷، وحیدرآباد)

۴۔ فتاویٰ خانیہ معروف بہ فتاویٰ قاضی خان، تصنیف فخرالدین ابوالمحاسن حسن بن منصور اوزجندی فرغانی المتوفی ۵۹۲ھ (مطبوع)

۵۔ کتاب الخلاصہ: تصنیف افتخارالدین طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری المتوفی ۵۴۲ھ

(موجود بانکی پور نمبر ۱۶۱۶، وخدیویہ ج ۲ ص ۱۳۲)

۶۔ جامع الفتاویٰ:۔ تصنیف ناصرالدین ابوالقاسم محمد بن یوسف سمرقندی متوفی ۵۵۶ھ

(موجود خدیویہ مصر ص ۳۲)

۷۔ جامع الفقہ معروف بالفتاویٰ العتابیہ، تالیف ابونصر احمد بن محمد عتابی بخاری متوفی ۵۸۶ھ

(خدیویہ ج ۲ ص ۴۴)

۸۔ فتاویٰ سراجیہ کے نام سے تین مصنفین کی کتابیں ہیں، ایک سراج الدین عمر بن اسحاق المعروف بہ سراج ہندی المتوفی ۷۷۳ھ کی ہے، دوسری ابوطاہر محمد بن محمد کی طرف منسوب ہے، تیسری سراج الدین علی بن عثمان اوسی فرغانی کی ہے، جو ۵۶۹ھ میں ترتیب پائی، غالباً موخرالذکر مصنف کی کتاب تاتارخانیہ کے مآخذ میں رہی ہے، بانکی پور، خدیویہ اور دارالمصنفین میں اس کے نسخے موجود ہیں، کلکتہ اور لکھنؤ سے ۱۸۲۷ء اور ۱۲۹۳ھ میں طبع ہو چکی ہے،

۹۔ الحجہ کے نام سے افسوس ہے کہ فقہ حنفی میں کسی ایسی کتاب کا پتہ نہیں چلا، جو آٹھویں صدی ہجری تک تصنیف پا چکی ہے، اور اس کو تاتارخانیہ کے مآخذ میں سمجھا جائے،

۱۰۔ فتاویٰ غیاثیہ:۔ تالیف شیخ داؤد بن یوسف خطیب، یہ سلطان غیاث الدین کے لئے تالیف پائی تھی، خدیویہ مصر اور دارالمصنفین میں اس کے نسخے موجود ہیں، ۱۳۲۲ھ میں بولاق سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے،

۱۱۔ التہذیب کے نام سے دو کتابیں فقہ میں ہیں لیکن دونوں شافعی فقہاء کی لکھی ہوئی ہیں، اور بظاہر تاتارخانیہ کے مآخذ میں نہیں ہیں، فقہ حنفی میں ایک کتاب تہذیب لذہن اللبیب فی الفروع ہے، کشف الظنون میں مذکور ہے، کہ یہ خیرۃ الفقہاء سے بھی موسوم ہے، (ج ا ص ۳۵۲) لیکن خیرۃ الفقہاء نام کی کسی کتاب کا ذکر آگے چل کر اس میں موجود نہیں، البتہ خیرۃ الفتاوی سے موسوم ایک کتاب علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن نصیر الدین ملکان البرتوانی کی ہے، مصنف کا زمانہ تاتارخانیہ سے متقدم سمجھا جا سکتا ہے، اس لئے اگر التہذیب سے یہ کتاب مراد ہو سکتی ہے، تو یہ مآخذ میں سمجھی جا سکتی ہے،

۱۲۔ التجرید کے نام سے دو کتابیں ہیں، ایک رکن الدین عبد الرحمن بن محمد المعروف بابن امیر وسید کرمانی متوفی ۵۴۲ھ کی ہے، مصنف نے خود اس کی شرح ایضاح کے نام سے لکھی تھی، پھر شمس الائمہ تاج الدین عبد الغفار بن لقمان متوفی ۵۶۲ھ نے بھی المفید والمزید کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے، دوسری کتاب تجرید القدوری کے نام سے معروف ہے، یہ امام ابو الحسین احمد بن محمد متوفی ۴۲۸ھ کی تصنیف ہے، لیکن اول الذکر کتاب کا مآخذ میں ہونا زیادہ ممکن ہے،

۱۳۔ نوازل فی الفروع امام ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ[۱] کا مشہور

---

[۱] امام ابو اللیث سمرقندی کے سال وفات میں اختلافات ہیں، مدینۃ العلوم میں ماہ جمادی الاخری ۳۹۳ھ درج ہے، ملا علی قاری نے اپنی طبقات میں ۳۷۳ھ لکھا ہے، قاضی عیاض نے اپنی شرح الشفا میں ۳۷۳ھ درج کیا ہے، صاحب کشف الظنون نے مختلف کتابوں کے تحت میں مختلف جگہ ان کا ذکر کیا ہے، اور مختلف سنین ۳۷۵ھ (ذکر تفسیر القرآن) ۳۷۳ھ (ذکر شرح الجامع) ۳۸۳ھ (ذکر خزانۃ الفقہ) درج کئے ہیں، کفوی نے ۳۷۳ھ لکھا ہے، (الفوائد البہیہ ص ۹۲) اسی طرح خدیویہ مصر کی فہرست میں نوازل کے ذکر میں متوفی ۳۹۳ھ (جلد ۲ ص ۱۴۴) اور خزانۃ الفقہ کے تذکرہ کے موقع پر ۳۷۳ھ ہجری لکھا ہے، (جلد ۲ ص ۲۳) ہم نے آخر سے آخذ ۳۹۳ھ کو بلا ترجیح اختیار کر لیا ہے،

مسائل ہے، اس پر صاحب ہدایہ نے بھی مختارات مجموع النوازل کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے نوازل کا نسخہ بانکی پور اور خدیویہ (ج ۲ ص ۱۴۴) میں موجود ہے،

۱۴- الہدایہ :- تصنیف برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل فرغانی مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ (مطبوع ومتداول)

۱۵- النہایۃ شرح ہدایہ تصنیف حسام الدین حسین بن علی بن حجاج صغناقی (تصنیف ۷۰۰ھ) المتوفی ۷۱۱ھ بانکی پور کتاب نمبر ۱۴۲۳ و خدیویہ (ج ۲ ص ۱۴۵) میں موجود ہے،

۱۶- کفایہ شرح ہدایہ، تصنیف سید جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی کرلانی (مطبوع ومتداول) اس کی نسبت تاج الشریعہ محبوبی کی طرف بھی کی گئی ہے، اگر صحیح نہیں،

۱۷- وقایہ تصنیف محمود بن صدر الشریعہ احمد بن جمال الدین المحبوبی (الموجود ۶۷۳ھ) بانکی پور کتاب نمبر ۱۶۵۳ و خدیویہ مصر ج ۲ ص ۱۴۸

۱۸- الحاوی القدسی :- تصنیف احمد بن محمد بن سعید غزنوی متوفی ۵۹۳ھ، (بانکی پور کتاب نمبر ۱۴۲۴)

۱۹- جامع الجوامع کے نام سے ایک سے زیادہ کتابیں ہیں، لیکن کون سی تاتارخانیہ کے ماخذ میں رہی ہے، اس کی تعیین کرنا دشوار ہے،

۲۰- فتاوی ناطقی مقدمہ تاتارخانیہ کی طرح کشف الظنون میں بھی صرف اس کا نام درج کر کے چھوڑ دیا گیا ہے، کسی کتب خانہ میں اس کا پتہ نہیں چلا،

۲۱- خزانۃ الفقہ تصنیف امام ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ خدیویہ (ج ۲ ص ۲۳) میں اس کا نسخہ موجود ہے

۲۲- الفتاوی الکبریٰ حسام الدین ابو محمد عمر بن عبد العزیز المقتول ۵۳۶ھ بانکی پور اور رامپور میں نسخے موجود ہیں

۲۳۔ الفتاوی الصغریٰ ۔ بانکی پور اور رام پور مین نسخے موجود ہین،

۲۴۔ ینبوع النوازل، مقدمۂ تاتارخانیہ مین صرف الینبوع کے نام سے اس کا ذکر آیا ہے، حاجی خلیفہ نے ینبوع النوازل کے نام سے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، مگر مصنف کا نام اور زمانۂ تصنیف مذکور نہین،

۲۵۔ المختار، تصنیف ابو الفضل مجد الدین عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی متوفی ۶۸۳ھ خدیوتہ (جلد ۲ ص ۱۲۶) مین اس کا نسخہ موجود ہے،

۲۶۔ المضمرات کو جامع المضمرات والمشکلات بھی کہتے ہین، یہ قدوری کی شرح ہے، تصنیف شیخ یوسف بن عمر بن یوسف کادوری (حیدرآباد جلد ۲ ص ۱۱۰۶)

۲۷۔ فتاوی نسفی، تصنیف نجم الدین عمر بن محمد نسفی، معروف بہ علامہ سمرقندی متوفی ۵۳۷ھ، کسی کتب خانہ مین اس کا نسخہ موجود ہے، اس وقت یاد نہین آتا، کہ کس فہرست مین نظر سے گذرا تھا،

۲۸۔ الصیرفیہ (فتاوی آہو) تصنیف مجد الدین اسعد بن یوسف بن علی البخاری الصیرفی المعروف باہو اس کا تذکرہ مقدمۂ تاتارخانیہ مین نہین ہے، حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ اس کا ذکر تاتارخانیہ مین آیا ہے،

۲۹۔ فتاوی الصدر الشہید کے متعلق بھی کشف الظنون مین مذکور ہے، کہ اس کا ذکر تاتارخانیہ مین آیا ہے، غالباً یہ شیخ حسام الدین مقتول ۵۳۶ھ کی الفتاوی الکبریٰ ہی کا دوسرا نام ہے،

مآخذ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی دو کتابون کے سوا جتنی کتابین ہین، وہ تقریباً سب کی سب چھٹی اور ساتوین صدی کی تصنیفات ہین، بلکہ آٹھوین صدی کے ہمعصر مصنفین کی کتابون سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، صدر اول کی تصنیفات کو سامنے نہ رکھنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ چھٹی سے آٹھوین صدی تک کی اہم فقہی تصنیفات مین ان کے مباحث، دلائل اور فتاوی منتقل ہو چکے تھے لیکن دراصل انکو نظر انداز کرنے کی یہ کوئی معقول وجہ نہین سمجھی جا سکتی، خوشی کی بات ہے، کہ آگے چل کر عالمگیر کے عہد مین یہ کمی پوری ہو گئی، اس لحاظ سے فتاوی عالمگیریہ کو تاتارخانیہ پر تقدم حاصل ہے

باین جہہ فتاویٰ تاتارخانیہ کی یہ اہمیت نظر انداز کئے جانے کے لائق نہین کہ چھٹی سے آٹھوین صدی ہجری تک کی تین صدیون مین فقہ حنفی کا جو کچھ سرمایہ اکٹھا ہوا تھا، تاتارخانیہ مین اس کا عطر کھینچ کر آگیا ہے، اور اس لحاظ سے یہ کتاب بڑی قابل قدر ہے،

انتخاب فتاویٰ تاتارخانیہ | یہی وجہ ہے کہ عالم اسلامی کے علمی حلقون مین اس کو قبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ حلب کے ممتاز صاحب فضل اور فقہ حنفی کی مشہور تصنیف ملتقی الابحر کے مصنف شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم المتوفی ۹۵۶ھ نے جو قسطنطنیہ کی جامع سلطان محمد کی امامت خطابت اور دیار روسیہ کے منصب افتار پر فائز تھے، اس کا ایک انتخاب تیار کیا، کشف الظنون مین ہے،

ثم الامام ابراھیم بن محمد الحلبی	امام ابراہیم بن محمد حلبی المتوفی ۹۵۶ھ نے
المتوفی سنہ ۹۵۶ لخصہ فی مجلد	اس کی تلخیص ایک جلد مین تیار کی ہے
وانتخب منہ ما ھو غریب او	اور اس مین نادر اور ایسے کثیر الوقوع مسائل
کثیر الوقوع ولیس فی الکتب	کو منتخب کیا ہے، جو بجز اس کے عام کتب
المتداولۃ والتزم بتصریح	متداولہ مین نہین پائے جاتے، اور کتابون
اسامی الکتب[۱]	کے نام کی تصریح کا التزام رکھا ہے،

شیخ ابراہیم حلبی کے مفصل سوانح حیات اعلام النبلاء ج ۵ ص ۴۰۶ و شذرات الذہب ج ۸ ص ۳۰۰ مین مذکور ہین، اور ان مین ان کی اس کتاب کا ذکر بھی آیا ہے،

فتاویٰ تاتارخانیہ کے نسخے | فتاویٰ تاتارخانیہ کے مختلف نسخے مختلف کتب خانون مین ہین، کتب خانہ مشرقی بانکی پور مین اس کی تین جلدین ہین، پہلی جلد نمبر ۱۵۱۱، کتاب الرضاع کے کچھ حصون پر آکر ختم ہوئی ہے، اسی طرح کی ایک دوسری جلد تین حصون مین تقسیم ہے، پہلا حصہ کتاب البیوع سے متعلق ہے، اس کے آخری حصے ۱۰۹۳ھ کے مکتوب ہین، ان مین کتاب القضاء، کتاب اللقیط، کتاب الحدود، کتاب اللقیط، کتاب الآبان، کتاب المفقود، کتاب الشرکہ اور کتاب الوقف

کے ابواب ہیں، پھر پہلی جلد کا ایک دوسرا نسخہ کتاب الحج تک ہے، اس کے سرورق کی ایک تعلیق ہے جو ۱۱۵۳ھ کی لکھی ہوئی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ حافظ شیخ عبدالحق حیدرآبادی کی ملکیت میں رہ چکا ہے، نیز مفتی عبدالرحیم کی ایک مہر ۱۱۸۶ھ کی اس پر لگی ہوئی ہے[۵۱]

کتب خانہ خدیویہ مصر میں بھی اس کے چند نسخے موجود ہیں، ان میں سے چوتھی جلد محمد نوریی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ۷۶۲ھ کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی یہ تالیف نویں صدی میں عالم اسلامی میں پہنچ چکی تھی[۵۲]

اس کی سب سے زیادہ اور مکمل جلدیں کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہیں، اس میں پہلی سے نویں تک مسلسل نو جلدیں ہیں[۵۳] افسوس ہے کہ اس کتب خانہ کی فہرست بہت اجمالی چھپی ہے جس سے کوئی مزید واقفیت حاصل نہیں ہوئی،

رام پور کے کتب خانہ میں اس کے دو مجلد ہیں، پہلا مجلد، جلد اول کا ہے، جو ۷۰۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں کتاب الطہارۃ سے کتاب الوقف تک کے ابواب ہیں، دوسرے مجلد میں ۹۰۲ صفحات ہیں، اس میں کتاب الکفالہ سے آخر کتاب الوصایا تک کے مضامین ہیں، ان دونوں جلدوں کی تقطیع بڑی اور خط نستعلیق ہے[۵۴]

برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ میں ایک کتاب منہاج البیان کے اقتباسات کے ساتھ الفتاوی التاتارخانیہ کے اقتباسات بھی ہیں، اس مجموعہ کا نمبر ۱۱۵۹ ہے[۵۵]

اس طرح ہندوستان کی یہ اہم فقہی تصنیف جو تیس جلدوں میں بتائی جاتی ہے، ابھی تک

---

۵۱ فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹ ص ۱۶،۱۵ ۵۲ فہرست مخطوطات کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۲ ص ۸۶
۵۳ فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ۲ ص ۱۰۵۳، ۱۰۵۴ ۵۴ فہرست کتب عربی مخطوطات کتب خانہ رام پور ص ۲۲۲
۵۵ ضمیمہ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ص ۱۰۵۱

قلمی شکل میں محض کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہے، حیدرآباد میں اس کے زیادہ مکمل نسخے موجود ہیں، اور وہیں دائرۃ المعارف' اور مجلس احیاء المعارف النعمانیہ قدیم قلمی کتابوں کی طبع و اشاعت کی خدمتیں انجام دے رہی ہیں، کیا اچھا ہو کہ ہندوستان کا یہ علمی سرمایہ زیور طبع سے آراستہ کر لیا جائے تاکہ اس کی اشاعت سے چھٹی سے آٹھویں صدی ہجری تک کے فقہ حنفی کے بہت سے علمی نوادر کا مرقع، نیز ہندوستان کے عہد اسلامی کا ایک مایۂ ناز سرمایہ منظر عام پر آجائے، اور اہل علم کے حلقہ کی ایک ضرورت پوری ہو،

سیرۃ عائشہؓ

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات' اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات،

قیمت :- ؎ ضخامت ۴۰۳ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی،

سوانح مولانا روم

اسلام کے مشہور صوفی متکلم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانح عمری، فضائل و مناقب' ان کے تصوف کے اسرار، علم کلام کے رموز اور مثنوی شریف پر مبسوط تبصرہ۔

قیمت :- ؎ (جدید اڈیشن)

اُسوۂ صحابیات

صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کی تفصیل، قیمت ؎ (جدید اڈیشن)

"منیجر"

عمادی غزنوی

از

جناب غلام مصطفیٰ خان ایم اے ال ال بی (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج (امراوتی برار)

ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم کی فہرست (ج ۲- ص ۵۵۰) بعد میں عمادی کے بعض ممدوحین، اور اس کے بعض سنین کی تعیین کی تھی، پھر علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے بھی (بیست مقالہ ج ۲، ص ۲۶۵ بعد) عمادی کے بعض ممدوحین کے متعلق تحقیق کی ہے، لیکن ان دونون فاضلون نے اُس کلام کا تجزیہ نہین کیا، جس کو بعض کاتبون نے "عمادی" تخلص کے دو شاعرون کی بجائے ایک ہی کا سمجھ کر خلط ملط کر دیا ہے، ہم بیان کوشش کرتے ہین کہ ایسے کلام کو علحدہ علحدہ کرکے ان دونون شاعرون کے درباری تعلقات کی وضاحت کرین، چنانچہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے مخطوطے کی طرف رجوع کرتے ہین، اس مخطوطے مین بھی سب سے قدیم ممدوح سیف الدین عماد الدولہ[1] فرامرز بن رستم بن قارن[2]

---

[1] مونس الاحرار (حبیب گنج- ص ۲۹۴) مین عمادی غزنوی کا ایک قصیدہ برکیارق کے چچا ارغون (م ۴۸۹ھ ۱۰۹۶ء) راحت الصدور، ص ۱۴۳) کی مدح مین ملتا ہے،

اے برسمن از مشک بعد از دہ خالے مسکین دل من گشت ز خال تو بحالے

شاہ ہمہ شاہان ملک ارغون کہ ندادہ در مردے و فرہنگ نظیرے و ہمالے

سید حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ ۱۱۶۱ء) نے اسی کی تقلید مین ایک قصیدہ (مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۱۳۹۵) لکھا تھا، جس کا مطلع یہ ہے:-

اے یافتہ از چہرۂ تو حسن کمالے داده ست جمالیت خدا و چہ جمالے

[2] اس ممدوح اور اس کے خاندان کے متعلق رابینو کی کتاب مازندران (ص ۱۳۵) اور ظہیر الدین کی

حاکم مازندران ہے، اس کی مدح مین متعدد قصیدے ہین، کیونکہ یہ اس کا خاص ممدوح ہے، ایک صاحب راحت الصدور (ص ۱۰۲) نے لکھا ہے کہ شاعر نے اپنا تخلص اسی کے نام (لقب) "عماد الدولہ" کی وجہ سے اختیار کیا تھا، اس ممدوح کی حکمرانی کے متعلق تو کوئی بات تاریخ مین نہین ملتی، البتہ اس کے باپ شمس الملوک رستم بن قارن کی حکومت (مازندران) کے بارے مین کہ وہ ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء سے ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء تک تھی، ضرور حال معلوم ہو سکتا ہے، یہان شاعر کے مختلف قصائد کے چند ایسے اشعار نقل کرنا مناسب ہوگا جن سے اس ممدوح کے القاب کی توضیح ہو جائے،

قطب الملوک شاہ عماد دول کہ چرخ — ہر ساعتے ز قدرت او امتحان برد

شاہ سیف الدین عماد الدولہ کز تعظیم او — از کف او ہر چہ خواہد رایگان می افگند

قطب ملکان عماد دولت — کز حرمت زمانہ شد مسلّم

سرمایۂ داد و دین فرامرز — کز ہیبت او حصار داریم[1]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۱) تاریخ طبرستان (ص ۲۱۹ بعد) ملاحظہ فرمائین، ریو (فہرست برٹش میوزیم ۲-۵۰۸ ب) کا خیال ہے کہ عمادی کا یہ شعر ظاہر کرتا ہے کہ عماد الدولہ کا باپ فرامرز تھا،

شاہ فرامرز زاد دولت و دین ما عماد — خسرو مازندران سایۂ نیک اختری

یہی قرات ہمارے مخطوطے مین بھی ہے لیکن علامہ قزوینی کا خیال (بیست مقالہ ۲-۲۹۹ ح) صحیح ہے کہ اس کے پہلے مصرع مین "زاد" کی بجائے "راد" ہونا چاہئے، یہان بھی یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ اس شعر کے پہلے جتنے اشعار تمہید مین ہین، وہ سب کے سب کلیات سنائی (غزلیات ص ۱۱۱- بمبئی ۱۳۲۸ھ) مین سنائی سے بھی منسوب ہین، اور وہ قصیدہ سلطان بہرام شاہ غزنوی (م ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) کی مدح مین ہے،

[1] علی گڑھ کے مخطوطے کی جو نقل راقم الحروف کو مل سکی ہے، اس مین کاتب نے اصل صفحات کے نمبر نہین دیئے، اس لئے نمبر دینے سے مجبوری ہے،

لیکن یہاں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اس عماد الدولہ کی مدح کس عمادی نے کی تھی، ہم کو اسی مخطوطے کے حسب ذیل اشعار کی طرف رجوع ہونا پڑے گا،

اے مہر تو بر سپہر تمکین　　　ایمن شدہ از نماز پیشین
یک نکتہ بگوے تا بہ پشیت　　　جبریل امین شود شکر چین
از لطف بخند تا بماند　　　در پردۂ شرم شکل پروین
سرمایۂ جان عماد دولت　　　ملجاء ممالک سلاطین
بے تو نہ بود کس و نہ باشد　　　مدحے نہ بود تمام تر زین
بے تو نہ کند ضمان تن جان　　　متریست درین سخن بہ تضمین
زین است کہ از دلم جدا نیست　　　ہستی و بدن براہ غزنین
جستم ہمہ آرزو بہ تصریح　　　گفتم ہمہ رمزہا بہ تلقین
آن باد ترا کہ خواست داری　　　آمین دوراست پیش از آمین

چوتھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ اُسی عماد الدولہ کی مدح میں ہے، اور ساتویں شعر سے یہی وضاحت ہوتی ہے، کہ شاعر غزنین کا ہے یعنی اس ممدوح کی تعریف عمادی غزنوی نے کی تھی، ذیل کے اشعار سے معلوم ہوگا، کہ شاعر ایک سال سے زیادہ عماد الدولہ کے دربار سے وابستہ رہا،

اے کافر عشق تو مسلمان　　　دے دیو ہوائے تو سلیمان
طاق است بہ عشق تو مجازی　　　بر طاق نہادہ وصل و ہجران
ہرچند مسلّمی تو ادرا　　　در دولت شہریار ایران
قطب ملکان عماد دولت　　　سرمایۂ امن و پشت ایمان
شاہے کہ ز حضرتش رسیدہ　　　نزد ہمہ کس رسول احسان

عید است شما و عید یاربن ... زغ داشت ازین دیار پنہان
ممکن نہ بود بہ ہیچ حالے ... عید این جا تو در خراسان
عید تو خجستہ باد ہر چند ... بر من باشد ز عقل تاوان
زیرا کہ ہر آنچہ گفتم اول ... زین قول ہمی شوم پشیمان
ہر چند زبودن سہ فرزند ... نتوان گفتن بہ وصف یزدان
سود نیست زمایہ در گذشتن ... این را عدم از وجود ایشان
سبحان اللہ شد از تمامے ... کار تو چنانکہ وصف نتوان
در نعمت تو نکو نہ باشد ... خوردن غم خاندان ویران

چھٹے شعر سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر پچھلے سال کی عید میں وہیں مازندران میں تھا لیکن اس کا ممدوح جیسا کہ ساتویں شعر سے معلوم ہوتا ہے، اس وقت خراسان میں تھا، دسویں شعر میں شاعر اپنے تین لڑکوں کا ذکر کرتا ہے، اور آخر میں اپنے خاندان سے جو غزنین میں ہوگا، اپنی مجبوری ظاہر کر رہا ہے،

اس ممدوح کی مدح میں متعدد قصیدے ہیں جن سے خیال ہوتا ہے، کہ وہ زیادہ عرصہ تک مازندران میں رہا ہوگا، پھر اس کا مرثیہ بھی ملتا ہے، جس کے کچھ اشعار راحت الصدور (ص ۳۷۲) میں بھی ہیں،

در غم یار یار بایستے ... یا غم را کنار بایستے
تا بہ سیا بم ز روزگار مراد ... مایہ ام روزگار بایستے
عوض چرخ اگر بخواہی یافت ... باز مانہ شمار بایستے
در یکے غم چو جان بخواہم داد ... یک چہ باشد ہزار بایستے

جور در دوست بار ممکن نیست | بر در صبر بار بایستے
مست و دیوانہ چند خواہم بود | زیرک وہوشیار بایستے
این کہ من شرمسارم از مردم | بخت من شرمسار بایستے
از فریب جہان عمادی را | نفسے زینہار بایستے
این ہمہ آرزو بیافتمے | حضرت شہریار بایستے
شہ فرامرز کز معالی او | اختران را شمار بایستے
چون مرا دا نہ کرد باد مرگ | آسمان بے مدار بایستے

ایک رباعی بھی اسی مضمون پر ہے، جو ریونے بھی نقل کی ہے،

اکنون کہ عماد دولہ در خاک آسود | از دیدۂ من خاک شود خون آلود
در خاک نہادہ چون توانم دیدن | آن راکہ مرا ز خاک بر داشتہ بود

پھر ایک قصیدہ اسی عماد الدولہ کے لڑکے شمس الدولہ کے متعلق ملتا ہے، لیکن یہ ایسا شخص ہے جس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے، وہ قصیدہ یہ ہے :-

ہر کرا عشقت اختیار کند | بے قراری بر و قرار کند
گل رخسار تو بدست خیال | دیدہ ہا را ز خواب خوار کند
بوے زلفت بہ ہر کجا کہ رسد | صفت بوے شہریار کند
شاہ شمس عماد دین و دول | کہ بدو عالم افتخار کند
ملکے خسروے خداوندے | کہ کفش طعنہ بر بحار کند
آن شہی کز رکاب عالی تو | عقل افعال گوشوار کند
ہر چہ نقش وجود یافت کہ آن | نہ رضاے تو خواستار کند

بخداے و رسولؐ و نعتِ تو ... کہ ازآن نمش گذار کند
لالہ دل باشد وچو درپشیت ... قامتِ خود بنفشہ وار کند
عید را مرگان بہ میدان تاخت ... تاز درگاہ تو دراز کند
تا گمرسیِ تو بہ عیدِ رضا ... مرگان را امیدوار کند

اگر آخری اشعار سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ عید مرگان مین کبھی ہوئی تھی تو وہ زمانہ ممکن ہے کہ سنہ ۵۲۲ھ/۱۱۲۸ع کا ہو، بہرحال مازندران کے بعد وہ محمود بن محمد بن ملک شاہ (المتوفی ۵۲۵ھ/۱۱۳۱ع) کے دربار مین آیا ہوگا، جہان اُس نے یہ قصیدہ پڑھا ہوگا،

برآنی کہ غم بر دلِ من گماری ... من از غم نہ ترسم بیا تا چہ داری
نہ نالم ز غم گرچہ بسیار باشد ... ولیکن بنالم زبے غم گساری
ز خواری ہجر تو سر بر نہ تابم ... کہ رسم قدیم است در ہجر خواری
کہ با تو بس آید کہ ہچون عمادی ... بہ ہرحال در کار خود مرد کاری
بہ آئین نگاری بہ شکرانہ باید ... کہ مدح خداوند بہ جان نگاری
تسیم درم را دمحمود بزغش ... کہ بر چرخ را یش کند بردباری

ہمارے مخطوطے مین، اس محمود سلجوقی کے متعلق کچھ اور نہین ملتا، لیکن اُس کے بھائی طُغرل بن محمد بن ملک شاہ (م ۵۲۹ھ/۱۱۳۴ع) کی مدح مین دو قصیدے ملتے ہین، ایک یہ ہے:-

اے زلف و رخت سپہر و اختر ... وے روے و لبت بہشت و کوثر
طوطی سیاہ گوشہ بر لب ... طاؤس سپید کار در بر
ما ز دوستیٔ رخِ تو ما را ... آید غم تو بہ بوے مادر
از ما بپذیر جان اگرچہ ... درخوردِ تو نیست این محقر

جز روح امین مگس نه باشد　　　آن جا که لب تو گشت شکر
از خشک لب عمادی آخر　　　بشنو غزلے چو چشم او تر
تا تازه کند حکایت تو　　　در بارگه شه مظفر
سلطان سپهر قدر طغرل　　　کز قبّهٔ دانش است برتر
خاک در اوست چرخ اعظم　　　عشر کف اوست بحر اخضر

لیکن دوسرا قصیدہ اہم ہے، کیونکہ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ اسی عمادی (غزنوی) نے طغرل وغیرہ کی مدح کی تھی، وہ قصیدہ یہ ہے:-

دلم از دست بردهٔ جانی　　　چه کنم با تو دوستی جانی
خون خود خوردم و بجز اهم خورد　　　از پے وصل تو پشیمانی
جاودان مان که در عشق تو بود　　　که عمادی شده ست سلطانی
آستین بوس تو شود گردون　　　گلستان بوس شاه ایرانی
شاه طغرل که پیش گاه ازل　　　آیتے ساختش جهان بانی
شهریارے که شحنهٔ رایش　　　رفت بالا ز حد امکانی
تنگ حالی ز وهم پیدا کرد　　　جا و او در فراخ میدانی
ز مدحش جهان بگیرد اگر　　　دامن طبع من نیفشانی
زان نشستی به تخت جد و پدر　　　تا در آفاق فتنه ننشانی
ثالثت گفتم ار چه نتواند　　　گفتن اندر ثنا تر اثانی[1]

---

[1] سید حسن غزنوی نے ۵۳۰ھ کے قریب مجد الدین ابو الحسن عمرانی کی مدح میں لکھا تھا، جو اسی زمین میں ہے۔
اے که تن را دل و دل را جانی　　　از دل و جان چه بگو تر آنی

تیسرے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عمادی نے اپنا تخلص اس دربار میں آکر بدل دیا ہے، اور عمادی کی بجاے وہ "سلطانی" ہو گیا ہے، راحت الصدور (ص ۲۰۹) میں اسی مازندرانی مداح (یعنی عمادی غزنوی) کو اس ممدوح سے وابستہ کہا گیا ہے، اور چونکہ اوس کے مؤلف کا زمانہ شاعر سے قریب تھا، اس لئے ماننا پڑتا ہے، کہ وہی عمادی ہوگا، اور وہ طغرل کے دربار میں آگیا ہوگا، نویں شعر میں ممدوح کے والد محمد اور دادا ملک شاہ کے متعلق بھی اشارہ کیا ہے، اسی شعر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ طغرل کی تخت نشینی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہوگا، جب کہ یہ قصیدہ شاعر نے پیش کیا ہوگا، وہ زمانہ ۵۲۵ھ ۱۱۳۱ء کا ہوگا،

شاعر کو طغرل سلجوقی کے دربار تک رسائی ایک "امیر بابہ" قتلغ کے ذریعہ ہوئی تھی، تاریخ میں اس شخص کا نام بھی نہیں ہے، لیکن اس قصیدہ میں اس طرح ہے :-

دست در ہم نمی کند کارم پاے مردی نمی کند یارم

چہ کنم قحطِ مردمی ست آوخ باکہ گویم کہ راست کن کارم

قدو در کاسہ ام کہ قلاشم دست بر کیسہ ام کہ طرارم

لقبم داد و اند سلطانی چون عمادی چرا چنین خوارم

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۷) انوری نے بھی اسی زمین اور اسی کی مدح میں لکھا تھا :-

ولم اے دوست تو داری دانی جان بہ بر نیز اگر بتوانی

سنائی نے بھی عمادی غزنوی کی تقلید کی تھی، جیسا کہ کلیات (ص ۲۰) میں ہے :- ع بر سر خوان عمادی من کشادم این فقع، کلیات (ص ۸) میں سنائی کا جو قصیدہ قاضی حسن کے متعلق ہے، اس کے متعلق عمادی غزنوی نے (مجموعۂ قصائد فارسی ۲۹/پ ص ۲۷۰) جیب گنج کہا ہے،

چون سنائی او فتاد از خطۂ غزنین بہ بلخ تازہ کرد از مدحت قاضی حسن روی سخن

اس کی تفصیل ہم معارف (ستمبر ۱۹۴۲ء ص ۲۰۰) میں بھی دے چکے ہیں،

همه عیبم جز آن که ذرّهٔ ثنا | بسر میر بار می بارم
عزّ الدین فدای قتلغ آن | که ز انعام او گران بارم
در هنر خواجهٔ جهانم ز آنک | به غلامی اوست اقرارم
اعتمادم بر آستانهٔ تست | که بدو حق عمر بگزارم
جز به تقلید تو نه پذرفتند | زیرکان زمانه اشعارم
از تو سلطان شناختم گرنه | من و سلطان کجا سزاوارم
نه خورم غم چرا خورم که توئی | از پئے هر مراد غم خوارم

چوتھے شعر میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ یہ نیا لقب (تخلص) "سلطانی" "عمادی" کی بجائے اختیار کیا گیا ہے، اور چونکہ طغرل کے دربار میں وہ تبدیلی ہوئی ہے، جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، تو ظاہر ہے کہ (شعرہ۔ ۷) "امیر بار[1]" قتلغ بھی اسی دربار سے وابستہ تھا، اور اسی کی سفارش (شعر نمبر ۱) پر ہمارا شاعر طغرل تک پہنچ سکا تھا،

طغرل کے دربار میں پہنچنے پر اوس کے وزیر قوام الدین ابوالقاسم (م ۵۲۷ھ؍۱۱۳۳ء) کی مدح بھی کی تھی لیکن ایک ہی قصیدہ اس کی مدح میں ملتا ہے، اس لئے اغلب ہے کہ اس کے قتل (۵۲۷ھ) تک مدح سرائی کا موقع[2] کم ملا ہوگا، وہ قصیدہ یہ ہے:-

---

[1] لباب (جلد ۲ ص ۲۶۲ - ۲۶۷) میں دو قصیدے اور بھی طغرل کی مدح میں ملتے ہیں، دوسرے قصیدے میں (لباب ۲ ص ۲۶۶ سطر ۱۲) امیر بار کی طرف اشارہ ہے [2] آثار الوزراء (ق ۱۰۳ - الف - بانکی پور) میں کچھ اور اشعار اس کی مدح میں عمادی غزنوی تک ملتے ہیں، مثلاً:-

گردون قوی فزاید جهان خوانت سماک | سلطان ترا نشانی چون گریت ضمیر
از مهر تو ستاره دواند کین تو ده | ابروے شام و ضمه و بستان صبح شیر

چشمے کہ ز تو نگار گیرد — در خونِ جگر قرار گیرد
بگرفت مرا غم تو باری — ہر روز چو من ہزار گیرد
در کوے تو ہر شب آسمان را — گیرد غم عشق و زار گیرد
وقت است کہ در غمت عمادی — جان و دل و دیدہ خوار گیرد
چون نام تو گویم از سر شکم — انگشتِ سخن نگار گیرد
بس ہرچہ ترا بہ دو رساند — از صاحب روزگار گیرد
بوالقاسم آن کہ از در او — انصاف بہ نام کار گیرد
از دستِ جہان کند توی تر — دستے کہ بہ زینہار گیرد
اے آنکہ بیک صریر کلکت — پہناے زمین سوار گیرد
چون شعلۂ خشم تو بر آید — ابروے زحل شرار گیرد
بازیست خجستہ نامۂ تو — کز چشم قضا شکار گیرد

اسی طرح ایک قصیدہ اس کے لڑکے جلال الدین کی مدح میں بھی ہے، جو محمد بن محمود بن محمد اور ارسلان بن طغرل بن محمد وغیرہ کا وزیر ہو گیا تھا، وہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

دل و جانم بہ عشق تو شمرند — ہمہ عالم بدین حدیث درند
زلف در روے دلبت نیامیزد — ہمہ از یک دگر شگرف تراند
تو نہ یاری و لیک از غم تو — ہمہ آفاق یار یک دگر اند
آہوان اندر یغمزۂ تو — کز بجز مرغزار جان نچرند
عشق بازانِ روے تو بہ نیاز — مدح سازانِ صدر و اوگرند
مقصد آستان جلال الدین — کز دو دستش زجود بار روند

اے ہنر پروصدے، سخا پیشہ — کہ ترا بر زمین یکے شمرند
در زمانہ بدین نظر کہ مراست — شرق و غرب از تو طالع نظرند
خواجگان جہان غلام تو اند — گرچہ از تو بہ سال بیشتر اند

اسی زمانہ میں اس عبادی نے جیسا کہ راحت الصدور (ص ۲۰۹) سے معلوم ہوتا ہے ایک مشہور واعظ عبادی کی مدح بھی کی تھی اس کا پورا نام ابن خلکان نے ذالمظفر (ابو منصور المظفر) بن ابی الحسین بن اردشیر ابن ابو منصور العبادی المروزی الواعظ لکھا ہے، اس عبادی (المتوفی ۵۴۷ھ) کی مدح میں دو قصیدے ملتے ہیں، پہلا یہ ہے:-

رہ می رویم و دیدہ بہ رہبر نمی رسد — کان می کنیم و تیشہ بہ گوہر نمی رسد
مالش دہیم خاک سیہ را بہ آب سرخ — چون دست ما بہ زردی اختر نمی رسد
بے نامہ ہدایت تو در طریق سمع — پیک سخن بہ منزل باور نمی رسد
بر آستان جاہ تو چرخ ارنہ داد بوس — عذرش قبول کن کہ گمر بر نمی رسد
تعبیر رمز عشق میاموز عقل را — از بہر آن کہ یک کلہ در نمی رسد
شوق شراب عشق تو در ہر سحر گہے — الا بکام مغز کشور نمی رسد
زنگ در زہب گوہر عبادی آن کزاد — صد خیر می رسد کہ یکے شر نمی رسد
بے عقد عنبرینہ دہش زہیچ نایک — مشک شرف بہ عارض داور نمی رسد
اے خلد مجلسے کہ ترا نیست ہیچ لفظ — کز وے بجا معائنہ کوثر نمی رسد
بے حشیمۂ صلاح تو در بوستان زہد — لالہ نمی شگوفد و عبہر نمی رسد[۱]

اس قصیدے کے سلسلے میں راحت الصدور (ص ۲۰۵) میں جو حکایت درج ہے، اس کا نقل کرنا

۱ے اس قصیدے کا چوتھا شعر میں نے راحت الصدور کی قرأت کے مطابق نقل کر دیا ہے، ورنہ قلمی تذکرہ کے

بھی مناسب ہوگا، مؤلف لکھتا ہے:۔

"شنیدم کہ عمادی کہ از شاعران او (طغرل بن محمد بن ملک شاہ) بود، بر عبادی قصیدہ می خواند کہ شعر:۔

رہ می روم و دیدہ بہ رہبر نمی رسد کان می کنم و تیشہ بہ گوہر نمی رسد

عبادی بر سر منبر بود، عمادی بدین بیت رسید کہ

بر آستان جاہ تو چرخ ار نہ داد بوس عذرش قبول کن کہ مگر بر نمی رسد

عبادی گفت، امیر عمادی ہر آرزو کہ دارد بخواہد، عمادی ملازم قاضی را با خود داشت، گفت

ہزار دینار شرح قرض مجوسم و موکل این است، وجہ قرض می باید عبادی سر فرو برد، یکے از

مریدان گفت بود، عبادی سر بر آورد، گفت، امیر عمادی چو ہزار دینار با قرض دہد، فردا

دیگر قرضش باید کہ بخورد، مریدے دیگر گفت، ہزار دیگر بود و عمادی بیاسود"

عبادی کی مدح کے دوسرے قصیدے کے بھی کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں:۔

قد قامت القیامہ کجا عشق داد بار بل عشق صعب تر ز قیامت ہزار بار

اول قدم کہ عشق پیادہ کند فرود آخر نفس بسوزد شود بر فلک سوار

کشتی کائنات درین بحر غرقہ شد بے آن کہ او فتاد یکے تختہ بر کنار

در زین متاز ہین کہ شست بارگی صف مرد پرہنہ کہ سخت است کارزار

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) مخطوطہ میں وہ اس طرح تھا:۔

بر پایۂ سریر تو گر جان نہ داد بوس عذرش قبول کن کہ مگر رنمی رسد

اس تیسرے شعر میں علی گڈھ والے مخطوطے میں "طاق شمع" ہے، لیکن جامعۂ عثمانیہ کے مخطوطے (نمبر ۲۱، ۱۳۱، ۵۳)

میں "طریق شمع" ہے۔

دست از پئے دعا چہ برآری پس از نماز | سر را دلت بہ پیش شیاطین فگندہ خوار
از خیط نا عبادی اگر خیط بایدت | شو دست زن بہ دامن عمادی استوار

اسی زمانہ میں شاعر کو ایک اور ممدوح عبد الرحمن بن طغایرک ملا ہوگا، یہ سلطان مسعود بن محمد بن ملک شاہ (م ۵۴۷ھ) کا ایک امیر تھا، جو سلطان کے اشارہ پر ۵۴۱ھ میں مارا گیا تھا، اسی کی مدح میں اٹھ بند کا ایک طویل ترکیب بند ملتا ہے، ہم یہاں اس کے صرف دو شعر نقل کرتے ہیں، جن میں اُس کا نام آیا ہے؛

عبد الرحمن کہ گر بخواہد | از ہفت سپہر شش بکاہد
عبد الرحمن کہ نوک پیکان | بر دیدۂ مشتری نگارد

ان میں کا پہلا شعر ابن اسفندیار کی تاریخ طبرستان (مترجمۂ براؤن ص ۵۹) میں اس سلسلے میں منقول ہے، کہ عبد الرحمن جس کی مدح شاعر نے اس طرح کی ہے، ایک مرتبہ چند ساتھیوں کے ساتھ اردبیل مقام سے اسپہبد علاؤ الدولہ علی بن شہریار بن قارن (۵۱۱ھ تا ۵۳۴ھ) کے پاس آیا تھا، اور چند روز مہمان رہ کر واپس چلا گیا تھا،

اسی عبد الرحمن کے لڑکے فخر الدین کی مدح میں بھی ایک قصیدہ ملتا ہے :-

ماہ یکان رُخ نہ می نماید یار | بہ سخن راست می نہ گردد کار
از فریب و عتاب او فریاد | وز حساب و کتاب او زنہار
با دل ست این سخن نہ با قالب | با سرائے سخن نہ با دستار
می پذیرد کنار و بوس ولیک | از پئے عسر کو پذیرفتار
این چنین زندگی کہ آن من ست | می کنم چون عمادی استغفار
وائے این ہمنشین کہ چیست مرا | آرزو زان نگار خوش گفتار
بوسۂ لب بخواہ و دست بشو | کافرم گر کنم حدیث کنار

گر لب او دست نیست در سر ہست ہم اسپ خدایگان کبار

تخت بخش زمانہ فخر الدین کز حوالی او گریزد عار

ممکن ہے کہ یہ قصیدہ شاعر نے عبد الرحمن کے قتل (۵۴۱ھ ۱۱۴۶ء) کے بعد لکھا ہو جب کہ اس کا لڑکا فخر الدین بغداد کی شحنگی سے معزول ہو کر خلخال (راحت الصدور ص ۲۳۰-۲۳۸) کا حاکم بنا دیا گیا تھا'

اس کے بعد شاعر ۵۴۵ھ ۱۱۵۰ء کے قریب وفات پاتا ہے، جیسا کہ ابو العلاء گنجوی کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے :-

سخن وران بہ من امروز اقتدا آرند روا بود کہ مسلم قدوۂ ہمہ شعرا

چون رفت جان عمادی بمن گذاشت عماد چو شد روان سنائی بمن گذاشت سنا

تبارک اللہ پنجاہ و پنج بشمردم بشست باشد پشتم چو شست گشتہ دوتا

بہ عقد ستین گشتہ ست پنج عمرم گہ وداع رحیل ست ازین فنا رفنا

سر ملوک منوچہر مہرچہر کزو شد ہ ست زندہ و فرخندہ خاندان ہا[1]

ان اشعار سے یہ باتین معلوم ہوتی ہین :-

(۱) دوسرے شعر سے ظاہر ہے کہ سنائی غزنوی اور عمادی (غزنوی) اس وقت تک انتقال کر چکے تھے، یہان یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ دوسرے عمادی (شہریاری) کے اشعار بہت بعد کے عہد تک کے ملتے ہین، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ عمادی غزنوی ہی ہوگا جس کی وفات کی خبر اس شعر مین ہے،

---

[1] ان اشعار کے متعلق تفصیل ہم معارف (ستمبر ۱۹۴۲ء ص ۱۹۹) مین دے چکے ہین، بعد مین استادی ڈاکٹر ہادی حسن صاحب کی کتاب "فلکی شروانی" دیکھی، اس مین (ص ۹۵) بھی کچھ اشعار ہین، لیکن سلسلے کے ساتھ نہین ہین، اس لئے یہ اشعار ضروری ہین،

(۲) تیسرے اور چوتھے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ ابو العلار گنجوی کی عمر اُس وقت ۵۵ سال کی ہو چکی تھی، اور چھٹی دہائی میں تھی،

(۳) منوچہر خاقان شروان اس وقت زندہ تھا، موسیو خانیکوف (Khanikof) نے تذکرۂ خاقانی (اورنٹیل کالج میگزین اگست ۳۶ء ص ۵۲) میں ابو العلار گنجوی کی مفروضہ تاریخ پیدایش سنہ ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء اور سنہ ۴۹۰ھ/۱۰۹۶ء کے درمیان بتائی ہے، اس حساب سے وہ اشعار شاعر کی ۵۵ سالہ عمر میں یعنی سنہ ۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء اور سنہ ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء کے درمیان لکھے گئے ہون گے، یعنی جب کہ عمادی اور سنائی قضا کر چکے تھے، لیکن صحیح یہ ہے کہ سنائی نے سنہ ۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء میں معزی کا مرثیہ لکھا تھا، اس لئے وہ اشعار یقیناً سنہ ۵۴۲ھ کے بعد کے ہون گے،

اب دوسری طرف آئیے تو معلوم ہوگا کہ منوچہر جس کی وفات زمبر (Zambour-Manuel de Genealogie - ص ۱۸۲) کے قول کے مطابق سنہ ۵۵۰ھ/۱۱۵۵ء ہے، ان اشعار میں ممدوح ہے تو ثابت ہوا کہ وہ اشعار سنہ ۵۵۰ھ کے پہلے اور سنہ ۵۴۲ھ کے بعد کسی وقت اُن شعرار کے انتقال کے بعد لکھے گیے ہون گے، اغلب ہے کہ وہ زمانہ سنہ ۵۴۵ھ ہی کا ہوگا، جب کہ سنائی کی وفات (محققین کے نزدیک) ہوئی تھی،

اب ہم دوسرے شاعر یعنی عمادی شہریاری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو عمادی غزنوی (م سنہ ۵۲۵ھ) کے بہت بعد تک زندہ رہا ہے، علی گڈھ والے مخطوطے میں ایک قصیدہ یہ ملتا ہے :-

زان گہ کہ در تصرف این سبز گلشنم ۔۔۔ در کام اژدہاے نیازاست مسکنم
در حلق ہمچو حلقۂ دامی شود مرا ۔۔۔ ہر دانۂ کہ از پئے صیدے پراگنم
محتاج آب ودانہ نیم از براے آنک ۔۔۔ غم جائے نان وآب گرفتست در تنم
باز سپید دانشنم ودر ہمہ جہان ۔۔۔ جز آستان شاہ نہ باشد نشیمنم
خسرو ملک طغان کہ ز بس لطف شاملش ۔۔۔ از منت عطاے وی آسودہ شد تنم

ا؎ یہ قصیدہ دراصل سید حسن غزنوی (م سنہ ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء) کی تقلید میں ہے، جس نے سنہ ۵۴۵ھ میں لکھا تھا :-

اس قصیدے میں ممدوح ملک طغان ابن ملک مؤید آی آبہ (ف ۵۶۲ھ/۱۱۶۷ء تا ۵۹۱ھ/۱۱۹۵ء) حاکم نیشاپور ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ عمادی غزنوی (المتوفی تا ۵۲۵ھ/۱۱۳۰ء) کا قصیدہ نہیں ہے، بلکہ بہت ممکن ہے کہ اوہ عمادی شہریاری کا ہو، کیونکہ مختلف تذکروں میں اُسی سے منسوب ہے، اور ایک ہی مجموعے میں پایا جاتا ہے، اسی طرح ذیل کا قصیدہ ہے، جو غلطی سے لباب (ج ۲، ص، ۲۵ بعد) میں عمادی غزنوی سے منسوب کر دیا گیا ہے :-

گنبد مشکین شد دست چرخ زبوے ہبا   غالیہ پیوند گشت باد ز رخسار یار

خسرو گردون کمند شاہ جہان پہلوان   آن کہ کند کوہ را ہیبت او اشک بار

گرچہ یقین واند آنک عمر نہ باشد دوبار   بہ در تو می رود عمر عمادی خوش است

یہ قصیدہ اتابک محمد جہان پہلوان" (۵۶۸ھ/۱۱۷۲ء تا ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء) کی مدح میں ہے گو کہ علامہ قزوینی (بیست مقالہ ج ۲ ص ۲۶۹ سطر ۲-۵) کو اس میں شک ہے، غالبًا اس وجہ سے کہ "جہان پہلوان" کسی بھی بادشاہ کا خطاب ہو سکتا ہے، اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ

"این مدت طویل براے دورۂ فعالیت شاعر تا اندازۂ نادراست ولے مستبعد نیست عادۃً"

لیکن اُن کا یہ خیال محض اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے بھی ایک ہی عمادی تصور کیا ہے، حالانکہ دو شاعر اس تخلص کے تھے، میرا خیال ہے کہ یہ قصیدہ اتابک محمد جہان پہلوان ہی کی مدح میں ہے، بلکہ اس کے بہت بعد کے شہاب الدین غوری کے بھانجے ملک ناصر الدین الب غازی والی ہرات (المتوفی ۶۰۹ھ، لباب، ج ۱، ص ۳۳۱) کی مدح میں بھی چند اشعار اسی عمادی شہریاری سے منسوب ملتے ہیں، اور وہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۵) جان می برد بہ عشرت حوران گلشنم   دل می کشد بہ خدمت دیوان گلخنم

از سال پانصد و چہل و پنج گر بنیا   عدمی نگر کہ معجزۂ عیبۂ خود منم

لباب (ج ۱، ص ۱۸۱-۱۹۱) میں دوسرے شاعروں کے اشعار اسی زمین میں ملتے ہیں۔

شمس الدین محمد کی کتاب المعجم (مرتبۂ قزوینی ص ۰ ۰ ۱) مین اس طرح ہین :-

تا چند ز صحبت مجازی ۔ تا کے سخنان نا نمازی

خود قول بود بدین دروغی ۔ خود عشوہ بود بدین درازی

اکنون بارے شکر فراخ ست ۔ یعنی لب لعل الب غازی

ہمارے مخطوطے مین ان ممدوحین کے علاوہ کچھ اور بھی ہین، جن کے متعلق تاریخ بالکل خاموش ہے، اسی لئے یہ فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے کہ ایسا کونسا کلام کس عمادی کا ہوسکتا ہے تاہم ان اشعار کا نقل کر دینا مناسب ہوگا، جن سے اُن کی شخصیتون پر روشنی پڑ سکتی ہے :-

مشروح روح منتخب الدہر کز شرف ۔ رایش بر اوج گنبد دوار می رود

مہدی خود محمد نعمان کہ از ہنر ۔ بر سیرت محمد مختار می رود

چون نسب گوئی امیر ابن الامیر ۔ چون لقب جوئی مجیر ابن الظہیر

بہ ہمہ روزگار لات نجات ۔ از در سید امام زدہ ایم

فرق فرقد امام قطب الدین ۔ تکیٔ دین کدام قطب الدین

ناصر الدین پہلوان سخن ۔ پہلوان و خدایگان سخن

تکیہ گاہ افاضل دنیا ۔ آن کہ اورا ندیدہ کس ہمتا

از بہر پناہ می نیاید ۔ جز عز الدولہ شہریارکو

عبد الواحد کہ گوش گردون

نشنید چنو زمانہ وارے

راو ہمایون کعب عبد الجلیل ۔ نسخت اقبال زمین تا بہ لام

عنصر دولت محمد شرف الدین ۔ کز کف او حاصل بحار برآمد

۵ عبد الصمد اکرم الخلایق سرمایۂ بخت جاودانہ[1]

---

[1] سید حسن غزنوی کا بھی ایک ممدوح عبد الصمد ہے، جو عباسی ہے :-

گہر نتیجۂ بحر است بر خلافِ قیاس نتیجہ آمد بحرے ز گوہر عباس

ابو المحاسن عبد الصمد کہ بخت ابد بنائے دولت او را بہ دو نہاد اساس

اسی عہد میں عبد الواسع جبلی (م ۵۵۵ھ) کا بھی ایک ممدوح اس نام کا ہے لیکن وہ سید یا علوی ہے :-

عبد الصمد عزیز ملوک و نصیر دین کز عقل ہست عاقلۂ نسل بو البشر

نور دو سرور چشم و دل حمزہؓ و علیؓ آن مایۂ بزرگی و پیرایہ ہنر

اس کے متعلق ہم معارف (ستمبر ۱۹۴۶ء) میں دے چکے ہیں، لباب (ج ۲۔ ص ۱۲۴) میں ادیب صابر کے تین شعر کسی عمادی کے متعلق ملتے ہیں، ممکن ہے کہ وہ غزنوی کے متعلق ہوں،

ہندوستان کی کہانی

ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان میں لکھا گیا ہے، تاکہ ہمارے مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکیں، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچوں کے نصاب میں شامل کیا جائے، تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا ہیں، از مولوی عبد السلام قدوائی ندوی،

ضخامت :- ۷۰ صفحے،

قیمت :- عہر

"منیجر"

ہندوستان میں علم حدیث

(بہ سلسلۂ امام شوکانی)

از

مولوی ابو یحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

(۲)

امام شوکانی کی ممتاز و مجتہدانہ تصنیف منتقیٰ کی شرح (نیل الاوطار) من اسرار منتقی الاخبار کو اسی نسبت تلمذ وتساوی فی العقائد کے تعلق سے امیر الملک ہی نے چھپوا کر اقصائے عالم میں پھیلایا، متن میں نیل اور حاشیہ پر عون الباری بحل ادلۃ البخاری ہے، یہ نواب صاحب کی تالیف ہے، نسخۂ صدیقی کے بعد ایک مرتبہ نیل الاوطار اور بھی چھپی، مگر اب دونوں نایاب ہیں،

امام اور نیل الاوطار کے تذکرہ میں امیر الملک کی مملکت علم کے اس باب کا حوالۂ قلم کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ ممدوح ایسی کتابیں کہاں سے کس طریق سے اور کن حضرات کی وساطت سے حاصل فرماتے تھے، اس کا کچھ حال اپنی ایک مختصر تالیف العلم الخفاق من علم الاشتقاق میں فرماتے ہیں، معارف (ج ۲۵ نمبر ۳ ص ۱۹۲) بضمن تنقید المبین اس کا ذکر جناب سید صاحب زاد مجدہٗ کے قلم سے بھی آچکا ہے،

علم الاشتقاق ...... کا یہ باب جو ص ۱۱ سے ۲۵ تک میں پھیلا ہوا ہے، بہت ہی دلچسپ ہے، وہ وہ تمام خط وکتابت من وعن درج ہے، جو اس سلسلہ میں جاری رہی چنانچہ ۲۸، اہل علم تھے، جو امیر ملک کی ہدایت کے مطابق ان جواہرات کی جستجو حجاز میں کرتے رہے، اور معادن نجد سے یہ ہیرے

نکالے گئے، اسی طرح بازار مصر میں اس یوسف گم گشتہ کی تلاش جاری رہی، ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں یہ موتی ڈھونڈے گئے، اور مولانا علی عباس چریا کوٹی، دکن (دولت خداداد حیدرآباد دکن) میں سرگرم جستجو ہوئے[۱] اور ممالک حجاز میں شیخ حسین بن محسن انصاری (م ۱۳۲۷ھ) جیسے تیز نظر جوہری قریہ بقریہ نظر جمائے رہے، یہ حضرت نواب کے شیخ فی الحدیث بھی تھے، نور الحسن صدیقی کے مرخیل بھی یہی عرب شیخ ہیں، ان کے زمانہ قیام بھوپال میں شاگرد اپنے استاذ سے احادیث کے مآخذ میں استمداد کرتے ہیں، ایک ایک حدیث پر شیخ کی خدمت میں کچھ نہ کچھ رقم پیش ہوتی ہے، اللہ اللہ یہ کیسی شاہانہ علم نوازی تھی،

بکوے میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود!
کہ جوش شاہد و ساقی و شمع و شعلہ بود!

شیخ گرم ملک کے باشندے ہیں، اجلال میں آکر نواب والاجاہ امیر الملک بھوپال سے ایسے الفاظ بھی کہہ دیتے تھے، جو شیخ کے مزاج کے تو موافق تھے، مگر ہندوستان کے ایک والیٔ ریاست کے لئے جو تخت شاہی پر متمکن ہو، سر پر شاہی چتر، جلو میں خدم و حشم ہوں برداشت کرنا، اس کے غیر معمولی تحمل و برداشت کی دلیل ہے،

درخرابات مغان نور خدا می بینم
وین عجب بین کہ چہ نورے زکجا می بینم،

سر پر کلاہ و تیتری سہی، مگر صفتیں سب درویشانہ تھیں، اور ایسے درویش کہ نرگس ہزاروں سال اپنی بے نوری پہ رو کر صدیق الحسن جیسا دیدہ ور پیدا کر سکی،

ہر نکتہ کہ گفتم در وصف آن شمائل
ہر کس شنید او گفتا للہ در قائل

---

[۱] علم الاشتقاق ..... ص ۱۰۰ تا ۹۸

ان کے شیخ الحدیث کی زبان سے جو کچھ ادا ہوتا لب لعل شکر خارا سمجھ کر جواب تلخ بھی گوارا کر لیتے،

بہر روئے عہد علم مین، پروان چڑھے تو نعمت علم کے دوش پر کہولت مین بھی عصائے پیری علم ہی ہے،

سر تسلیم من و خاک رہ میکدہ ہا

مدعی گر نکند فہم سخن گو سر و خشت

اوران ۲۰ حضرات کی اس خط وکتابت مین سے جو تلاش نوادر کے لئے ہے، حضرت جناب شیخ حسین محدث یمنی الانصاری کے توسط سے جو گرانمایہ جواہر دستیاب ہوئے، ان مین نیل الاوطار کی ساتون جلدون کے علاوہ حسب ذیل کتابین تھین،

۱۔ " تیسیر البیان للموزعی مجلد "

۲۔ " قوت المغتذی علی الترمذی للسیوطی

۳۔ " حاشیہ علی النسائی

۴۔ ادب الکاتب

۵۔ نثر الجواہر علی حدیث ابی ذر للشوکانی،

۶۔ الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید،

۷۔ رسالتین فی رد القول بفناء النار،

۸۔ رسالہ للشوکانی ایضاً فی مذہب السلف من اجراء الصفات علی ظاہرہا من غیر تاویل،

۹۔ تفسیر ابن القیم، اس نام سے ایک کتاب ملی، جو دراصل علامہ ابن جوزی کی تفسیر مسمی زاد المسیر تھی،

۱۰۔ فتاوی الشوکانی،

۱۱۔ حاشیہ تیسیر الوصول،

۱۲۔ روح الروح[۱]

۱۳۔ فتح الباری مع مقدمہ کا نسخہ فقیہ عمر سندھی کے اخلاف سے حاصل ہوا،

۱۴۔ الدرر الفاخرۃ الشاملہ لسعادۃ الدنیا والآخرۃ

اس کے بعد حضرت شیخ حسین بن محسن محدث الانصاری کی سعی و برکت سے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ تک ذیل کے خزائن علم امیر ملک ریاست دین کے قبضہ میں پہنچے،

۱ زاد المعاد .... مجلد ۱،

۲ مجمع الزوائد حافظ الہیثمی .... مجلد ۵

۳ جامع بالاستکتاب، مجلد ۲

۴ ضوء النہار علی الازہار للسیوطی مجلد ۲

۵ منحۃ الغفار علی ضوء النہار للسید محمد الامیر، مجلد ۲

۶ الدرر الفاخرہ للشوکانی، مجلد ۱

۷ شرح تنقیح الانظار للسید محمد الامیر نسخۃ المؤلف..... مجلد ۱

۸ شرح العمدۃ لابن دقیق العید مع حاشیہ السید محمد الامیر بخط حسن الجمیع، ..... مجلد ۱

۹ النصف الاول ایضاً من العمدۃ للسید الامیر نسخۃ ولد المصنف، .... بخطہ

۱۰۔ فتح الرحمان فیما اشکل منہ آیات القرآن، للقاضی زکریا الانصاری، ..... مجلد ۱

۱۱ طوق الحمامہ شرح القصیدۃ البسامہ شرحین کاملین،...... مجلد ۲

۱۲ کتاب نزہۃ الناظرین فیمن ولی مصر من الخلفاء والسلاطین للشیخ مرعی،

۱۳۔ کتاب السیادۃ للقلعی........... مجلد ۱

---

[۱] علم الاشتقاق..... ۲ تا ۵ ۱۳۵۲ھ، ص ۳۳ تا ص ۳۵،

۱۴- کتاب ما وقع من الفاظ الشعراء العرب مع الشرح .... مجلد ۱

۱۵- فلک القاموس ترجمہ صاحب العواصم والقواصم مع تلخیص خلاصہ ما فی العواصم تلخیصاً حسناً لحفیدہٖ صاحب العواصم ...... کراستین

۱۶- تکملۃ فتاوی الشوکانی ..... مجلد ۱[51]

امام شوکانی کے ہندوستانی شیوخ سند اہل شوق کے لئے امام شوکانی کے ان شیوخ سند کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جن کا وطن ہندوستان ہے، اگرچہ یہاں سرو حدیث کے وہ نغمے پیدا نہیں ہوئے، جو دوسرے اسلامی ملکوں کی شہرت کا سبب بنے، مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں، یہ آواز دھیمی سنائی دے رہی ہے، افسوس یہ ہے کہ فقہ و قیاس کے ہنگاموں میں یہ بھی دب گئی کہ سنانے والے ہی ترک وطن پر مائل ہوگئے، (الا ماشاء اللہ ربک)، ان مہاجرین وطن میں سب سے پہلے ابو الحسین عبد الغافر غزنوی (م ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء) اور ان کے صاحبزادے ہیں، جن کا وطن غزنہ تھا، مگر نیشاپوری الفارسی کہلائے[52]، اسی طرح امام حسن صغانی اللاہوری صاحب مشارق الانوار (م ۶۵۰ھ / ۱۲۵۲ء) شیخ ابو الحسن عبد الہادی سندھی صاحب حاشیۃ البخاری (م ۱۱۳۹ھ / ۱۷۲۶ء) سید بلگرامی مرتضی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) شیخ محمد عابد سندھی المدنی (م ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء)

---

[51] علم الاشتقاق .... ص ۱۰۰، [52] شیخ عبد الغافر غزنوی کا ہندوستانی ہونا بربنائے نص مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی ہے، غزنہ کے متعلق ہے "من اول بلاد الھند ذکرہ السمعانی" (الفوائد البھیۃ ص ۲۰) مولانا مرحوم کی تحریر کے مطابق (یعنی فی تذکرۃ الخطابی مؤلف معالم السنن شرح سنن ابی داؤد) فرماتے ہیں،

" ان سے الحاکم ابو عبد اللہ الحافظ ابو الحسین عبد الغافر الفارسی اور ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے، الحاکم تاریخ نیشاپور میں ذکر کیا ہے، (تعلیق المجد ص ۲۴)"

لیکن نواب صاحب نے اس نام: عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر بن محمد الفارسی الحافظ)

شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء) قطب الدین محمد اور سید غضنفر بن سید جعفر نہروانی وغیرہ ہیں

امام شوکانی کے ہندوستانی شیوخ السند حسب ذیل ہیں :-

۱- قطب الدین محمد بن احمد بن محمد النہروانی (یہ صحیح بخاری میں ۵ واسطوں سے) اور مشارق الانوار صغانی اللاہوری میں بھی شیخ السند ہیں،[۵۱]

۲- قطب الدین محمد بن احمد نہروالی کے والد یعنی احمد بن محمد المذکور،[۵۲]

۳- عبد اللہ بن ملا سعد اللہ اللاہوری (صحیح بخاری میں)[۵۳]

۴- شیخ ابو الحسن عبد الہادی سندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء)[۵۴]

۵- شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء)[۵۵]

۶- عبد الغافر (ابو الحسین) غزنوی نیشاپوری فارسی (م ۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء)[۵۶]

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۳) سے جن صاحب کا تذکرہ فرمایا ہے، وہ مولانا عبد الحی صاحب کے مسمی (عبد الغافر) نہیں، بلکہ اُن کے پوتے ہیں، جو المفہم شرح غریب صحیح مسلم، وکتاب مجمع الغرائب فی غریب الحدیث کے مولف بھی ہیں، ان کا سنہ وفات ۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء ہے، (اتحاف النبلاء المتقین ص ۳۰۲) یہ ابو الحسین عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر نہ تو خطابی کے شاگرد ہو سکتے ہیں کہ خطابی کا سال وفات ۳۸۸ھ/۹۹۸ء ہے، (اتحاف النبلاء ص ۲۴۶) اور عبد الغافر (ابو الحسین) حاکم صاحب مستدرک کے ہم سبق بھی نہیں، کہ حاکم کی تاریخ وفات ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء ہے،

۵۱ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶، ۹۶ ۵۲ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۱ ۵۳ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۷۱، ۵۴ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۱۰۵ ۵۵ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۵۹ ۵۶ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۲۰۰، ص ۵، ص ۳ وصفحہ ۹۳، وصفحہ ۱۰۳، صفحہ ۱۰۶، وصفحہ ۱۰۵.

۷- حسین بن ابوالحسینؒ عبدالغافر (المذکور) غزنوی نیشاپوری،

۸- سید غضنفرؒ بن سید جعفر نہروالی، مشکوٰۃ و مؤلفات حاجی (مولانا عبدالرحمٰن) میں،

۹- میرکلان محدث اکبرآبادی جن کا ذکر بسلسلۂ شیوخ ملا علی قاری (جناب فخر الاماثل) مولانا سید سلیمان صاحب نے بھی معارف میں فرمایا ہے[۲]

(باقی)

---

[۱] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۹۰، و ص ۹۷ و ص ۳۲ و ۲۳۳ [۲] معارف ج ۲۲ نمبر ۴ ص ۲۶۶ [۳] اتحاف الاکابر، ص ۹۱،

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب رفیق دارالمصنفین

جس طرح ہر جاندار کے لئے جسم کے ساتھ روح کا ہونا ضروری ہے، کہ اسی پر اس کی زندگی کا مدار ہے، اور روح کے بغیر وہ ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا، بالکل یہی حال انسانی اعمال کا ہے کہ اس کے ہر عمل کی ایک روح ہوتی ہے، اگر کوئی عمل اس روح سے خالی ہے تو اس کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ اہمیت،

روح صرف انسانی اعمال میں ہوتی ہے

لیکن انسان اور حیوان کے اعمال میں بڑا فرق ہے، حیوانات چونکہ علم و عقل اور فہم و تدبر سے محروم ہیں، اس لئے کسی کام کے مکلف نہیں، اُن سے افعال کا صدور طبعی طور پر ہوتا ہے، تشریع کو اس میں دخل نہیں ہوتا، اس لئے ان کے اعمال کے صحیح، غیر صحیح، باروح و بے روح ہونے کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، لیکن انسان . . . کا حال ایسا نہیں ہے، چونکہ اسے علم و عقل اور فہم و تدبر عطا کیا گیا ہے، اس لئے اس کے افعال کے صدور میں تکوین سے زیادہ تشریع کو دخل ہے، اس کے افعال کی نوعیت وہ نہیں ہے، جو حیوانات کی ہے، اس کا ہر عمل طبعی طور پر تشریع کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے، اس لئے عمل کے صحیح و غیر صحیح اور باروح و بے روح ہونے کا سوال صرف انسان ہی کے اعمال میں پیدا ہوتا ہے، اور وہی اس کا مکلف ہے،

کافر و مومن کے اعمال کا فرق

جس طرح حیوان اور انسان کے افعال میں بہت بڑا فرق ہے، اسی طرح انسان کے دو گروہوں مومن و کافر کے افعال میں بھی کافی فرق ہے،

انسان کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے گو کافر بھی تکلیف شرعی کا مورد ہے، اور اس کی تمام پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے لیکن عملاً چونکہ اس کی زندگی میں تشریع کی کارفرمائی نہیں ہوتی، اور اپنے کو کسی کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا، اس لئے اسے اپنے اعمال کے صحیح خالص اور بار وح ہونے کی بھی کوئی پروا نہیں ہوتی، لیکن مومن کا حال ایسا نہیں ہے، وہ اپنے کو بالقوہ اور بالفعل دونوں طرح تشریع کے حدود وقیود میں محسوس کرتا ہے، اس لئے اسے ہر عمل کے وقت اس بات کی بھی فکر ہوتی ہے، کہ اس کا یہ عمل تشریعی پابندیوں کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں ؟ وہ جو عمل کر رہا ہے، اس میں روح بھی پڑ رہی ہے یا نہیں ؟ وہ عنداللہ مقبول بھی ہوں گے یا نہیں ؟ اس بنا پر کافر و مومن کے اعمال میں بھی عملاً وہی فرق ہے، جو انسان و حیوان کے افعال و اعمال میں ہے،

اس سے یہ بات ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ جس طرح انسان کا جسم بغیر روح کے بے حقیقت ہے، اسی طرح اس کا عمل بھی بغیر اس کی روح کے لاشۂ محض ہے،

نماز ایک امر تشریعی ہے، اس کے لئے بھی جسم و روح ہے، اس کی ادائگی کے بہت سے ارکان و شرائط، اور اس کے مقبول و صحیح ہونے کے بہت سے اسباب و ذرائع ہیں، اس لئے ایک مومن کا فرض ہے کہ وہ جب بارگاہ قدسی میں حاضر ہو، تو ان ضوابط اور ذرائع کا لحاظ رکھے تاکہ اس کا یہ عمل ضائع نہ ہونے پائے، اور وہ عنداللہ مقبول بھی ہو، یوں تو نماز کے مقبول اور صحیح ہونے کے لئے بہت سے شرائط و ارکان اور ضوابط ہیں، مگر سب کی حیثیت یکساں نہیں ہے، بعض کی حیثیت اصل کی ہے، بعض کی فرع کی، بعض جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں، بعض برگ و بار کی، لیکن نماز میں جس چیز کو سب سے زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہے اور جس کے گرد سارے دوسرے ارکان گردش کرتے ہیں، وہ "صفت خشوع" ہے، اس کو نماز سے وہی نسبت اور تعلق ہے، جو روح کو جسم اور غذا کو زندگی سے ہے، اگر نماز اس خشوع سے خالی ہے، تو خدائے قدوس کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں،

ہم کو قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف کی روشنی میں اس کی حقیقت و ماہیت اہمیت و فضیلت اور اس کے حصول کے ذرائع معلوم کرنا چاہئیں، اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئے، کہ اس صفت سے متصف ہونے والون کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا کیا مقامات اور درجات ہین،

خشوع کے لغوی معنی ہین بدن جھکانا، آواز پست ہونا، نظر نیچی ہونا، اور قلب مین خوف کا پیدا ہونا (لسان العرب) یعنی ہر عضو سے عجز و انکسار کا اظہار ہو رہا ہو، قرآن نے خشوع کو ان تمام معنون مین استعمال کیا ہے،

وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ	اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے
لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا،	تو تو اوس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف
(حشر-۲)	سے دب جاتا،
وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ	اور تمام آوازین اللہ تعالیٰ کے سامنے
فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا، (طٰہٰ-۱۱)	(مارے ہیبت کے) دب جاوین گی تو تو
(قمر-۱)	بجز پاؤن کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا،
خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ	اُن کی آنکھین جھکی ہون گی،
اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ	کیا ایمان والون کے لئے اس بات کا
قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ	موقع نہین آیا، کہ ان کے دل خدا کی نصیحت
مِنَ الْحَقِّ،	کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے
(حدید-۲)	سامنے جھک جاوین،

مگر یہ سب تو خشوع کے مظاہر ہین، خشوع کا اصلی مقام قلب ہے، اعضاء و جوارح سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے، کہ قلب کی اس کیفیت کا اظہار انہی کے ذریعہ ہوتا ہے، قلب مین خشوع و خضوع،

خوف ورجا، ہیبت وجلال کی جو کیفیت پیدا ہوگی، اعضا سے اسی کا اظہار ہوگا، ایک شخص نماز کے اندر اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ

لو خشع قلبه خشعت جوارحه	یعنی اگر اس کے دل میں خوف ہوتا، تو اس کے اعضا سے بھی خشیت ظاہر ہوتی،

بعض علما نے خشوع کی تعریف میں لکھا ہے،

(الخشوع) هو معنى يقوم بالنفس يظهر عنه سكون في الاطراف	خشوع ایک ایسی کیفیت ہے کہ جو دل میں قائم ہو جاتی ہے اور اس کے ذریعہ اعضا سے سکون وطمانیت ظاہر ہوتی ہے،

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

الخشوع قيام القلب بين يدی الرب بالخضوع والذل والجمعية عليه،	خشوع یہ ہے کہ بارگاہ قدسی میں دل کو عجز و نیاز اور جمعیت و سکون سے حاضر رکھا جائے،

خشوع کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ سے ادا نہیں کیا جا سکتا، اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر آپ کسی پر ہیبت جلال شخص کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو اس وقت آپ کے ذہن و جسم پر جو اثر مترتب ہوگا، یا جو کیفیت طاری ہوگی اسی کو عربی میں خشوع کہتے ہیں، نماز میں بندہ اپنے سب سے بڑے مالک الملک کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، اس سے زیادہ پر ہیبت و پر جلال ذات کونسی ہو سکتی ہے اس لئے اس کے ذہن و جسم قلب و دماغ پر اس وقت اس کیفیت کا طاری ہونا یا طاری کرنا ضروری ہے، عبادت کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی ہے، کہ جب عبد اپنے معبود کے سامنے کھڑا ہو تو اس کی ہر ادا سے عبدیت کا اظہار ہو جس کا تقاضا عجز و نیاز تواضع و خاکساری ہے،

نماز میں جن لوگوں پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے اور جو اس صفت سے متصف ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہی کیلئے دنیا کی فلاح اور جنۃ الفردوس کا وعدہ کیا ہے،

قد افلح المومنون الذین ھم فی	یقیناً ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو
صلاتھم خاشعون	اپنی نماز میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں
اولئک ھم الوارثون الذین	اور ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں
یرثون الفردوس ھم فیھا	جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے،
خالدون، (مومنون ۱۰)	وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے،

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:

خاشعون خائفون، ساکنون	یعنی خاشعین فی الصلوٰۃ وہ لوگ ہیں جن کا دل خشیت الٰہی سے لبریز اور جسم پر سکون و طمانیت کی کیفیت طاری ہو،

حضرت ابو درداؓ اس کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:-

اعظام المقام واخلاص المقال	جب اس کے سامنے کھڑے ہو جائے تو
والیقین التام وجمع الاھتمام	اس کی عظمت سے دل معمور ہو، جو اس سے
یتبع ذلک ترک الالتفات	کہا جا رہا ہو، اس میں اخلاص ہو، دل یقین کی دولت سے مالا مال ہو، جمعیت خاطر اور اہتمام ہو، پھر اسی کے ضمن میں ترک التفات

ایک دوسری جگہ قرآن نے جہاں مومنین کی بہت سی صفات بیان کی ہیں، اور ان صفات سے متصف ہونے والوں کے لئے جنت کا وعدہ کیا ہے، ایک صفت خشوع بھی ہے،

والصابرین والصابرات و	صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی
الخاشعین والخاشعات	عورتیں اور خشوع رکھنے والے مرد اور
اعد اللہ لھم مغفرۃ و اجراً	خشوع رکھنے والی عورتیں ...ان کے لئے اللہ
عظیماً، (احزاب - ۶)	تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے،

بعض لوگوں پر یہ کیفیت صرف نماز ہی میں نہیں طاری ہوتی، بلکہ ہر وقت طاری رہتی ہے، جہاں محبوب حقیقی کا ذکر چھڑا، اُن کے دل میں خشیت طاری ہوگئی، جہاں ان کا کلام پڑھا گیا، وہ سُن کر لرزہ براندام ہوگئے،

اللہ تعالیٰ انہی کے بارے میں فرماتا ہے،

اذا یتلی علیھم یخرون للاذقان	اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہی روتے ہوئے
ویبکون ویزیدھم خشوعاً (بنی اسرائیل)	اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے،

سورۂ انبیاء میں انبیاء کے ذکر کے بعد ان کے متعلق بھی یہی ارشاد ہے، کہ

ویدعوننا رغباً ورھباً وکانوا	اور وہ لوگ (انبیاء) امید و بیم کے ساتھ
لنا خاشعین،	ہماری عبادت کرتے ہیں، اور ہمارے سامنے
(انبیاء-۵)	دب کر رہتے ہیں،

صفت خشوع کے پیدا کرنے کے لئے کوشش و مجاہدہ

مگر اس مقام کے حصول کے لئے مسلسل کوشش اور مجاہدہ کی ضرورت ہوا جب ذہن و چشم قلب و دماغ پر پورے طور سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ہیبت و جلال کا تصور چھا جائے، اس وقت یہ مقام حاصل ہوتا ہے، چنانچہ صحابۂ کرام کو بھی اس وقت تک اس کا مکلف نہیں بنایا گیا، جب تک ان میں اس کی پوری صلاحیت پیدا نہیں ہوگئی،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس آیت

الم یان للذین آمنوا ان تخشع	کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا
قلوبھم لذکر اللہ و ما نزل	موقع نہیں آیا، کہ ان کے دل خدا کی
من الحق،	نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس
(حدید ۲)	کے سامنے جھک جائیں،

کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں،

ما کان بین اسلامنا و بین عتابنا	یعنی ہمارے قبول اسلام اور اس آیت
اللہ تعالیٰ بھذہ الآیۃ الا	کے ذریعہ خشوع کے نہ پیدا کرنے والوں
اربع سنین	کے بارے میں عتاب کے درمیان چار
	سال کا فصل ہوا،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں :-

ان اللہ استبطاء قلوب المومنین	پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب کو
فعاتبھم علی راس ثلاث عشرۃ	اس کے لئے آہستہ آہستہ تیار کیا پھر نزول
سنین من نزول القرآن[1]	قرآن کے تیرہ برس بعد وعید فرمائی،

برائیوں کے زہر سے بچنے کے لئے نماز سب سے بڑا تریاق ہے، انسان دنیا کے کاروبار میں لگا ہوتا ہے، اس کے خیالات پراگندہ ہوتے ہیں ہیں اسی حالت میں جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے

---

[1] پہلی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اسلام اور نزول آیت کے درمیان کا فصل بتایا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نزول قرآن اور اس آیت کے نزول کے درمیان کا فصل بتایا ہے۔ اس لئے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے،

تو اس کے دل و دماغ اور جسم و اعضا پر ہر قسم کی پابندی عائد ہو جاتی ہے، اس لئے اس پر نماز کی ادائگی بڑی ہی شاق ہوتی ہے، لیکن جو لوگ کہ اس کیفیت خشوع سے سرشار ہوتے ہیں، ان کے لئے یہ تمام دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں،

وَاسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ	اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ
وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ	نماز دشوار ضرور ہے، مگر جن کے قلوب
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا	میں خشوع (کی دولت) ہو ان پر کچھ بھی
رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ	دشوار نہیں، وہ خاشعین وہ لوگ ہیں
(البقرہ ع ۵)	جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک
	ملنے والے اپنے رب سے اور اسی کی طرف واپس

اس آیت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ خاشعین کی صفت الذین یظنون انھم ملقوا ربھم لائی گئی ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں خشوع پیدا کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ بندہ کے ذہن پر جزاء اعمال اور قیامت کی ہولناکیوں کا تصور پورے طور پر چھایا ہوا ہو، اور اسے اس بات کا پورا یقین ہو کہ ایک دن اسے مالک یوم الدین کے سامنے حاضر ہونا ہے، جبتک یہ تصور اس کے ذہن پر چھایا ہوا نہ ہوگا، اس پر خشوع کی پوری کیفیت کا پیدا ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ جب اس کا پورا اذعان ہو کہ ہم سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں، ایک دن ان کا محاسبہ ہوگا، اور ہمیں اس کی جزا یا سزا ملے گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا، ہمارے ذہن پر عجز و نیاز خوف و خشیت کی کیفیت طاری، اور ہماری ساری ذہنی و جسمانی توجہ اسی عمل کی طرف مبذول ہو جائے گی، اور ہم کو محسوس ہوگا، کہ ہم اپنے مالک الملک کے سامنے کھڑے ہیں، خشوع کا یہی مقصد اور اس کی یہی روح ہے، کہ بندہ ماسوا سے بالکل کٹ کر پوری عبدیت کے ساتھ خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے۔

خشوع کے بارے میں ایک نکتہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ خشوع کا مطالبہ تو انسان کے ہر فرد سے ہے، مومن دنیا میں اپنے عجز و انکسار، ذلت و مسکنت اور نیازمندی سے (خشوع کے) اسی مطالبہ کو پورا کرتا ہے، اس لئے قیامت میں وہ اس کی جزا میں عزت و وقار اور انعام الٰہی سے سرفراز ہوگا، لیکن کافر دنیا میں اس مطالبہ کو پورا نہیں کرتا، اس لئے مومن کی یا اختیاری ذلت و مسکنت اس کی (کافر) طرف منتقل کردی جائے گی، اور اس سے یہ مطالبہ قہر و غضب کے ساتھ پورا کرایا جائے گا، مومن سے دنیا میں اس اختیاری ذلت کا مطالبہ عقبیٰ کی عزت کے لئے کیا گیا تھا، کافر نے چونکہ اس کو پورا نہیں کیا، اس لئے اس سے قیامت میں یہ مطالبہ اس کی روسیاہی و رسوائی کی صورت میں پورا کرایا جائے گا، چنانچہ قرآن نے اسے بار بار بیان کیا ہے،

خشعًا ابصارھم،	(قیامت کے روز) ان کی (کفار) آنکھیں جھکی ہونگی،
خاشعین من الذل ینظرون من طرف خفی،	مارے ذلت کے جھکے ہوں گے، شکستہ نگاہ سے دیکھتے ہوں گے،
وجوہ یومئذ خاشعۃ	بہت سے چہرے اس روز ذلیل ہوں گے

(باقی)

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے کچھ حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس میں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی و اکبر تک کے حالات،

قیمت :- ۵ضخامت :- ۵۲۸ صفحے

"منیجر"

استفسار و جواب

رائے پنڈت چندربھان برہمن

اور

ان کی تصنیفات

جناب پرسرام وتس صاحب { "پنڈت چندربھان برہمن جو حضرت شاہجہان صاحبقران اور ان کے ولی عہد دارا شکوہ کے میر منشی تھے، میرے
موضع منگا، ضلع فیروز پور،

اجداد میں سے تھے، ان کی تصانیف منشآت برہمن، چہار چمن، نگار نامہ، گلدستہ، تحفۃ الفصحاء، مجموعۃ الفقراء، تذکرہ فارسی شعراء وغیرہ ضخیم مجلدات ہیں، آپ کی وسعت مطالعہ اور معلومات کا ذکر میرے مسلمان دوست اکسٹرا اسسٹنٹ صاحب نے کیا، تو میں نے آپ کو تکلیف دی، تحریر فرمادیں کہ میں کہاں کہاں سے ان کتابوں کو اور ان کی کسی سوانحعمری یا تذکرہ کو دیکھ پا سکتا ہوں، وہ ذرائع تحریر فرمادیں، تاکہ میں ان کی زیارت کرسکوں، احسان مروت اور مہربانی سے میری دعائیں حاصل کیجئے،"

معارف :- گرامی نامہ ملا، خوشی ہوئی کہ رائے پنڈت چندربھان برہمن کی یاد کو تازہ کرنے والے ان کے اخلاف موجود ہیں، ان شخصیتوں کے نام اور ان کے کارنامے ہندوستان کے اس درخشاں عہد کو یاد دلاتے ہیں، جب یہاں ہندو اور مسلمان شیر و شکر تھے، اور اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر ایک دوسرے سے یگانگی رکھتے تھے، لطف و محبت سے پیش آتے، اور رواداری کے ساتھ ایک دوسرے کے مذہبی

و روایتی جذبات و احساسات کا پاس و احترام رکھتے تھے،

راے چندر بھان متخلص بہ برہمن، شاہجہانی دور کے مشہور ارباب قلم مین سے تھے، ان کی جن کتابون کے نام آپ نے لکھے ہین، ان مین سے بعض مشہور کتب خانون مین موجود ہین، اور اتفاق سے مصنف نے اپنی بعض کتابون مین اپنی خود نوشت سوانح عمری بھی قلمبند کر دی ہے، اور اس کا نسخہ محفوظ رہ گیا ہے، پھر ان کے شعر و ادب کا ذوق رکھنے کی مناسبت سے تذکرہ کی کتابون مین ان کے مختصر حالات ملتے ہین، اور درباری تعلق سے ان کا ذکر بعض سیاسی تاریخون مین بھی آیا ہے، چنانچہ عمل صالح محمد صالح کنبوہ المتوفی ۱۰۸۵ھ، مراۃ جہان نما شیخ محمد بقا المتوفی ۱۰۹۴ھ تذکرہ مراۃ الخیال شیر خان لودی (تصنیف ۱۱۰۲ھ) تذکرہ حسینی میر حسن دوست (تصنیف ۱۱۶۳ھ) مخزن الغرائب احمد علی سندیلوی (تصنیف ۱۲۱۸ھ) تذکرہ خوش نویسان غلام محمد ہفت قلمی المتوفی ۱۲۳۹ھ، اور نشتر عشق حسین قلی خان عشق مین ذکر آیا ہے،

موجودہ زمانہ کی تصنیفات مین سے امراے ہنود محمد سعید احمد مارہروی طبع ۱۹۱۰ء، ایجوکیشن ان مسلم انڈیا سید محمد جعفر طبع ۱۹۳۶ء "دی ریلیجیس پالیسی آف دی مغل ایمپررز"، سری رام شرما طبع ۱۹۴۰ء، ادبیات فارسی مین ہندوؤن کا حصہ ڈاکٹر سید عبد اللہ طبع ۱۹۴۲ء مین بھی تذکرہ آیا ہے، ان مین سے اول و آخر الذکر کتابون مین کسی قدر تفصیل سے ہے،

ان مآخذ خصوصاً ان کی تصنیف چہار چمن (موجود در برٹش میوزیم) سے ان کے مختصر سوانح اور مخطوطات کی فہرستون سے ان کی کتاب کا حال ذیل مین درج ہے،

وہ پنجاب کے ایک برہمن خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد کا نام پنڈت دھرم داس تھا، ان کی ولادت لاہور مین ہوئی، اور یہین نشو و نما پائی، شیر خان لودی نے مراۃ الخیال مین، اور اس کے

---

[1] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۰ بحوالہ چہار چمن۔

حوالہ سے بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا وطن اکبرآباد لکھا ہے[50]، مگر یہ خود ان کی تصریح کے خلاف ہے، اکبرآباد سے اُن کے گھر سے روابط قائم ہوگئے تھے، لیکن جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے، ان کا مولد و منشا لاہور ہی تھا،

ابتدائی تعلیم و تربیت لاہور ہی میں حاصل کی، اور اس دور کے مشہور با کمال ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا،[51] فنِ خطاطی میں بھی کمال حاصل کیا، خطِ نستعلیق کی تحصیل آقا عبد الرشید سے کی تھی، اور خطِ شکستہ کفایت خان سے حاصل کیا تھا، تذکرۂ خوشنویسان میں خوش نویس کی حیثیت سے بھی ان کا ذکر آیا ہے،[52]

تعلیم سے فراغت کے بعد امیر عبد الکریم میر عمارات لاہور و اکبرآباد کی ملازمت سے وابستہ ہو گئے،[53] ان کے بھائی اودے بھان عاقل خان کے دفتر سے تعلق رکھتے تھے، اس تعلق سے ان کو بھی شاہی ملازمت سے وابستگی ہوئی، اور اس زمانہ کے مشہور امیر ملا عبد الشکور شیرازی معروف بہ خطاب افضل خان کے دامن دولت سے وابستہ ہوگئے، افضل خان ترقی کرکے شاہجہان کے پہلے سال جلوس میں "وزیر الکل" کے عہدہ پر سرفراز ہوا تھا، اور پنڈت چندر بھان افضل خان کے کاتب (سکریٹری) کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے،[54] اور قیام لاہور ہی میں رہا،

افضل خان نے ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی،[55] اس کے بعد ہی جب شاہجہان سنہ ۱۲ جلوس شاہجہانی میں لاہور آیا، تو افضل خان کے متعلقین اور وابستگان کو اپنے حضور میں طلب کیا، اس تعلق سے پنڈت چندر بھان کو بھی شاہجہان کی خدمت میں شرفیابی کا موقع ملا، اس نے خطِ شکست میں اپنی ذیل کی

---

[50] تذکرہ مراۃ الخیال ص ۲۱۳ [51] برٹش میوزیم کی فہرست میں ملا عبد الکریم چھپا ہے، مگر یہ نسخہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے، ان کے استاد کی حیثیت سے دوسرے مآخذ مخزن الغرائب وغیرہ میں ملا عبد الحکیم کا نام مذکور ہے [52] تذکرہ خوشنویسان ص ۵۵ [53] عمل صالح (قلمی) ورق ۱۳، [54] نشتر عشق قلمی جلد ۱ ورق ۹ و ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ ص ۱۰۳ [55] افضل خان کے سوانح کے لئے دیکھئے مآثر الامراء جلد ۱ ص ۱۵۱،

رباعی لکھ کر شاہجہان کی خدمت مین پیش کی :-

شاہے کہ مطیع او دو عالم گردد ہر جا کہ سریست پیش او خم گردد
از بسکہ بدورش آدمی یافت شرف خواہد کہ شرف نیستہ آدم گردد[۱]

گریرسن کا خیال ہے کہ برہمن پہلی مرتبہ ۱۶۵۵ء مین سرہند مین جشن نوروز کے موقع پر جب شاہجہان بدخشان کی مہم کی تیاری مین مصروف تھا، دربار شاہجہانی مین حاضر ہوا، اور اس کا پہلی مرتبہ تعارف کرایا گیا[۲] لیکن دونون روایتون مین کوئی ایسا تضاد نہین، ہوسکتا ہے کہ وہ افضل خان کی وفات کے بعد اس کے عملہ کے ساتھ شاہجہان کے حکم سے دار السلطنت کے عملہ مین شامل کرلیا گیا ہو اور مقرب درباری کی حیثیت سے پہلی مرتبہ سرہند مین جشن نوروز کے موقع پر اپنی نظم سنائی ہو، اور الطاف شاہانہ سے سرفراز کیا گیا ہو،

بہرحال شاہجہان نے اس کو اپنی خدمت کے لئے منتخب کیا، اور اس کے خدمات مرکزی حکومت کے صدر دفتر مین منتقل ہو گئے، وہ رفتہ رفتہ ترقی کرکے "وقائع نویس حضور" کے منصب پر مامور کیا گیا، اب وہ شاہجہان کے دربار مین حاضر رہتا[۳] اور روزانہ کے وقائع قلمبند کیا کرتا، ضرورت کے وقت کبھی وہ باہر بھی بھیجا جاتا تھا چنانچہ وہ ایک موقع پر شاہجہان کی طرف سے بیجا پور کے دربار مین بھیجا گیا،[۴] دارا شکوہ کو اس سے غیر معمولی انس پیدا ہو گیا تھا چنانچہ اس نے شاہجہان سے کہہ کر اس کے خدمات مستعار حاصل کرلئے، اور وہ دارا شکوہ کا میر منشی مقرر ہو گیا. مگر علامہ سعد اللہ کی وفات کے بعد شاہجہان کو اس کی دوبارہ ضرورت ہوئی تو پھر اس کی خدمات مرکزی حکومت سے

---

[۱] امرائے ہنود ص ۱۵۳ [۲] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم جلد ۲ ص ۸۳۸ [۳] چہار چمن، در فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۷،

[۴] مرآۃ جہان نما ص ۱۳۱ (قلمی) در برٹش میوزیم جلد ۳ ص ۱۰۸۷،

وابستہ ہوگئے، اب شاہجہان نے اس کو رائے کے خطاب سے بھی ممتاز کیا[۵۱]، دور حاضر کی اصطلاح مین اس کے عہدہ کو آفیسر انچارج آف دی دار الانشاء و دی سکریٹریٹ سے موسوم کیا گیا ہے[۵۲]

وہ شاہجہان کے آخر دور یعنی داراشکوہ کے ساتھ قتل سے پہلے تک اپنے عہدہ میر منشی پر مامور رہا، اور اپنے قدردان داراشکوہ کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی وہ بھی شاہی خدمت سے سبکدوش ہوگیا، اور بنارس مین جاکر عزلت گزینی کی زندگی اختیار کرلی[۵۳]

وفات | بنارس ہی مین اپنی زندگی کے اخیر دن پورے کئے، اور وہین وفات پائی، سال وفات مین اختلاف ہے، مراۃ جہان نما مین ۱۰۶۸ھ مکتوب ہے، مراۃ الخیال مین ۱۰۷۳ھ ہے، اور تذکرہ شمع انجمن مین ۱۰۶۲ھ کہا گیا ہے، اول الذکر روایت کو ریو نے ترجیح دیا ہے[۵۴] لیکن یہ قرین قیاس معلوم نہین ہوتا، ۱۰۶۸ھ مین اورنگزیب اور داراشکوہ کی لڑائی ہوئی، اور داراشکوہ کا آفتاب اقبال غروب ہوا ہے، چندر بھان نے داراشکوہ کے قتل ہونے یا یون کہئے کہ عالمگیر کے تسلط حاصل کرنے کے بعد مرکزی حکومت سے اپنا رشتہ منقطع کیا ہے، اس لئے وہ گویا ۱۰۶۹ھ کے آخر مین بنارس آیا، چند سال پہلے عزلت گزینی کی زندگی گزارنے کا ذکر آتا ہے، اس لئے عجب نہین کہ تذکرہ مراۃ الخیال کی روایت صحیح ہو کہ اس نے ۱۰۷۳ھ مین بنارس مین وفات پائی، اور وہین آخری مراسم ادا ہوئے،

یادگارین | اولاد مین اپنے ایک لڑکے تیج بھان کا ذکر انشاے برہمن مین کیا ہے (ورق ۵۶) آگرہ مین اس کی چند یادگار عمارتین بھی تھین، ایک خوشنما باغ تعمیر کرایا تھا، جو باغ چندر بھان کے نام سے موسوم ہوا، ایک بڑا تالاب کھدوایا تھا، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ مین وہ باغ کسی انگریز کے قبضہ مین

---

۵۱ مرات ہنود ص ۱۰۳ ۵۲ دی ٹیچس پالیسی آف دی مغل ایمپررز ص ۱۰۱ ۵۳ مراۃ الخیال ص ۲۱۵

۵۴ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۷۰۱، مراۃ الخیال صفحہ ۲۱۵، تذکرہ خوشنویسان

بر حاشیہ صفحہ ۵۵،

چلا گیا تھا، یہ سکندرہ کی سڑک پر آگرہ اور سکندرہ کے درمیان واقع ہے، اس کا دروازہ سنگِ سُرخ کا تھا، یہ باغ پھر لالہ سورج بھان کی اولاد کے قبضہ میں چلا گیا تھا،

آگرہ میں پنڈت چندر بھان کی بعض دوسری عمارتوں کے موجود ہونے کا ذکر منشی سیل چند کی تفریح العمارات میں آیا ہے، مگر اب وہ سب ناپید ہو چکی ہیں[۵۱]،

سیرت و کردار | چندر بھان طبعاً مذہبی آدمی تھا، مذہبی مسائل سے دلچسپی رکھتا تھا، مذہبی عقائد پر اس نے بابا لعل داس اور دارا شکوہ کے ایک مکالمہ کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا، اور جیسا کہ گذرا، آخر زندگی تیرتھ گاہ بنارس میں گذار دی، اس کو اپنے ہندو ہونے پر فخر تھا، زنّار کے لقب کو اپنے لئے پسند کرتا تھا، اپنی زنار داری سے اپنا لگاؤ یوں ظاہر کیا ہے:

مرا برشتۂ زنار الفتے خاص است   بہ یادگار برمن از برہمن ہمین دارم

طبیعت میں سوز و گداز تھا، حاجتمندوں سے ہمدردی کرتا، اور اُن کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے سفارشیں کرتا تھا، اس کے مکاتیب میں اس کی شہادتیں جابجا موجود ہیں، طبیعت میں مذہبی رواداری بھی تھی، یہاں تک کہ محمد صالح کنبوہ صاحبِ عمل صالح لکھتا ہے :-

"ہر چند بصورت ہندو است لیکن دم در اسلام می زند"

اس کے ساتھ اپنے مذہبی عقائد اور ہندووانہ مراسم و روایات کی دل سے قدر کرتا تھا، اس کی جھلک اس کے مکاتیب میں جابجا موجود ہے، مثلاً اس کا ایک طریقۂ ادا ہے :-

"برہمن عقیدت کیش کہ صندل اخلاص بر جبیں و زنار عقیدت در گلو دارد"[۵۲]

اس طرح وہ ایک خوش خصال نیک دل، روادار اور اپنے عقیدے کا ایک مخلص برہمن تھا

---

۵۱ امرائے ہنود ص ۲۰۳، وادبیات فارسی ص ۲، ۵۲ ادبیات فارسی ص ۲، بحوالہ عمل صالح، نشتر عشق، تفریح العمارات، منشآت برہمن،

انشا اور شاعری محمد صالح کنبوہ نے اس کو شاہجہانی عہد کے ممتاز شعراء اور نثر نگاروں میں شمار کیا ہے[۵۱]، وہ اپنی نظم و نثر میں سادہ نگاری کو پسند کرتا تھا، صاحب دیوان تھا، تذکرہ حسینی میں ہے:

"دیوانے و انشائے بسیار سادہ یادگار گذاشتہ"[۵۲]

کلمات الشعراء کے مصنف کا بیان ہے :-

"بطرز قدیم شستہ وصاف در ہندوان غنیمت بود"

محمد صالح اور بعض دوسرے مصنفین نے لکھا ہے کہ اس نے انشا میں ابوالفضل کا تتبع کیا ہے، مگر یہ پورے طور پر صحیح نہیں ہے، ابوالفضل کے طرز انشاء کی کچھ نہ کچھ جھلک اس کی تحریر میں ضرور پائی جاتی ہے مگر اس میں ابوالفضل کی دقت پسندی نہ تھی، اس کا طرز انشاء قدیم اسلوب میں صاف و شستہ تھا بلکہ عمومی حیثیت سے اس کی سادہ نگاری کا ایسا شہرہ تھا کہ شیر خان لودی نے دارا شکوہ کے اس سے دلچسپی رکھنے پر اس لئے بھی تعجب کیا ہے کہ دارا شکوہ اور برہمن کے طرز انشاء میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ لکھتا ہے:-

"نسخۂ چار چمن برمطلب نویسی و سادگی عبارات وے گواہی می دہد و قماش نظمش نیز پوشیدہ است عجب کہ شاہزادہ بآن ہمہ مستعدان کہ در عرصۂ روزگار برنگ آمیزی الفاظ بدار صفحۂ خاطر ارباب دانش چون شفقہائے موسم بہار بہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارک بسخن سادہ اش فرود آوردہ بود"[۵۳]

افسوس ہے کہ شیر خان لودی نے اپنے تذکرہ مراۃ الخیال میں چندر بھان کا تذکرہ خوشگوار لب و لہجہ میں نہیں کیا ہے اس نے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے، اور اس کے حوالہ سے دوسرے تذکرہ نگاروں

---

[۵۱] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۷ بحوالہ عمل صالح (قلمی) ورق ۱۰۰۰ [۵۲] تذکرہ حسینی صفحہ ۱۳۴

[۵۳] تذکرہ مراۃ الخیال ص ۲۱۳، ۲۱۴۔

نے بھی اس کو لکھا ہے، کہ ایک مرتبہ دارا شکوہ نے شاہجہان کے سامنے اس کے ذوق شعری کی تعریف کی، شاہجہان کی فرمایش پر اس نے اپنا ایک شعر پڑھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار ... بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

شاہجہان یہ شعر سن کر چین بجبین ہوا، اہل دربار سے مخاطب ہوا، کہ کوئی اس کو برجستہ جواب دے، افضل خان نے بڑھ کر کہا کہ اگر حکم ہو تو استاد کے ایک شعر سے اس کا جواب دون بادشاہ نے اشارہ کیا، تو افضل خان نے شیخ سعدی کا مشہور شعر پڑھا،

خر عیسیٰ گرش بمکہ برند ... چون بیاید ہنوز خر باشد[1]

بادشاہ یہ سن کر شگفتہ ہوگیا، اور چندر بھان غسل خانہ کے دروازہ سے نکل کر چلا گیا، شاہجہان نے دارا شکوہ کو فہمایش کی کہ آیندہ ایسے اشعار اس مجلس مین نہ پیش کئے جائین[2]

یہ ایک درباری لطیفہ ہو سکتا ہے، لیکن شیر خان نے اس واقعہ کو جس انداز مین قلمبند کیا ہے اور اس پر جو حاشیہ آرائی کی ہے اس کو موزون نہین کہا جا سکتا،

---

[1] مراۃ الخیال مین اس کی قراءت یون ہی ہے، مخزن الغرائب مین ان لفظون مین ہے، جیسے یہ مشہور ہے،

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود ... چون بیاید ہنوز خر باشد

[2] بعض اہل قلم نے اس واقعہ مین افضل خان کے شریک ہونے سے اس پر شبہ ظاہر کیا ہے، لیکن افضل خان سے مراد وزیر الکل ملا عبد الشکور نہین ہو سکتے کہ ان کا انتقال ۱۰۴۸ھ مین ہو چکا تھا، (مآثر الامرا جلد ۱ ص ۱۵۰) اور جیسا کہ اوپر گذرا چندر بھان کا تعلق دربار شاہجہانی سے افضل خان کی وفات کے بعد ہوا تھا، اس لئے یہان افضل خان سے مراد وہ شاہجہانی امیر ہے، جو شاہجہان کا معتمد خاص تھا، اورنگ زیب اور شاہجہان کے آخری اختلاف کے موقع پر نامہ و پیام مین خلیل اللہ خان کے ساتھ شاہجہان کی طرف سے اورنگ زیب کے پاس گیا تھا، اور آخر وقت تک شاہجہان کا معتمد رہا تھا، (عمل صالح وغیرہ)

شیر خان لودی کا باپ شاہزادہ شجاع کے دیوان سے وابستہ تھا، شجاع بڑا دارا شکوہ کا اختلاف معلوم ہے، شاید شیر خان کی اس غیر ذمہ داری کا سبب کوئی ایسی سیاسی منافرت ہو جو مصنف کو ورثہ میں ملی ہو، بہر حال شیر خان نے یہ خاص طور پر تصریح کی ہے کہ دارا شکوہ چندر بھان سے غیر معمولی التفات رکھتا تھا، اور اس کی نظم و نثر کا قدردان تھا، اوس نے اس کے دیوان سے ایک غزل اپنے تذکرہ مین نقل کی ہے[۱] لکھا ہو کہ "راقم الحروف این غزل را در تمام دیوانش انتخاب زدہ"

کنم زسادہ دلی بند دیدہ مژگان را بہشت حسن نتوان بست راہ طوفان را

جگر فشان شدہ ام باز جاے آن دارد کہ لالہ زار کنم دامن و گریبان را

ہمیشہ زلف ترا اضطراب کار است چگونہ جمع کند خاطر پریشان را

شبے خیال تو آمد بخواب و آسودیم وگرز ہم نہ کشادیم چشم گریان را

برہمن از تو سخن بے دلیل می خواہم

کہ اعتبار نباشد دلیل و برہان را[۲]

احمد علی سندیلوی نے بھی اپنی مخزن الغرائب مین اس کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے کیا ہے لیکن وہ تمامتر مراۃ الخیال سے ماخوذ ہے، کوئی نئی بات نہین، البتہ ایک شعر کی نسبت جو برہمن کی طرف کی جاتی ہی اس پر شبہہ ظاہر کیا ہے، کہ

ببین کرامت بتخانہ مرا اے شیخ کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد[۳]

سندیلوی کا یہ شبہہ ممکن ہے کہ اس عام روایت کی وجہ سے ہو جو بے سند مشہور ہو گئی ہے کہ کسی پجاری برہمن نے عالمگیر کے سامنے جب اس نے بنارس مین مندر کے توڑنے کا حکم دیا، تو اسی موقع پر اوس نے برجستہ موزون کرکے عالمگیر کو سنایا، اور وہ شرمندہ ہوا، یہ فسانہ، افسانہ ہی فسانہ ہے، اگر اسی سبب سے سندیلوی نے چندر بھان

---

[۱] مراۃ الخیال ص ۲۱۳ تا ۲۱۵ [۲] مخزن الغرائب ورق ۵۹ ۲۰

اس نے اس شعر کو چھین لینا چاہا، تو یہ کچھ نہیں حقیقت یہ ہے کہ

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار　　بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

کہنے والا ہی

بہ بین کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ　　کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

کہہ سکتا ہے شاعرانہ شوخ چشمیوں سے بڑے بڑے باکمال زاہد شعراء کے دامن محفوظ نہیں، تو اگر "کفر آشنا دل" رکھنے پر فخر کرنے والے بیچارے برہمن کی زبان سے یہ شعر موزون ہوا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

تصنیفات　　چندر بھان برہمن کی حسب ذیل کتابیں مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں :-

ا۔ چہار چمن، اس کا نسخہ برٹش میوزیم میں ہے کتاب کا نمبر ۱۶۸۶۳ ہے، یہ ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر سطر میں ۱۰ سطریں ہیں، خط نستعلیق اور تاریخ کتابت یکم رجب ۱۱۲۳ھ ہے، یہ کتاب ۳۰۰ صفحوں کے ایک مجموعہ میں ہے، جو چہار چمن، رقعات شیخ ابوالفضل، انوار سہیلی اور کوئی ایک اور مجموعہ مکاتیب پر مشتمل ہے،

چہار چمن چار بابوں میں جن کو چمن سے موسوم کیا گیا ہے تقسیم ہے چمن اول میں شاہی دربار کے مختلف جشنوں کا مرقع کھینچا گیا ہے، اور ان یادگار موقعوں پر مصنف نے جو نظمیں پڑھی تھیں، ان کو درج کیا ہے، دوسرے چمن میں جو اس نسخہ میں ۱۰ویں صفحہ سے شروع ہوتا ہے، دربار کی شان و شوکت اور شاہجہان کے معمولات یومیہ اس کے نئے دارالسلطنت شاہجہان آباد اور مملکت کے اہم صوبوں اور شہروں کا حال بیان کیا گیا ہے، تیسرے چمن میں جو ۵۵ ویں صفحہ سے شروع ہوتا ہے، مصنف کے سوانح حیات اور اس کے چند مکاتیب درج ہیں، اور چوتھے چمن میں جو ۱۰ ویں صفحہ سے ہے، چند اخلاقی اور مذہبی تخیلات پیش کئے گئے ہیں، یہ آخری باب ۴۰ صفحہ پر ختم ہو جاتا ہے،

کتاب کا زمانۂ تصنیف ۱۰۶۰ھ کے بعد تقریباً اسی کے لگ بھگ ہے، صفحہ ۵۰ پر ایک واقعہ کا تذکرہ جو اس سنہ میں پیش آیا تھا، ایک تازہ واقعہ کی حیثیت سے کیا گیا ہے،

اس نسخہ کا آغاز چمن اول مشتمل بر سیرابی و شادابی ہمیشہ بہار کے فقرہ سے ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس کتاب کے مقدمہ کے ابتدائی فقرے موجود نہیں ہیں، برٹش میوزیم میں اس کا دوسرا نسخہ بھی ہے، اس کا نمبر ۱۸۹۲ ہے، یہ ۱۲۱ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں ہیں، یہ نسخہ دسمبر ۱۸۴۹ء کا لکھا ہوا ہے، مرتب فہرست نے اس کو شاہجہانی عہد کی تاریخ کے ذخیرہ میں درج کیا ہے، اس میں چمن اول ورق ۳۵، دوم ۳۰، سوم ۷۰ اور چہارم ۱۰۹ سے شروع ہوتا ہے، اس نسخہ کی ابتدا میں ۳۰ اوراق کا ایک مقدمہ بھی ہے، یہ مقدمہ ذیل کے فقرے سے شروع ہوتا ہے،

"الحمد للہ .... اگرچہ در عہد سعادت آئین و زمان میمنت قرین الخ"

مصنف نے ایک مکتوب کے ذریعہ اس تصنیف کو بادشاہ کی خدمت میں اس کے نام سے معنون کرکے پیش کیا تھا، یہ مکتوب اس کی دوسری تصنیف انشائے برہمن میں جس کا ذکر آگے آتا ہے، موجود ہے، اور چہار چمن کے اس نسخہ میں پہلے نسخہ کے برخلاف سرنامہ کے طور پر نقل کر لیا گیا ہے، اس کا اندازہ اس کے ابتدائی فقرے سے ہوتا ہے لیکن تعجب ہے کہ برٹش میوزیم کے فہرست نگار ریو کو اس کا اندازہ نہ ہو سکا اور اس نے لکھا،

"اس کا ورق ۲ تا ۳ ایک جداگانہ دستی تحریر پر مشتمل ہے جس میں اسی تصنیف کی ایک دوسری تمہید ہے، جو مرزا فخر الدین دہلوی کے نسخہ سے اس میں نقل کی گئی ہے، اس تمہید کی ابتدا اس فقرہ سے ہوتی ہے،"

"چون ادائے شکر نعمت[1] حضرت صمدیت الخ"

مصنف کی دوسری تصنیف انشائے برہمن میں جس میں اس کے مکاتیب جمع کئے گئے ہیں، برہمن کا پہلا مکتوب یہی ہے اور اسی فقرے سے شروع ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے معنون

---

[1] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۳ ص ۹۲۵، انشائے برہمن میں "نعمت" کے بجائے "نعمائے" آیا ہے،

کرنے کے لئے جو مکتوب شاہجہان کو لکھا تھا، اور اس کو انشائے برہمن میں داخل کیا تھا کسی صاحب ذوق نے اس مکتوب کو اس تصنیف چہار چمن کا سرنامہ بنا دیا، اور اس نسخہ سے چہار چمن کے اس نسخہ میں نقل کیا گیا ہے،

بہرحال چہار چمن کا زیادہ مکمل نسخہ جس میں سرنامہ اور مقدمہ دونوں موجود ہیں، برٹش میوزیم کا بھی دوسرا نسخہ ہے۔

مؤلف امرائے ہنود نے چندر بھان برہمن کی تحریر کے نمونہ کے طور پر چند صفحے نقل کئے ہیں اعبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چہار چمن ہی کے اقتباسات ہیں، ان میں جا بجا برہمن کی غزل، رباعی اور بعض قطعات بھی ہیں جن کو اس نے شاہجہان کی خدمت میں وقتاً فوقتاً پیش کیا تھا، ایک غزل کا مطلع ہے،

روئیت بتافتاب دہد آب و تاب را　　　اے از تو صد شرف شرف آفتاب را

مقطع میں ہے :-

ان برہمن مدام دعا کن ز روے صدق　　　شاہ بلند اختر گردون جناب را

ایک جگہ لکھتا ہے :-

" چون این برہمن عقیدت کیش کہ در منشیان این درگاہ آسمان جاہ منسلک است در روز ہائے عظیم مثل نوروز جہان افروز می گزرانید در جشن مبارک آئین نیز رباعی خواندہ بہ خلعت سرفرازی یافت رباعی

در جشن مبارک شہنشاہ جہان　　　شاہنشہ آفاق خدیو گیہان

دریا شدہ از آب گہر روے زمین　　　سرخانہ شد از لعل بدخشاں کان[1]"

۲- انشائے برہمن کا تذکرہ اوپر گذرا، مصنف نے شاہجہان اور دوسرے امرا و دولت کو

---

[1] امرائے ہنود ص ۱۸۷

مختلف عزیزوں سے مختلف موقعوں پر جو خطوط لکھے تھے، ان کو اس مین جمع کیا گیا ہے، خطوط کی ترتیب مکتوب الیہ کی ذاتی وجاہت و مرتبت کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے قائم کی گئی ہے، جیسا کہ اوپر گذرا، پہلا خط شاہجہان کے نام سے ہے، جس کے ذریعہ اس نے اپنی تصنیف چہار چمن کو اس کی خدمت مین پیش کیا ہے، اور وہ "چون ادا سے شکر نعماے حضرت صمدیت" سے شروع ہوتا ہے، اس کا نسخہ بھی برٹش میوزیم مین محفوظ ہے، کتاب کا نمبر ۱۶۹۲ ہے، یہ مجموعہ ۸۰ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ مین ۱۹ سطرین ہین، خط نستعلیق ہے کتابت کی تاریخ ۲ ربیع الاول ۱۱۶۶ھ ہے، اس مجموعہ کا نہ کوئی مقدمہ ہے اور نہ اس کو کسی نام سے موسوم کیا گیا ہے۔[۱] مرتب فہرست نے "انشاے برہمن" سے موسوم کیا ہے، اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی مین بھی ہے، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ نے اس کو "منشآت برہمن" سے موسوم کیا ہے،[۲]

۲- سوال و جواب لعل داس و داراشکوہ کا نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ مین ہے، کتاب کا نمبر ۱۴۵۴ ہے، ہندو فقراء کے مذہبی عقائد پر بابا لعل داس اور شاہزادہ داراشکوہ مین ایک مکالمہ ہوا تھا جس کو سوال و جواب کی صورت مین قلمبند کیا گیا تھا، یہ رسالہ ہندی زبان مین تھا، پنڈت چندربھان نے اس کو فارسی زبان مین منتقل کیا ہے، اس کا آغاز اس فقرہ سے ہے،

"گوشت (؟) سرسری بابا لعل داس و شاہزادہ داراشکوہ کہ درمیان ہردو عزیزان مذکور شدہ"

پہلا سوال یون شروع ہوتا ہے،

"درنا د و بند بگو نہ فرق توان کرد الخ"

بانکی پور کا نسخہ ۲۴ صفر ۱۲ جلوس محمد شاہی کا مکتوب ہے، خط شکست ہے،[۳] نیز یہ رسالہ

---

[۱] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۰ و ص ۳۹۰ [۲] ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی تصنیف "ادبیات فارسی مین ہندوؤن کا حصہ" (ص ۴۷) مین اس رسالہ پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے، تفصیلات کے لئے اس کی طرف رجوع کرین، [۳] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۶ ص ۱۳۲،

چرنجی لال کی ترتیب و تحشیہ کے ساتھ ۱۸۸۸ء میں دہلی سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اس کا ایک نسخہ بھی کسی نے تیار کیا تھا، جو ایک مجموعہ میں برٹش میوزیم میں موجود ہے، اس کا نمبر ۱۹۹۶ ہے، اس کے سرنامہ میں ہے :-

"انتخاب جواب وسوال بابالال داس و بادشاہ زادہ حق پژوہ داراشکوہ"

اور رسالہ کا آغاز اس طرح ہے،

"اول آن کہ از ورود کلمہ مغفرۂ آدم در بہشت میرود"

اس انتخاب کا ایک نسخہ کنگ کالج لائبریری میں بھی موجود ہے، پروفیسر مایر نے اپنی فہرست میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔[۱]

۴- تحفۃ الانوار کا کچھ حصہ برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ انتخابات میں پایا جاتا ہے، اس میں چند اخلاقی کہانیاں ہیں، کتاب ۱۱ بابوں میں تقسیم ہے، لیکن تحفۃ الانوار کے مصنف کا نام مذکور نہیں، غالباً اس مجموعہ میں برہمن ہی کی کتاب کے اقتباسات لئے گئے ہیں، اس مجموعہ کا نمبر ۱۷۴۲ ہے، اس میں ۲۰ ورق تک تحفۃ الانوار کا حصہ ہے، یہ مجموعہ تقریباً ۱۸۵۰ء کا خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔[۲]

افسوس ہے کہ پنڈت چندر بھان برہمن کی باقی دوسری کتابوں، گلدستہ، نگارخانہ، تحفۃ الفصحا، مجموعۃ الفقرا اور دیوان برہمن کے متعلق زیادہ چھان بین کرنے کا موقع نہ مل سکا، براہ کرم کسی اور موقع پر یاد دہانی فرمائیں، تو کسی فرصت کے وقت میں مزید جستجو کی جائے گی، عجب نہیں کہ ان کی بعض اور کتابیں ہندوستان ہی کے کتب خانوں میں سے کسی جگہ مل جائیں، اور آپ اپنے مورثِ اعلیٰ کی مزید ادبی خدمات کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا سکیں،

"س"

---

[۱] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۱۱۸۰، [۲] ج ۳ ص ۱۰۱۴،

ادبیات

احوال و مقامات

از جناب انور کرمانی

جو مردِ قلندر ہے فائق ہے وہی آخر
اسرار و رموز از دل تفضیل خودی آخر

سرمایہ حکیمی کا آشوبِ ظن و تخمین!
تقدیرِ فراست ہی آشفتہ سری آخر

بے ذوقِ تمنا ہے افکار کی رنگینی
پُر سوز تھے دل جس سے وہ آگ بجھی آخر

اللہ رے ساقی نے خود تھام لیا مجھکو
یہ لغزشِ مستانہ کام آ ہی گئی آخر

نیرنگ تحیر ہے دنیائے محبت بھی!
اک تشنہ لبی اوّل اک تشنہ لبی آخر

اقوام و ملل جس سے ہوتی ہیں فلک پیما
وہ رمز غلاموں پر بھی فاش ہوئی آخر

بیدار اگر دل ہو شاہی ہی فقیری بھی
بن جاتی ہے بال و پر بے بال و پری آخر

اظہارِ تمنا کے انداز کوئی دیکھے!
بلبل کی نوا بھی ہے پھولوں کی ہنسی آخر

ہو جائیں گے خود پیدا انداز براہیمی
بتخانہ آذر ہے تہذیبِ نوی آخر

حشرِ جذبات

جناب ثاقب کانپوری

جذباتِ حُسن و عشق کا طوفان لئے ہوئے
بیخود ہیں اہلِ ہوش یہ سامان لئے ہوئے

روتا ہون آج عشق کی ناکامیون پہ مین منہ پر ردائے گردِ بیابان لیے ہوئے

آنکھون کو کیا ضرورتِ نظارۂ چمن ہر نقش جیب ہے حسنِ گلستان لئے ہوئے

محو نما ہو گیا ہے نظر مین جمالِ دوست ہر بزم مین ہون دیدۂ حیران لئے ہوئے

اس سے زیادہ اور کرون کیا نگاہِ ناز خاموش ہون مین لذتِ پیکان لئے ہوئے

بربادیٔ حیات ہی راس آگئی مجھے اب حسن خود ہے دید کا ارمان لئے ہوئے

یا خود مجھی کو اب نہین احساسِ سوزِ دل یا انتہائے درد ہے درمان لئے ہوئے

تیری تسلیون سے نہ بڑھ جائے اضطراب ہون اشکہائے غم تہِ مژگان لئے ہوئے

کچھ تو بتا دے راز مجھے اے ہوائے شوق کیون پھر رہی ہے خاک پریشان لئے ہوئے

ممکن نہین ہے دہر مین آزادیٔ حیات ہر زندگی ہے کاہشِ زندان لئے ہوئے

ثاقب مری نظر مین ہے ان کی ادائے حسن بیٹھے رہین وہ جلوۂ پنہان لئے ہوئے

عرفانِ حیات

از جناب عرشی شاہ آبادی

درد بغیر زندگی اصل مین زندگی نہین رنج نہ ہو تو پھر خوشی تکملۂ خوشی نہین

کشتۂ جورِ آسمان عرصۂ کائنات مین عیش ہی عیش ہو مدام یہ کوئی زندگی نہین

بادۂ شوق ہے بہت ہو تو کوئی حریفِ شوق میکدۂ مجاز مین آج بھی کچھ کمی نہین

وہ ہین اگر اسی مین خوش صدمۂ غم اٹھائے جا ان کی خوشی خوشی سمجھ اپنی خوشی خوشی نہین

ضبط ہی ضبط ہو تمام عشق سے لیکے حسن تک آہ بہ لب کبھی جو غم وہ غمِ عاشقی نہین

ہے غمِ ہجر جاودان آپ کا یہ خیال ہے
عرشیِ زار کوئی شے دہر کی دائمی نہین

وفیات

کرنول علاقۂ مدراس کے ایک عالمِ دین کی وفات

احاطۂ مدراس کا وہ خطہ جس کو اب اندھرا کہنے لگے ہیں، اور جو مدراس اور حیدرآباد دکن کے بیچ میں واقع ہے وہ بھی کبھی اسلام کی قوت کا مرکز تھا، اس میں کرنول نام مشہور مقام ہے، جہاں پہلے ایک نوابی قائم تھی، وہ مٹ چکی ہے، اور اوس کا یادگار خاندان حیدرآباد دکن منتقل ہوگیا ہے، وہاں کی اسلامی طاقت کے زوال سے وہاں کے مسلمانوں کی علمی و دینی کیفیت بھی زوال کے قریب پہنچ چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے ایک بندہ کو مامور فرمایا، ان کا نام مولانا حاجی محمد عمر صاحب تھا، ان کے علم و فضل اور نیکی و تقویٰ کے سبب سے حاکم و محکوم دونوں طبقوں میں عزت حاصل تھی، حکومت نے شمس العلماء کے لقب سے ملقب کیا تھا، اور عام مسلمانوں نے بھی ان کی دینی قیادت اور رہبری کو قبول کیا، موصوف نے اسّی برس کی عمر پائی، اور یہ پوری عمر علوم دینی کی تعلیم و تدریس میں بسر کرکے گذشتہ ۲۰ر جولائی ۱۹۴۶ء کو وفات پائی، ان کی وفات سے اس علاقہ میں علوم قدیمہ کا خاتمہ ہوگیا، مرحوم مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور جس جلسہ میں ندوہ کی ابتدائی تحریک کی گئی اسی میں ان کی دستار بندی ہوئی تھی، ۱۳۱۱ھ میں کانپور سے فارغ ہوکر واپسی کے بعد کرنول میں قیام کیا، اور آخر تک وہیں قیام پذیر رہے، وہاں ایک چھوٹے سے مدرسہ کا انتظام جسکی ماہوار آمدنی پندرہ بیس روپیہ سے زیادہ نہ تھی، اپنے ہاتھ میں لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے کام میں برکت

دی، مرحوم کے مساعی کی بدولت آج اس کے املاک و عمارات تقریباً تین لاکھ کے مساوی ہیں، آندھرا، اور مدراس علاقہ کے اردو فارسی اور عربی اساتذہ میں تقریباً تین ربع بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے فیض تلمذ رکھتے ہیں، کانپور میں حضرت مولانا تھانوی سے مثنوی پڑھی تھی اور ان کے سلسلہ ارادت میں شامل تھے، مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بھی فیض پایا اور مسلسلیت وغیرہ کی اجازت لی تھی، افسوس ہے کہ وہ گنجینۂ علم مفقود ہوگیا، رنج اس بات کا ہے کہ یہ جگہ کچھ ایسی خالی ہوئی ہے کہ اب اس کے پر ہونے کے آثار نہیں، اسلاف کی زندگی کا نمونہ تھے، باوجود ہر طرح کے آرام کے ہمیشہ خود اختیاری فقر کی زندگی پسند کی اور دنیاوی املاک میں سے نہ زمین چھوڑی نہ مکان، اور نہ نقد ہمیشہ یہی آرزو رہی کہ دنیا سے ایسے روانہ ہوں کہ ترکہ کا حساب نہ دینا پڑے، وہی بعینہٖ پیش آیا، رحمہ اللہ،

ندوۃ العلماء کے اغراض و مقاصد سے واقف تھے، اور اصلاح نصاب کے مسئلہ سے متفق تھے، اسی لئے انھوں نے اپنے مدرسہ میں بہت سی اصلاحات جاری کیں، اور مدرسہ کو پرانے علوم کے ساتھ نئے طرز و طریق سے آشنا کیا، مرحوم نے اپنا لائق جانشین چھوڑا، افضل العلماء ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب پرنسپل محمڈن کالج مدراس کو مرحوم نے پہلے عربی علوم پڑھا کر عالم بنایا، پھر افضل العلماء کا عربی امتحان مدراس یونیورسٹی سے دلاکر انگریزی پڑھائی اور انکو ایم اے کرایا، فراغت کے بعد وہ محمڈن کالج مدراس میں پہلے استاد مقرر ہوئے پھر چند سال ہوئے کہ لندن جاکر علم تفسیر پر ریسرچ کرکے ڈاکٹریت کی ڈگری لی، اور اب وہ محمڈن کالج مدراس کے پرنسپل ہیں، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اپنے باپ سے علم و عمل دونوں کی برکت حاصل کی ہے،

مرحوم سے مجھ سے مدراس کے سفر میں کئی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا، بڑے نیک و صالح اور متقی بزرگ تھے، وعظ بھی فرمایا کرتے تھے، سادہ بیان تھا تکلف و تصنع سے تمام تر بری تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی نوازشوں سے سرفراز فرمائے، اور جس مدرسہ کو انھوں نے اپنی روحانی یادگار چھوڑا ہے، وہ ان کی جسمانی یادگار کے زیر سایہ قائم و باقی رہے،

"س"

باب التقریظ والانتقاد

طوفانِ محبت

مصنفہ نواب ہوش یار جنگ ہوش بلگرامی، ملنے کا پتہ "کتابخانہ"، عابد روڈ حیدرآباد دکن، قیمت عہ، دوعہ، مجلد،

اردو شاعری آج کل جس دور سے گذر رہی ہے، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ امید نہ تھی کہ اب اصناف شاعری میں سے کوئی پرانی قسم کی مثنوی لکھ کر پیش کریگا، اب ناولوں رومانوں، چھوٹی کہانیوں کے عہد میں کس کو ہمت ہوگی کہ وہ نظم کے ان دو مصرعوں میں حسن وعشق کا کوئی افسانہ چھیڑیگا، یہی سبب ہے کہ آج اس زمانہ میں جب کہ غزل کہنے والے ہزاروں لاکھوں ہیں حسن وعشق کی مثنوی کہنے والا ایک بھی نہیں، اس ماحول میں جناب ہوش بلگرامی کی مثنوی" طوفان محبت"، کو دیکھکر جو ابھی ابھی حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے بڑا تعجب ہوا،

بلگرام کی سرزمین کو شعر وسخن اور علم وادب کے ساتھ جو فطری مناسبت ہے، وہ ظاہر ہے اس فطری مناسبت اور ذاتی صلاحیت کے علاوہ جناب ہوش کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ انھوں نے نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کے سایۂ عاطفت میں جگہ پائی، نواب صاحب مرحوم نہایت مشکل پسند نقاد فن تھے، جس کا اندازہ ان کے انتخابات دیوان میر سے ہوگا،

ہوش صاحب نے اپنی اس مثنوی کی طرح اپنے عہد ادب کے آغاز ہی میں ڈالی تھی، اس کے بعد

زمانہ کے انقلابات نے اون کو کہاں کہاں پہنچایا، مگر وہ حسن و عشق کے اس صحیفہ کو جہاں گئے اپنے سینہ سے لگائے رہے، یہاں تک کہ غالباً ربع صدی کے بعد اب وہ صحیفہ چھپ کر منظر عام پر آیا ہے،

مثنوی، ۹۲ صفحوں میں تمام ہوئی ہے، شروع میں مصنف کا منثور دیباچہ ہے، جس میں صنف مثنوی کی خصوصیات اور اپنی اس مثنوی کے مقاصد بیان کئے ہیں، اس کے بعد جناب نیاز صاحب فتحپوری کا مقدمہ ہے جس میں مثنوی اور صاحب مثنوی کا تعارف ہے، اس کے بعد مثنوی کا آغاز ہوتا ہے،

مثنوی کا آغاز بدستور حمد باری تعالیٰ سے ہوا ہے، جس کا عنوان "اعتراف عبدیت" ہے، جس کا طرز تعبیر حکیمانہ ہے، اس کے بعد عشق کے بجائے جو اکثر موہوم حقیقت ثابت ہوئی ہے، مصنف نے "محبت و مودت" کے مناقب بیان کئے ہیں، اور اس کے بعد "لذت درد" کے عنوان سے بارگاہِ الٰہی سے محبت و مودت کی دولت مانگی گئی ہے، صفحہ ۰ اسے قصہ کا آغاز ہوتا ہے، غدر سے کچھ پہلے کی دلی کا قصہ ہے، ایک خاندان کے افراد بچھڑتے ہیں، اور پھر بخت و اتفاق سے حسن و عشق کی راہ سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں، قصہ نہایت مختصر پلاٹ بالکل سادہ ہے، باتیں تمامتر فطری ہیں، نہ سحر و جادو ہے، نہ طلسمات ہے، نہ کہیں مبالغہ کا طوفان نہ غلو کا بیان ہے، نہ دور از کار تشبیہیں ہیں، نہ لفظوں کا ضلع جگت ہے، اور نہ کہیں بے شرمی اور بے حجابی کے مضامین ہیں، حالانکہ یہی وہ عنوانات ہیں جو ہماری پرانی مثنویوں کے اصلی عناصر ہیں، لیکن جہاں تک فن شاعری کا تعلق ہے، اس کی ہر چیز معیاری ہے، مصرعے حشو و زوائد سے پاک، قافیے آورد سے خالی، بولی صاف زبان نکھری، معنی تعقید اور اغلاق سے بری، اور خیالات کے لحاظ سے تمامتر حکمت و موعظت، اور اس کی سب سے محکمہ مثال حسن و عشق کے بیان میں بھی کہیں متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، اور کوئی ایسا سماں نہیں دکھایا گیا، جہاں چشم ادب کو شرم سے نگاہ نیچی کرنی پڑے، جگہ جگہ دین و اخلاق کے ایسے موتی ہیں بکھیرے ہیں، جو مصنف کے ذخیرہ ادب کی لازوال دولت ہیں، اور مثنوی کا آخری حصہ تو سراسر تبلیغی ہے،

مصنف کے کلام کی روانی قافیوں کی برجستگی، فارسی ترکیبوں کی دلآویزی، اور مضمون کی بلندی کا

اندازہ ان چند اشعار سے ہوگا،

ستارے سے پلکوں پہ کچھ آگئے
زباں رُک گئی ہونٹ تھرا گئے

بدل کر رہیں گے یہ لیل و نہار
پھر آئے گی اک دن چمن میں بہار

میں ہر چند خود ہوں رہینِ ستم
اسیرِ بلا کشتۂ رنج و غم

نہیں مجھ سا گم کردہ منزل کوئی
کوئی ناخدا ہے نہ ساحل کوئی

یہ حالت بھی اک دن بدل جائیگی
گھڑی رنج و حرماں کی ٹل جائیگی

خواجہ میر اثر وغیرہ اساتذۂ مثنوی کی پیروی میں مصنف نے بھی مثنوی کی اسی بحر میں غزلیں کہہ کر شامل کی ہیں، ایک غزل ہے،

لہو ہو کے آنکھوں سے بہ جائے دل
کسی کا کسی پر اگر آئے دل

فضا حسن کی مسکراتی رہی
میں کہتا رہا ہائے دل ہائے دل

کبھی آ کے اے کاش وہ دیکھتے
اُجڑتی ہوئی میری دنیائے دل

کہوں کچھ تو شرم وفا روک دے
جو خاموش بیٹھوں تو گھبرائے دل

کسی کے تصور میں کھو جائیے
اسی طرح شاید بہل جائے دل

تغافل کے صدقے یہ پوچھے کوئی
کہاں تک مصیبت سہے جائے دل

محبت کا یہ کیف اترے نہ ہوش
الٰہی نہ اب ہوش میں آئے دل

مصنف کی طبعی نفاست پسندی کے مطالبہ کو طباعت کے اہتمام کرنے والوں نے بھی پورا کیا ہے، اعلیٰ درجہ کا کاغذ، خوشنما ٹائپ، خوبصورت انگریزی جلد،

"ر س"

مطبوعات جدیدہ

احکام قرآنی از جناب ایم عبد الرحمٰن خان صاحب ناشر ایم ثناء اللہ خان صاحب نمبر ۲۲ ریلوے روڈ لاہور، حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ہے،

جناب مصنف اس سے پہلے بھی قرآن مجید کی خدمت کے سلسلہ مین اپنی بعض مفید کتابین شائع کرا چکے ہیں، "احکام قرآنی" کے نام سے ان کی نئی کتاب شائع ہوئی ہے، اس مین قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ مختلف عنوانون کے تحت منتخب کرکے مختلف بابون مین درج کی ہین، یہ آیات کریمہ مسلمانون کی زندگی کے مختلف شعبون عقیدہ وعمل، عبادت وحقوق عباد، اور اخلاق ومعاشرت سے وابستہ ہین، اگر ابواب مختلف عنوانات عقائد، عبادات، اوامر ونواہی اخلاق وحقوق، معاشرت، وتجارت وغیرہ مین تقسیم کئے جاتے، اور آیتین تحتانی عنوانون کے ساتھ ان کے جامع عنوان کے تحت درج کیجاتین تو کتاب مین زیادہ جامعیت اور اس سے استفادہ کرنے مین مزید سہولت حاصل ہوتی، باین ہمہ اس تصنیف مین قرآن مجید کے احکام کا ایسا خلاصہ آگیا ہے، جو مسلمانون کی حیات کا دستور بن سکتا ہے، ضرورت ہے کہ مسلمانون کے حلقہ مین اسکی عام اشاعت ہو کہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکین، کتاب پر حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ اور دوسرے علمائے کرام نے حوصلہ افزا تقریظین بھی لکھی ہین،

Cabinet Mission and After (وزارتی مشن اور مابعد) از جناب شیخ محمد اشرف صاحب حجم ۱۲۲ صفحے، کاغذ اور چھپائی بہتر، قیمت ہے، پتہ: شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور،

شیخ محمد اشرف انگریزی کتابون کی طبع و اشاعت مین ہندوستان کے ناشرین مین امتیاز حاصل کر چکے ہین، وہ مختلف موضوعون پر قابلِ قدر کتابین انگریزی زبان مین شائع کرتے رہتے ہین، ان کی نئی کتاب عنوانِ بالا سے شائع ہوئی ہے، اور اس مکتبہ کی خصوصیات کی حامل ہے، اس مین وزیرِ اعظم اٹیلی کے اعلان سے لیکر کانگرس کے عارضی حکومت مین داخل ہونے تک ہندوستان کی سیاسی حالت کی روداد کیجا کی گئی ہے، جس کے مختلف ابواب مین وزارتی وفد کے ورودِ ہند، گفتگو کے آغاز اور اس کے مختلف مراحل کو دکھایا گیا ہے، اور مختلف سرکاری اعلانات، لیگ کانگریس، وائسرائے، اور وزارتی وفد کے باہمی مراسلات، لیگ اور کانگرس کے سکریٹری اعلانات، مجالس کی کارروائیان، اور مختلف لیڈرون کے مختلف موقعون پر شائع کرائے ہوئے بیانات وغیرہ کو یکجا کیا ہے، اس طرح اس سلسلہ کی تقریبًا سب ہی ضروری چیزین اس مین آگئی ہین، اور خصوصًا حوالہ (ریفرنیس) کے لئے یہ ایک اچھا مجموعہ تیار ہو گیا ہے، امید ہے کہ اس کو پسند کیا جائے گا،

انگلستان اور بین الاقوامی زر کے منصوبے
مترجمہ جناب محمد احمد خان صاحب بی اے، حجم ۱۲۵ صفحے،
قیمت ۸؍، پتہ :- انڈیا بک ہاؤس، عابد روڈ حیدرآباد دکن،

بین الاقوامی مسئلہ زر کو طے کرنے کے لئے حکومت انگلستان نے لارڈ کینز کی سرکردگی مین تجاویز مرتب کرائی تھین، تاکہ بین الاقوامی تجارت کو زر کے بدلتے ہوئے حالات کے اثرات سے بچایا جا سکے، چنانچہ موصوف نے بین الاقوامی مجلسِ حساب کے قائم کرنے کے لئے اپنی تجویزون کا خاکہ تیار کیا تھا، جس کو دنیا کے ماہرین اقتصادیات کے غور و فکر کے لئے شائع کیا گیا تھا، زیرِ نظر رسالہ انہی تجاویز کا اردو ترجمہ ہے، ترجمہ صاف، سلیس اور رواں ہے،

امریکہ اور بین الاقوامی زر کے منصوبے
مترجمہ جناب عطاء الرحمٰن صاحب علوی بی اے، حجم ۸۰ صفحے، قیمت ۶؍،
پتہ :- انڈیا بک ہاؤس، عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

بین الاقوامی مسئلۂ زر پر انگلستان کی طرح امریکہ مین بھی تجاویز مرتب کی گئی تھین، تاکہ ان پر غور کیا

غور و فکر کیا جا سکے، زیر نظر رسالہ میں امریکہ کی تجاویز کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے یہ ترجمہ بھی صاف سلیس اور عام فہم ہے، اقتصادیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ دونوں رسالے دلچسپ اور مفید ہوں گے،

حقائق الاسلام (حصہ اول) از جناب حافظ محمد سرور صاحب کوہاٹی، حجم ۲۲۴ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۲ر، پتہ :- دفتر جماعت اسلامیہ، نزد محلہ جمعہ خان کوہاٹ، صوبہ سرحد،

حقائق الاسلام میں مصنف نے انسانوں کی تخلیق اور انبیاء کرام کی بعثت کے مقاصد کو واضح کرکے اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات کو پیش کیا ہے، پھر انہی عقائد و تعلیمات کی روشنی میں انسانی سیرت و کردار اور اخلاق حسنہ و رذیلہ کا جائزہ لیا گیا ہے، اور صدر اول کے مسلمانوں کی سیرت کی بلندی اور رفتہ رفتہ پستی کی طرف مسلمانوں کی رجعت کو دکھایا ہے، اور اس کے اسباب و علل کو نمایاں کیا ہے، پھر بتایا ہے کہ اسلام نام ہے ایمان و عمل صالح کا، اور مسلمانوں کی زندگی کو اسی پیمانہ پر اترنا چاہئے، آخر میں کفر و اسلام میں ایک دوسرے سے امتیاز دکھا کر مسلمانوں کو کفریہ عقائد، اعمال اور تعلیمات سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، مباحث پر اظہار خیال اور طرز ادا میں کچھ پھیلاؤ زیادہ ہو گیا ہے، اگر انھیں سمیٹ کر اختصار و جامعیت کے ساتھ قلمبند کیا جاتا تو کتاب کے افادی پہلو زیادہ نمایاں ہوتے، باین ہمہ یہ تصنیف عام اسلامی حلقہ کے لئے مفید ہوگی، امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

مقدمۂ مشکوٰۃ شریف، ترجمہ جناب مولوی خواجہ محمد علی صاحب، ناشر مکتبہ اسلامی، لاہور، حجم ۱۱۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- عہر

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا مقدمۂ مشکوٰۃ حدیث کے طلبہ کے لئے شمع راہ کا کام دیتا ہے، یہ مقدمہ انھوں نے اپنی شرح مشکوٰۃ کے لئے لکھا تھا، مگر اس قدر مقبول ہوا کہ مشکوٰۃ کے مطبوعہ نسخوں کا جزو بن گیا، اس میں علم حدیث کے مبادی بڑے اختصار و جامعیت سے بیان کئے گئے ہیں، مترجم نے اس کو طلبہ کی آسانی کے لئے شگفتہ اردو میں منتقل کر دیا ہے، ا

ترجمہ کے ساتھ اصل عربی متن کو بھی چھاپ دیا ہے، مترجم نے دیباچہ میں مشکوٰۃ اور اس کی شرحون کا حال بیان کیا ہے، اس سلسلہ مین بعض مسامحتین سرزد ہوگئی تھین، جن کی تصحیح مترجم نے کر لی ہے،

حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت	از حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہٗ ناشر ادارہ دعوۃ الحق نیم بازار کوچہ گھانس منڈی، حیدرآباد دکن، حجم ۱۶ صفحے، قیمت: ۳ر

معارف ماہ مئی ۱۹۳۶ء؁ مین حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خطبۂ صدارت جو جمعیۃ علماء صوبۂ بمبئی کے اجلاس مین پڑھا گیا تھا، شائع ہوا تھا، اس کے بعض حصہ کو ناشر نے "حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت" کے نام سے رسالہ کی صورت مین شائع کیا ہے، اور اپنی طرف سے مضمون مین تحتانی سرخیان قائم کی ہین، سیاسیات کے موجودہ بحران مین اس کا مطالعہ بیحد مفید ہوگا،

اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاحِ عالم	از جناب حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی، حجم ۴۵ صفحے، قیمت: ۸ر پتہ:- دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

مصنف نے اس رسالہ مین دکھایا ہے کہ اسلامی ریاست کی روح عبدیت اور اتباعِ امرالٰہی ہے، اور اسی کی تابیس سے دنیا کی فلاح وابستہ ہے،

روحانی اقوال مرتبہ جناب حافظ سکندر بخت صاحب، حجم ۱۲ صفحے، قیمت ۲ر، پتہ منیجر کتبخانۂ عابد روڈ حیدرآباد دکن،

اس رسالہ مین مختلف دینی و اخلاقی عنوانون پر مختلف احادیث، آثار اور بزرگانِ دین کے ملفوظات کیجا کئے گئے ہین، اور ان سے مختلف مذہبی اوامر و نواہی اور سبق آموز پند و نصائح پیش کئے گئے ہین،

اہلبیت، مصنفہ مولوی ابوالمرجان محمد فضل اللہ صاحب مبارکپوری، پتہ:- صوفی پورہ

مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ، حجم ۴۸ صفحے، قیمت ۸ر

مصنف نے اس رسالہ مین کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت کرنا چاہا ہے، کہ اہلِ بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات ہین، نیز عصمت اہلِ بیت کے عقیدہ کا رد کیا ہے،

راہِ سلوک از مولوی حکیم سید محمد طٰہٰ صاحب کمال، ندوی، پتہ:- آبگلہ، ڈاکخانہ، بنیادگنج ضلع گیا، حجم ۲۲ صفحے، قیمت درج نہین،

مصنف نے دکھایا ہے کہ اولیائے صالحین سے محبت رکھ کر ان کا اتباع کرنے ہی سے راہِ سلوک طے ہوتی ہے،

وسیلۃ النجاۃ از مولانا سید شاہ امیرالدین مرحوم:- پتہ:- سعید برادرس پبلشرز الہ آباد، حجم ۴۸ صفحے، قیمت:- ۴ر

وسیلۃ النجاۃ مین نماز کے مستحبات، مختلف اعمالِ صالحہ کے فضائل اور اوراد و اشغال کے طریقے، مختلف احادیث و آثار کے متن مع ترجمہ سے مختصراً بیان کئے گئے ہین،

مقاصدِ قرآن، از مولوی سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، حجم ۲۰ صفحے، قیمت ۲ر، پتہ:- مکتبہ نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد، دکن،

اس رسالہ مین قرآن مجید کی تعلیمات دلنشین انداز مین پیش کی گئی ہین، اور نتیجہ کے طور پر دکھایا ہے، کہ ایمان باللہ و روزِ آخر اور عمل صالح آسمانی مذاہب کی مشترک تعلیم ہے، دوسری قومون نے ان کو بھلایا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بشیر و نذیر بن کر نوعِ انسانی کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دی، اس رسالہ کا مطالعہ اور اس کی عام اشاعت مفید ہوگی،

تمت

جلد ۵۹ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۷ء عدد ۴

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ

استفسار و جواب

وفیات

شذرات

ہندوستان مین مسلمانون کی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی ان کی اجتماعی زندگی اور مذہبی تنظیم کا شیرازہ ایسا بکھر گیا، کہ ملت کے پورے نظام مین ابتری و پراگندگی پھیل گئی، نصف صدی پہلے سے مسلمانون نے حکومت سے نظر التفات کی التجائین کرکے اپنی اجتماعی شیرازہ بندی کی بار بار کوششین کین، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے، مجالس قانون سازمین بھی انھون نے انفرادی کوششون سے اپنی تمدنی و مذہبی ضرورتون کیلئے مختلف بل پیش کئے، مگر ان کا نتیجہ بھی کچھ اطمینان کے قابل نہین نکلا، معارف نے آج سے اٹھائیس برس پہلے حکومت کو ان مسائل کی طرف توجہ دلائی تھی، مگر نہ حکومت ہی نے ادھر توجہ کی، اور نہ مسلمانون نے،

ــــــــ ٭ ــــــــ

ہندوستان کے اسلامی عہد مین صدر جہان کا منصب انہی ضرورتون سے قائم تھا، اس کی نگرانی مین مسلمانون کے مذہبی احکام و فرائض انجام پاتے تھے، اس عہد کے خاتمہ کے بعد برطانوی حکومت کے ابتدائی زمانہ مین بھی یہ عہدے قائم رہے اور دیسی ریاستون مین برائے نام سہی وہ آج بھی موجود ہین، حیدرآباد کے صدر الصدور یا ناظم امور مذہبی کا منصب، یا بھوپال مین دار القضا کا محکمہ پچھلے ہی دور کی نشانیان ہین، پھر ہندو ریاستون مین بڑودہ کے "قاضی" گوالیار کے "مفتی" اور برطانوی ہند مین بنگال کے "قاضی نکاح" بیسوین صدی مین بھی وہان کے سرکاری عہدہ دار ہین اور اگر یورپی سلطنتون کے زیر اثر ممالک کی مثال لائی جائے، تو الجزائر، ٹیونس، اور طرابلس وغیرہ کے مذہبی امور کے ادارے اب تک چلتے ہوئے ہین

ــــــــ ٭ ــــــــ

خلافت کی تحریک و امارت شرعیہ کی تاسیس مین اسی نظام کو دوبارہ قیام کا خیال غالب تھا، مگر افسوس ہو کہ ایک بیرونی

حکومت نے مسلمانوں کی زندگی کی اس بڑی ضرورت کا احساس نہیں کیا لیکن اب جبکہ ایک نئے ہندوستان کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے اور اسلامی اکثریت اور اسلامی اقلیت کے صوبوں میں مسلم لیگ اور کانگریس کی حکومتیں قائم ہیں، اور ملک کے لئے ایک نئے نظام نامہ کا خاکہ تیار کیا جا رہا ہے یہی وہ وقت ہے جب اس مسئلہ پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے، اب ۱۹۳۵ء ایکٹ کی ماتحت حکومتیں چراغ سحری ہیں جون ۱۹۴۸ء تک نیا ہندوستان اپنے نئے رنگ روپ میں سامنے آنے والا ہے، ہندوستان کا آیندہ نظام خواہ جیسا بھی ہو، اس کے نقشہ میں جس اعتبار سے جس قسم کے رنگ بھی بھرے جائیں بہرحال وہ آج برطانوی ہند سے ایک مختلف ہندوستان ہوگا، اسلامی اکثریت کے صوبوں میں اسلامی طاقت غالب ہوگی، اس لئے وہاں اس نظام پر غور کرنے کی ضرورت سے کسی کو انکار نہ ہوگا لیکن اسلامی اقلیت کے صوبے بھی مسلمانوں کی اس ضرورت سے چشم پوشی نہیں کر سکتے،

—— ۰ ——

ہمیں اس سلسلہ میں قضاۃ کا تقرر کرنا ہے، کہ نکاح و طلاق اور خلع کے مقدموں کا شرعی احکام کے مطابق فیصلہ ہو سکے، مسجدوں کے آباد ہونے کا نظام بنانا ہے، کہ اُن کے لئے ائمہ و خطیب مقرر کرنے کی سہولتیں حاصل ہوں، پھر مذہبی اوقاف کے انتظام کو نئی شکل میں لے آنا ہے، یہ اور اس قسم کی ساری ضرورتیں شیخ الاسلام ہی کی مرکزی مسند سے پوری کیجا سکتی ہیں، ضرورت ہے کہ صوبوں میں اور اگر متحدہ مرکزی حکومت بنے تو مرکز میں امور مذہبی کے انتظام کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کیا جائے، جو پوری تنفیذی قوت کے مالک ہونے کے ساتھ وہ صوبہ یا مرکز کی حکومت کا ایک شریک جزء ہو، مگر وہ صوبہ یا مرکز کے حکمران طبقہ میں سے صرف مسلم عناصر سے وابستہ رہے اور صوبہ کی اسمبلی کے مسلمان ممبروں کے سامنے جوابدہ ہو، اس کے ساتھ اس شعبہ کا صدر حکومت کے کابینہ کا ایک رکن یا وزیر ہو،

—— ۰ ——

اگر اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کو باعزت زندگی کے ساتھ رہنا ہے، تو انھیں اکثریت کے صوبوں کے مسائل کے ساتھ خاص طور پر ان مسائل پر بھی غور کرنا ہے، کہ ان صوبوں میں ان کی اجتماعی زندگی کی پراگندگی

کا خاتمہ ہو، آزاد ہندوستان میں ہر مذہب و ملت کی مذہبی آزادی و ثقافتی تحفظ کا اعلان بار بار دہرایا گیا ہے، اب ان کا مذہبی اعلانوں کی آزمایش کا وقت آپہنچا ہے، اس قسم کے کسی مذہبی شعبہ کا قیام مسلمانوں کے لئے خواہ وہ اکثریت کے صوبوں میں ہوں، یا اقلیت کے، ان کی اہم دینی و اجتماعی ضرورت ہے، اس لئے اگر موجودہ مذہبی حکومتوں سے کسی زکوٰۃ یا بیت المال بل کو منظور کرانے کی کوششوں کے بجائے ملک کے ممتاز علماء و ارباب فکر وسیع پیمانہ پر نظام حکومت سے منسلک ایک مذہبی شعبہ کی داغ بیل ڈالنے کی ایک اسکیم مرتب کرنے پر اپنا وقت صرف کریں، تو زیادہ مناسب ہوگا،

اس اسکیم کے ضروری اجزاء میں شرعی مسائل و احکام کا اجراء و نفاذ کرنا اور اسلامی اوقاف، مساجد، دینی درسگاہیں، دارالافتاء، دارالقضاء اور ان کے ماتحت نکاح، طلاق، خلع، تفریق، شفعہ، وراثت، رویت ہلال، رمضان و عیدین کی تاریخ کی تعیین اور انتظام حج وغیرہ کے وسائل مہیا کرنا، داخل ہونگے، پھر اسی شعبہ کے ماتحت عشر و زکوٰۃ و صدقات اور عمومی اوقاف کے حاصل کو دینی اشرائط کے مطابق وصول کرنا، اور ان کو شرعی حدود و قیود کے مطابق صرف کرنا ہوگا، یہ اور ایسے ہی بیسیوں مسائل میں جو ہماری اجتماعی ضرورتوں کے لئے ہماری شیرازہ بندی کے نقطہ نظر سے بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ شرعی محاصل اور شرعی مقدمات کے اثاثے سے اس شعبہ کے سارے مصارف پورے کئے جا سکتے ہیں، اور مرکز یا کسی صوبہ کے خزانہ پر جداگانہ مالی بار کے پڑنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا ہے، امید ہے کہ ملک کے ارباب فکر اس مسئلہ پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے،

اس وقت اصل ضرورت اسی نوعیت کے کسی مسودہ قانون کی ہے، امید ہے کہ اسلامی اخبارات خواہ وہ جس سیاسی مسلک سے منسلک ہوں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو ارباب فکر، رہنماؤں اور عام مسلمانوں کے سامنے لائیں گے،

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبدالسلام ندوی

"مولانا عبدالسلام صاحب ندوی آج کل ڈاکٹر اقبال پر ایک مکمل تصنیف کی ترتیب میں مصروف ہیں، ذیل میں اس کا ایک حصہ جس میں اقبالؒ کے فلسفۂ خودی پر تفصیل سے نظر ڈالی گئی ہے، پیش کیا جاتا ہے"۔ "س"

خودی اخیر دور میں ڈاکٹر صاحب کی شاعری کی شہرت اسی فلسفہ کی بدولت ہوئی، اور اس کی تشریح ایک مضمون نگار نے اس طرح کی ہے،

"صوفی کہتے ہیں کہ چیونٹی بنو تاکہ لوگ تمھیں پاؤں کے نیچے روند کر زندان ہست و بود سے نجات دلائیں، بھڑ نہ بنو کیونکہ اگر بھڑ بنوگے تو خواہ مخواہ کسی کو ڈنک مارو گے، وہ بیچارہ درد سے چیخنے چلانے لگے گا، اور ممکن ہے کہ اس کی بددعا سے تم بلکہ بھڑوں کی تمام قوم قہر الٰہی کی مستوجب بن جائے، بھیڑ بنو تاکہ لوگ تمھارے بالوں سے گرم کپڑے بنا کر موسم سرما کی شدت سے اپنے تن بدن کو محفوظ کر سکیں، اور تمھارے گوشت سے اپنا پیٹ بھر سکیں، بھیڑیا نہ بنو، کیونکہ اگر بھیڑیا بنوگے تو ناچار روزانہ کئی جانوروں کو ہلاک کروگے، اور ان کی بددعائیں لوگے، مچھلی بنو

تاکہ آدمی تمھیں پکڑ پکڑ کر کھائیں، اپنا اور اپنے بچون کا پیٹ پالیں، نہنگ نہ ہو، ورنہ انسانون اور مچھلیون کی ہلاکت کا باعث ہوگے، اور یہ فعل نہایت قبیح ہے، وغیرہ وغیرہ"

علامہ اقبال کہتے ہین کہ چیونٹی نہ ہو ورنہ لوگ تمھیں پاؤن کے نیچے کچل کر مار ڈالین گے، بھڑ ہو اور جو کوئی سامنے آئے، اسے ڈنک مارو، بھیڑ نہ ہو، ورنہ لوگ تمھیں مار کر کھا جائینگے، بھیڑیا ہو تاکہ جو کوئی ملے اُسے ہڑپ کر جاؤ، اور آدمی ملے تو اُسے چٹ کر جاؤ، شبنم کا قطرہ نہ ہو، شیر یا چیتا ہو، سانپ ہو، اژدہا ہو، عقاب ہو، شہباز ہو، الغرض اگر جامدی زندگی پسند ہو تو پتھر ہو تاکہ کسی کا سر توڑ سکو، حیوانی جامہ مین رہنا چاہو تو کسی قسم کا کوئی درندہ بن جاؤ تاکہ باقی جانورون کو چیر پھاڑ سکو، شکست خاطر صوفیون کی باتین نہ سنو، وہ اپنی جان کے بھی دشمن ہین، اور تمھاری جان کے بھی"[1]

لیکن یہ ڈاکٹر صاحب کے فلسفۂ خودی کی نہایت غلط اور خطرناک تشریح ہے، نہ ہمارے صوفیہ ایسا کہتے، اور نہ ڈاکٹر صاحب انسانون کو موذی جانور بننے کی تعلیم دیتے، اُن کے فلسفہ کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اخلاقی فضائل کی دو قسمین ہین،

۱۔ ایک ایجابی، مثلاً خودداری، دلیری، آزادی، حق گوئی، بلند ہمتی، استقلال، عزم و ثبات، وقار، صبر و سکون، مطالبۂ حق، جد و جہد، سعی و محنت وغیرہ وغیرہ،

۲۔ دوسری سلبی، مثلاً زہد و تقشف، توکل، قناعت، تواضع و خاکساری، عفو و درگذر، حلم و بردباری وغیرہ وغیرہ،

ہمارے صوفیہ نے فضائلِ اخلاق کی ان دونون قسمون مین سے صرف سلبی اخلاق کو اختیار کیا تھا، چنانچہ ایک صوفی کا قول ہے،

---

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۲۴۴، ۲۴۵،

"جو شخص شرف کے اعلیٰ درجہ کو پہنچنا چاہتا ہے، اوس کو سات چیزون کے مقابلہ مین سات چیزون کو اختیار کرنا چاہئے یعنی (۱) احتیاج کو دولتمندی (۲) بھوک کو شکم سیری (۳) پستی کو بلندی (۴) ذلت کو عزت (۵) خاکساری کو غرور (۶) غم کو خوشی (۷) اور موت کو زندگی کے مقابلے مین،

نطشے نے مسیحی اخلاق پر جو اعتراضات کئے ہین، وہ اسی دوسرے قسم کے سلبی اخلاق سے تعلق رکھتے ہین، لیکی نے تاریخ اخلاق یورپ کی دوسری جلد مین لکھا ہے، کہ

"انکسار اور فروتنی کا وصف تمام تر مسیحیت کا پیدا کردہ ہے،...... اور گو یہ وصف بھی ایک زمانہ تک نہایت موزون و مناسب رہا تاہم تمدن کی روز افزون ترقی کی رفتار کا آخر تک ساتھ نہ دے سکا، ترقی تمدن کے لئے لازمی ہے، کہ قوم مین خودداری ہو، اور حریت کے جذبات موجود ہون، اور انکسار و تواضع اس کے دشمن ہین، خانقاہانہ طرز زندگی کا مثل فوجی طرز زندگی کے اقتضا یہ ہے، کہ استبدادی حکومت ہو تاہم سپاہیون مین تو پھر بھی فی الجملہ خودی و خودداری موجود ہوتی ہے لیکن اسے بالکل مٹا دینا جو خانقاہانہ زندگی کا مطمح نظر تھا کسی طرح ترقی تمدن کے حق مین مفید نہین پڑ سکتا تھا، اور پھر بڑے بڑے زاہدون مین تو اس جذبہ سے اور فضائل پیدا ہوتے بھی رہتے ہین، لیکن عوام مین تجربہ سے معلوم ہوا کہ انکسار بالکل غلامانہ زندگی کے مرادف ہوجاتا ہے"۔

ان دونون قسمون کے علاوہ اخلاق کی دو قسمین اور ہین،

۱- ایک انفرادی مثلاً تجرد اور عزلت گزینی وغیرہ،

۲- دوسرے اجتماعی مثلاً، دیانت، امانت، مہمان نوازی، حاجت برآری اور حسن معاشرت وغیرہ،

ان دونون قسمون مین سے بھی ہمارے صوفیہ نے زیادہ تر انفرادی اخلاق اختیار کئے، اور

اجتماعی اخلاق مین زیادہ تر ان اخلاق کو انتخاب کیا جن کی بنیاد ضعف پر قائم ہے، مثلاً رحم و احسان ایک اجتماعی وصف ہے، اور اُن سے بڑے بڑے اجتماعی کام لئے جا سکتے ہین، مثلاً

۱- غلامون کی آزادی مین حصہ لینا، اور اس کے لئے جد وجہد کرنا،

۲- شفاخانے اور محتاج خانے کھولنا،

۳- مریضون کی خدمت و تیمارداری، اور مردون کی تجہیز و تکفین کرنا،

۴- قتل و خونریزی اور لوٹ مار سے ملک کی حفاظت کرنا،

۵- زمانۂ جنگ مین بادشاہون کے درمیان مصالحت کرواکے ملک کو جنگ کے نقصانات سے بچانا،

۶- حکام کو ظلم و تشدد سے روکنا،

۷- مجرمون کو رہا کرانا،

۸- یتیمون اور بیواؤن کی مدد کرنا،

۹- رفاہِ عام کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا مثلاً بھولے ہوؤن کو راستہ دکھانا،

۱۰- غلط کار آدمیون کو کام کرنے کا صحیح طریقہ بتانا، بے روزگارون کو روزی سے لگانا، بلا کرایہ کشتی چلانا، یا سبیل لگانا وغیرہ وغیرہ،

لیکن عیسائی مذہب جو اپنے زہد و تقشف کی وجہ سے صوفیانہ روش سے بہت زیادہ مشابہ ہے، اس معاملہ مین ہمارے صوفیون سے بازی لے گیا ہے، اور بہت سے پادریون اور راہبون نے جیسا کہ تاریخ اخلاق یورپ مین بتفصیل مذکور ہے، یہ تمام اخلاقی خدمتین انجام دی ہین، لیکن ہمارے صوفیہ کے رحم و ہمدردی مین اس قسم کی اخلاقی کوششون کا بہت کم سراغ ملتا ہے، کیونکہ جب کسی مذہب مین رہبانیت کا عنصر زیادہ شامل ہو جاتا ہے، تو اس کے پیرودن سے اس قسم کے اخلاقی فضائل سلب ہو جاتے ہین، عیسائی پادریون نے بھی اُسی وقت یہ تمام خدمتین انجام دی تھین، جب ان پر رہبانیت کا بہت زیادہ غلبہ

نہیں ہوا تھا لیکن ہمارے صوفیون کے لطف و احسان کی صورت یہ تھی کہ وہ جانورون کو آزار دینے سے اجتناب کرتے تھے یہان تک کہ موذی جانورون کو بھی نہیں ستاتے تھے، چنانچہ ملا عبدالرحمان جامی نفحات الانس مین لکھتے ہین :-

"امیرچہ سفال فروش کژدم از دکان برداشتے و بہ بارہ بروے و آنجا گذاشتے، مردے وقت خوش گشت فرشتۂ خود را و یدا وے را گفت چہ باید کرد تا کسے شما را بہ بیند گفت ہیچ جانور را نیازارد آن مرد ہیچ جانور را نمی آزرد و فرشتہ را می دید، روزے مورچہ وے را بگزید چیزے بروے زد مورچہ بیفتاد و پس ازان ہرگز فرشتہ را ندید"

خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات مین ہے کہ

"ہرکہ دو ماؤ گاو ذبح کند یک خون کردہ باشد و ہرکہ چہار مادہ گاؤ ذبح کند دو خون کردہ باشد و ہرکہ دہ گوسفند ذبح کند یک خون کردہ باشد"[۵]

حدیثون مین بھی اگرچہ جانورون پر رحم کرنے کا حکم موجود ہے لیکن موذی جانور اس سے مستثنیٰ ہین، اور جانورون کے ذبح کرنے کی کوئی ممانعت نہیں، بہرحال ہمارے صوفیہ کا اخلاقی نظام زیادہ تر سلبی اور انفرادی فضائل تک محدود ہے، اور امام غزالی نے احیاء العلوم مین انہی اخلاقی فضائل سے بحث کی ہے، اس لئے جو لوگ عزلت گزینی اور خلوت نشینی کی زندگی بسر کرتے ہین، وہ تو ان کی اخلاقی کتابون سے فائدہ اٹھا سکتے ہین لیکن مدبرین سیاست یعنی وزراء و سفراء کو اُن سے کوئی اخلاقی فائدہ نہیں پہونچ سکتا لیکن اسلام کا نظام اخلاق صرف انہی فضائل تک محدود نہیں ہے، بلکہ اوس نے اپنی جامعیت کی بنا پر ایجابی، سلبی، انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کے اخلاق کی تعلیم دی ہے، اور ان مین بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے، اوس کو اس طرح رفع کر دیا ہے کہ سب کے

---

۵ نفحات الانس بحوالہ آثر الکرام جلد اول ص ۱۳۱،

مواقع الگ الگ کردئیے ہین، مثلاً عام زندگی مین تواضع وخاکساری کی تعلیم اس طرح دی ہے،

ولا تمش فی الارض مرحاان اللہ لایحب کل مختال فخور (لقمان - ۲)

اور زمین پر اترا کر نہ چل (کیونکہ) خدا کسی اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہین کرتا،

لیکن جہان خاکسارانہ روش اختیار کرنے سے انسان کا ضعف ظاہر ہوتا ہے، وہان اسلام نے قوت کے اظہار کا حکم دیا ہے، چنانچہ جب صحابہ حجۃ الوداع کے لئے آئے تو چونکہ مدینہ کے وبائی بخار نے ان کو کمزور کر دیا تھا اس لئے کفار نے طنزاً کہا کہ محمدؐ اوران کے اصحاب ضعف کی وجہ سے خانۂ کعبہ کا طواف نہین کر سکتے، اس پر آپ نے صحابہ کو حکم دیا، کہ طواف کا تین چکر اکڑ کر کرین تا کہ مشرکون پر ان کی طاقت کا اظہار ہو، یہ سنت آج تک باقی ہے جس کو رمل کہتے ہین، اور جس کے معنی اکڑ کر چلنے کے ہین،

قوت کے اظہار کا اصلی موقع جہاد مین پیش آتا ہے، اور اس موقع پر اسلام نے خاکساری کے بجائے کبر وغرور کو پسند کیا ہے، چنانچہ حدیث مین ہے کہ بعض غرور کو خدا ناپسند اور بعض کو پسند کرتا ہے، جنگ وصدقہ کے موقع پر اترانا خدا کو پسند ہے، اور ظلم و فخر پر اترانا ناپسند[۱]،

حضرت ابودجانہؓ ایک نہایت بہادر صحابی تھے، وہ غزوۂ احد مین شریک ہوے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار کو ہاتھ مین لے کر فرمایا، کہ کون اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے گا ؟ بہت سے صحابہ آپ کی طرف بڑھے، لیکن آپ نے وہ تلوار کسی کو نہین دی، یہان تک کہ حضرت ابودجانہؓ اُٹھے اور کہا کہ اس کا حق کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دشمن پر اس کو اس قدر چلاؤ کہ ٹیڑھی ہو جائے، بعض روایتون مین ہے کہ مسلمان پر اس کو نہ چلانا، اور کافر سے نہ بھاگنا، انھون نے کہا کہ مین اس کا حق ادا کرون گا، اب آپ نے ان کو وہ تلوار عنایت فرمائی، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الخیلاء فی الحرب،

تلوار لے کر اکڑتے تنتے ہوے چلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مغرورانہ چال دیکھی تو فرمایا، کہ اس موقع کے سوا خدا ہر جگہ اس چال کو ناپسند فرماتا ہے؛[1]

اسلام نے عام طور پر اجتماعی اخلاق کی تعلیم دی ہے، چنانچہ حدیث شریف مین ہے، کہ "جو مسلمان لوگون سے میل جول پیدا کرتا ہے، اور ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفون کو برداشت کرلیتا ہے" وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگون سے میل جول نہین پیدا کرتا، اور ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفون کو نہین سہتا،[2] لیکن بعض حالتون مین انفرادی اخلاق کی تعلیم بھی دی ہے،

خیر مال المسلم غنم تیبع بھا	مسلمان کا بہترین مال وہ بکریان ہین
شعف الجبال ومواقع القطر	جن کو وہ پہاڑون کی چوٹیون اور
یفر بدینہ من الفتن،[3]	شاداب مقامات پر چراتا ہے، اور اس طرح اپنے دین کو فتنون سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کو لے بھاگتا ہے،

اس قسم کی اور بھی متعدد حدیثین ہین، لیکن محدثین نے تصریح کردی ہے کہ اس قسم کی عزلت گزینی صرف اس حالت مین جائز ہے، جب ملک گیری کی ہوس مین باہم مسلمانون مین خانہ جنگی ہوجائے اور ایک مسلمان اس کا فیصلہ نہ کرسکے کہ اس مین کونسا فریق حق پر ہے، یا یہ کہ وہ اس فتنہ کے ازالہ کی طاقت نہ رکھتا ہو، ورنہ عام حالات مین مسلمانون سے میل جول رکھنا، اخلاقی حیثیت سے افضل ہے،

لیکن بہرحال اسلام کی اخلاقی تعلیمات کی وسعت ہر قسم کے ایجابی سلبی، انفرادی اور اجتماعی اخلاق کو شامل ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے اسی اسلامی نظام اخلاق کی تعلیم دی ہے، اور ان کے مختلف محل و مواقع متعین کردیئے ہین،

---

[1] اسدالغابہ در صابہ تذکرہ حضرت ابودجانہ[2] ترمذی کتاب الزہد ص ۴۱۴ [3] بخاری کتاب الفتن،

قلندران کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند بخلوت اند و زمان و مکان در آغوشند

بروز بزم سراپا چو پرنیان و حریر بروز رزم خود آگاہ و تن فراموش اند

زندگی انجمن آرا و نگہدار خود است اے کہ در قافلہ بے ہمہ شو با ہمہ رو

تو فروزندہ تر از مہر منیر آمدۂ آنچنان زی کہ بہ ہر ذرہ رسانی پرتو

مصاف زندگی مین سیرت فولاد پیدا کر شبستان محبت مین حریر و پرنیان ہو جا

گذر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیابان سے گلستان راہ مین آئے تو جوئے نغمہ خوان ہو جا

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہون تو بنتا ہے مسلمان

جس سے جگر لالہ مین ٹھنڈک ہو وہ شبنم دریاؤن کے دل جس سے دہل جائین وہ طوفان

اے پیر حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ مقصود سمجھ میرے نوائے سحری کا

اللہ رکھے تیرے جوانون کو سلامت دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا

ہو حلقۂ یاران تو بریشم کی طرح نرم رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

لیکن یہ اسلامی نظام اخلاق صرف اس وقت قائم ہو سکتا ہے، جب انسان کو اپنی خودی کی حقیقت واضح طور پر معلوم ہو جائے، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے خودی کو اپنی شاعری کا ایک مستقل موضوع قرار دیا ہے، اور مثنوی اسرار خودی مین سادہ طور پر اس کی حقیقت بتائی ہے، لیکن اثبات خودی کے تمام مقدمات اس مین مذکور نہین ہین، اس لئے ہم ان کے پورے مجموعۂ کلام سے ان تمام مقدمات کو اخذ کرکے اس موقع پر درج کرتے ہین،

(۱) خودی، اثبات خودی کے لئے جن مقدمات کی ضرورت ہے ان مین پہلا مقدمہ خود خودی ہے، یعنی یہ کہ خود خودی کوئی چیز ہے یا نہین؟ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ مقدمہ بدیہی ہے، اور خود

انسان کے اندر سے ایک آواز آتی ہے کہ "مین ہون"

من از بود و نبود خود خموشم — اگر گویم کہ ہستم خود پرستم
ولیکن این نوائے سادہ کیست؟ — کسے در سینہ می گوید کہ ہستم

قدیم فلاسفہ نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ انسان پر بہت سے حالات ایسے گذرتے ہین کہ اس کو اپنے تن بدن کا ہوش نہین رہتا لیکن باوجود اس کے وہ یہ جانتا ہے کہ "مین ہون" اور اس سے انھون نے یہ ثابت کیا ہے کہ روح جسم سے الگ کوئی چیز ہے، ابھی ہم کو اس سے بحث نہین، کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ لیکن بہرحال فلاسفہ قدیم بھی اس مسئلہ مین ڈاکٹر صاحب کے ہم خیال ہین، کہ مین یا "انا" کا وجود بدیہی ہے،

ڈاکٹر صاحب نے خودی کے وجود پر ایک فلسفیانہ استدلال بھی کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے، دنیا کی ہر چیز مین شک کیا جا سکتا ہے،

توان گفتن جہان رنگ و بو نیست — زمین و آسمان کاخ و کو نیست
توان گفتن کہ خوابے یا فسونے است — حجاب چہرۂ آن بیچگونیست
توان گفتن ہمہ نیرنگ ہوش است — فریب پردہائے چشم و گوش است

لیکن با این ہمہ جو چیز دنیا کی تمام چیزون مین شک کرتی ہے، اس کا وجود یقینی ہے شک کے معنی سوچنے کے ہین، اور سوچنے کے معنی ہونے کے ہین لیکن مین سوچتا ہون اس لئے مین ہون، اب

اگر گوئی کہ من وہم و گمان است — نمودش چون نمود این و آن است
بگو با من کہ دارائے گمان کیست؟ — یکے در خود نگر آن بے نشان کیست؟
خودی پنہان زحجت بے نیاز است — یکے اندیش و دریاب این چہ راز است
خودی را حق بدان باطل مپندار — خودی را کشت بے حاصل مپندار[1]

---

[1] ماخوذ از روح اقبال ص ۹-۱۰۰، ۱۱۱

لیکن یہ خودی بذاتِ خود پیدا نہیں ہوئی ہے، بلکہ اس کا پیدا کرنے والا خدا ہے،

خودی را از وجودِ حق وجودے ‏ ‏ ‏ خودی را از نمودِ حق نمودے

نمیدانم کہ این تابندہ گوہر ‏ ‏ ‏ کجا بودے اگر دریا نبودے

اس موقع پر خدا کی ذات کے لئے انھون نے وہی دریا کا لفظ استعمال کیا ہے، جو صوفی شعراء عام طور پر استعمال کرتے ہین لیکن صوفیون سے اس مسئلہ مین الگ ہو گئے ہین کہ انسان اس دریا کا ایک قطرہ ہے بلکہ اس کو گوہرِ تابندہ قرار دیا ہے تاکہ خدا کی عظمت وشان کے ساتھ انسان کی خودداری بھی قائم رہے، دریا اور گوہر دونون لازم وملزوم ہین، اس لئے انسانی خودی کا وجود خدا کے بغیر ہو ہی نہین سکتا،

از ہمہ کس کنارہ گیر صحبتِ آشنا طلب ‏ ‏ ‏ ہم ز خدا خودی طلب ہم ز خودی خدا طلب

زمن گو صوفیانِ با صفا را ‏ ‏ ‏ خدا جویانِ معنی آشنا را

غلامِ ہمتِ آن خود پرستم ‏ ‏ ‏ کہ از نورِ خودی بیند خدا را

کرا جوئی؟ چرا در پیچ وتابی؟ ‏ ‏ ‏ کہ او پیداست تو زیرِ نقابی

تلاشِ او کنی جز خود نہ بینی ‏ ‏ ‏ تلاشِ خود کنی جز او نیابی

لیکن باوجود اس احتیاج وارتباط کے وہ مسئلۂ وحدۃ الوجود کے قائل نہین، بلکہ اُن کے نزدیک انسانی خودی خدا کی ذات سے بالکل الگ ایک مستقل چیز ہے،

خودی روشن ز نورِ کبریائی است ‏ ‏ ‏ رسائی ہاے او از نارسائی است

جدائی از مقاماتِ وصالش ‏ ‏ ‏ وصالش از مقاماتِ جدائی است

وصالِ ما وصال اندر فراق است ‏ ‏ ‏ کشودِ این گرہ غیر از نظر نیست

گہر گم گشتۂ آغوشِ دریاست ‏ ‏ ‏ ولیکن آب بحر آبِ گہر نیست

اور اس کو اسی انفرادی استقلال کے ساتھ قائم رہنا چاہئے، صوفیہ کہتے ہین، کہ اس کو

ذاتِ خداوندی مین جذب ہوجانا چاہئے، لیکن ڈاکٹر صاحب ایک نہایت عمدہ شاعرانہ تشبیہ کے ذریعہ سے یہ ثابت کرتے ہین کہ خودی کو بذاتِ خود قائم رہ کر اپنے نظری اقتضاءات کو پورا کرنا چاہئے، اگر وہ شبنم کا قطرہ ہے، تو اوس کو پھولون کی پنکھڑیون پر گرنا چاہئے، سمندر مین گر کر موتی نہین بننا چاہئے، اس مضمون کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہین، کہ لوگون نے شبنم سے صوفیانہ لہجہ مین کہا،

گفتند فرو د آے ز اوج مہ و پرویز   بر خود زن و با بحر پر آشوب بیامیز

با موجِ در آویز

نقشِ دگر انگیز

تابندہ گہر خیز

لیکن شبنم نے جواب دیا،

من عیش ہم آغوشی دریا نہ خریدم   آن بادہ کہ از خویش ربایدنچشیدم

از خود نہ رمیدم

ز آفاق بریدم

بر لالہ چکیدم

انسانی خودی کے علاوہ کائنات کی بھی ایک خودی ہے،

ہر چیز ہے محو خود نمائی   ہر ذرہ شہید کبریائی

اور اجزاے کائنات کی خودی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑھنا، ابھرنا، نشو ونما حاصل کرنا اور اپنی مخفی صلاحیتون کو روبکار لانا چاہتی ہے،

چہ لذت یارب اندر ہست و بود است   دل ہر ذرہ در جوش نمود است

شگافد شاخ را چون غنچۂ گل   تبسم ریزہ از ذوقِ وجود است

بگردون فکر تو دارد رسائی وے از خویشتن نا آشنائی
یکے بر خود کشا چون دانہ چشمے کہ از زیر زمین نخلے بر آئی

ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا تو ہی آمادۂ ظہور نہیں

کائنات کی خودی کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے گرد وپیش کی چیزون کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے،

من بگل گفتم بگو اے سینہ چاک چون بگیری رنگ و بو از باد و خاک
گفت گل اے ہوشمند رفتہ ہوش چون پیامے گیری از برق خموش
تاروڈیو
جان بہ تن ما را ز جذب این و آن جذب تو پیدا و جذب ما نہان

۲- شرفِ انسان اثباتِ خودی کا یہ دوسرا مقدمہ ہے، ہمارے صوفیہ بھی انسان کی فضیلت کو تسلیم کرتے ہین، لیکن ان کے نزدیک نفسِ انسانیت اس فضیلت کا سبب نہین ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان خدا کا پرتو ہے،

راز دو جہان و مردۂ و زندۂ آن از خود بشنو کہ ترجمانی ہمہ را
ما پرتو نور بادشاہ ازلیم فرزند نہ ایم آدم و حوا را

لیکن ڈاکٹر صاحب انسان کو خدا سے الگ جیسا کہ ہم پہلے مقدمہ مین بیان کر چکے ہین ایک مستقل ہستی مانتے ہین اس لئے اُن کے نزدیک اس کو جو شرف حاصل ہے وہ محض انسانیت کی وجہ سے ہے، اور انسانی فضیلت کا یہی بلند درجہ ہے، جس کو ڈاکٹر صاحب نے مختلف شاعرانہ اندازمین بیان کیا ہے،

(۱) انسان کو تمام کائنات پر فضیلت حاصل ہے،

عالم آب و خاک و باد سرّ عیان ہے تو کہ مین وہ جو نظر سے ہے نہان اس کا جہان تو کہ مین
تو کفِ خاک و بے بصر مین کفِ خاک و خود نگر کشتِ وجود کے لئے آبِ روان تو کہ مین

وہ فرشتوں پر بھی فضیلت رکھتا ہے، فرشتے اگرچہ آسمان سے بھی پرے رہتے ہیں لیکن بھی انسان ہی کا نظارہ کرتی ہے،

فرشتہ گرچہ برون از طلسم افلاک است
نگاہ او بہ تماشاے این کف خاک است

کو ان پر جو فضیلت ہے وہ خودی کی وجہ سے ہے

بہ نوریان ز من پا بگل پیامے گوے
حذر ز مشتِ غبارے کہ خویشتن نگر است

) انسان کا وجود ایک لازوال چیز ہے، زمانہ کی گردش اس کو فرسودہ نہیں کر سکتی،

عدمین بھی یہی غیب و حضور رہتا ہی	اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہی
مہ و ستارہ مثالِ شرار یک دو نفس	ے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہی
فرشتہ موت کا چھوتا ہو گو بدن تیرا	ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہی

) انسان خدا کا اصلی مقصد ہے، اور وہ اس کی تلاش میں سرگردان رہتا ہے، اس مضمون کو نے سادہ طور پر یون بیان کیا تھا،

خدا ہم در تلاشِ آدمے ہست

ن ایک مسلسل غزل مین ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون کو نہایت لطیف شاعرانہ انداز مین بیان کہتے ہین کہ ہر چیز مین خدا کا نور جلوہ گر ہے اور ہم کو ہر چیز مین اس کے جلوہ کو دیکھنا چاہئے، ڈاکٹر صاحب لم کہتے ہین لیکن الٹ کر کہتے ہین کہ خدا ہر چیز مین اس لئے جلوہ گر ہوتا ہے، کہ انسان کو اس مین

خداے گم شدہ ایم او بجستجو است چون ما نیاز مند و گرفتار آرزو ست

گاہے بہ برگ لالہ نویسد پیام خویش | گاہے درونِ سینۂ مرغان بہ ہاو ہوست
در نرگس آرمید کہ بیند جمالِ ما | چندان کرشمہ دان کہ نگاہش بگفتگوست
آہے سحر گہے کہ زند در فراقِ ما | بیرون و اندرون زبر و زیر و چار سواست
ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکیے | نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بوست
پنہان بذرہ ذرہ و نا آشنا ہنوز | پیدا چو ماہتاب و بآغوش کاخ و کوست
در خاکدانِ ما گہرِ زندگی گم است | این گوہرے کہ گم شدہ مائیم یا کہ اوست

غرض یہ وہ بلند رتبہ ہستی ہے، کہ جب پیدا ہوئی تو عالم مین زلزلہ آگیا، اور زمین سے آسمان تک ایک غلغلہ برپا ہو گیا،

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد | حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
خبرے رفت ز گردون بہ شبستانِ ازل | حذر اے پردگیان پردہ درے پیدا شد
آرزو بیخبر از خویش بآغوش حیات | چشم وا کرد و جہان دگرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہانِ مجبور | خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر | تا ازین گنبد دیرینہ درے پیدا شد

(۳) تسخیر فطرت اثبات خودی کا یہ تیسرا مقدمہ ہے، اور پہلے دونون مقدمات کا تتمہ بلکہ نتیجہ ہے، پہلے مقدمہ مین یہ ثابت ہو چکا ہے، کہ کائنات کی خودی اپنے گرد و پیش کی چیزون کو جذب کرتی ہے، اور انسان بھی چونکہ کائنات ہی کا ایک جزو ہے، اس لئے اس مین بھی قدرتی طور پر یہ قوت جاذبہ موجود ہے، لیکن چونکہ وہ کائنات مین جیسا کہ دوسرے مقدمہ مین ثابت کیا گیا ہے، سب سے بلند تر ہستی ہے اس لئے اس مین یہ قوت اور بھی کامل ترین طریقہ سے پائی جاتی ہے، اور وہ صرف اپنے گرد و پیش ہی کو نہین، بلکہ تمام دنیا کو اپنے اندر جذب کرنا چاہتی ہے،

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

جس بندۂ حق بین کی خودی ہو گئی بیدار شمشیر کے مانند ہے برندہ و براق
اس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحب آفاق

دو گیتی را بہ خود باید کشیدن نباید از حضور خود رمیدن
نگہ دید و خرد پیمانہ آورد کہ پیماید جہان چار سو را
مے آشامے کہ دل کردند مستش بخویش اندر کشید این رنگ و بو را

کمال زندگی خواہی؟ بیاموز کشادن چشم و جز بر خود نہ بستن
فرو بردن جہان را چون دم آب طلسم زیر و بالا در شکستن

جہان رنگ و بو دانی و لے دل چیست میدانی ہے کز حلقۂ آفاق سازد گرد خود ہالہ

لیکن اس قسم کی مکمل خودی صرف اسلام پیدا کر سکتا ہے، اس لئے

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اسی جاذبیت کا دوسرا نام تسخیر فطرت ہے، اور اس کی مختلف صورتیں ہیں،

(۱) ایک صورت تو وہ ہے جس میں انسان کی جد و جہد کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ خود خدا وند تعالےٰ نے قدرت کی تمام بڑی بڑی طاقتوں کو انسان کا مسخر اور فرمانبردار بنا دیا ہے، اور سان کے ذریعہ سے انسان پر اپنا احسان جتایا ہے سَخَّرَ لَكُم مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا اور اس قسم کی دوسری آیتوں میں تسخیر کی یہی صورت مذکور ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے نہایت سادہ طور پر اس کی تشریح اس طرح کی ہے،

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے جہان ہے تیرے لئے تو نہیں جہان کے لئے

لیکن اس مضمون کو ایک مستقل نظم میں جس کی سرخی روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے نہایت

پرجوش شاعرانہ انداز مین بیان کیا ہے،

کھول آنکھ زمین دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوۂ بے پردہ کو پردون مین چھپا دیکھ ایام جدائی کے ستم دیکھ فضا دیکھ
بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم و رجا دیکھ

ہین تیرے تصرف مین یہ بادل یہ گھٹائین یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائین
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائین تھین پیش نظر کل تو فرشتون کی ادائین
آئینۂ ایام مین آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تری آنکھون کے اشارے دیکھین گے تجھے دور سے گردون کے ستارے
ناپید ترے بحر تخیل کے کنارے پہنچین گے فلک تک تیری آہون کے شرارے
تعمیر خودی کر اثرِ آہ رسا دیکھ

۲۔ دوسری صورت وہ ہے جس مین انسان اپنی جسمانی قوت اور سعی و محنت کے ذریعہ سے فطرت کی قوتون کو مسخر کرتا ہے، اور اس نظم کے آخری دو بندون مین اسی طرف اشارہ ہے،

خورشید جہان تاب کی ضو تیرے شرر مین آباد ہے اک تازہ جہان تیرے ہنر مین
جچتے نہین بخشے ہوے فردوس نظر مین جنت تری پنہاں ہے ترے خونِ جگر مین
اے پیکر گل کوشش پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے تو جنس محبت کا خریدار ازل سے
تو پیر صنم خانۂ اسرار ازل سے محنت کش و خونریز و کم آزار ازل سے
ہے راکب تقدیر جہان تیری رضا دیکھ

(۳) تیسری صورت وہ ہے جس مین انسان اپنی عقلی طاقت سے فطرت کو مسخر کرتا ہے،

عقل بدام آورد فطرتِ چالاک را
اہرمن شعلہ زاد سجدہ کند خاک را

اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے اکثر مقامات پر عقل کی مذمت کی ہے، لیکن اس سے وہ عقل مراد ہے، جو محض خیالی پلاؤ پکا کر قوتِ عمل کو ضعیف کرتی ہے،

من آن علم و فراست با پرِ کاہے نمی گیرم | کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را
بہر نرخے کہ این کالا بگیری سود مند افتد | بزور بازوے حیدر بدہ ادراک رازی را

لیکن جو عقل قوتِ عمل کو تیز کرتی ہو ڈاکٹر صاحب اس کے مخالف نہیں، بلکہ موید ہیں، یعنی وہ فلسفہ کے مخالف ہیں، سائنس کے نہیں، چنانچہ شاہ امان اللہ خان کو اس کی طرف اس طرح توجہ دلاتے ہیں،

زندگی جہد است و استحقاق نیست | جز بعلم انفس و آفاق نیست
گفت حکمت را خدا خیر کثیر | ہر کجا این خیر را بینی بگیر
سید کل صاحب ام الکتاب | پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب
گرچہ عین ذات را بے پردہ دید | رب زدنی از زبان او چکید
علم اشیا، علّم الاسما ستے | ہم عصا و ہم ید بیضا ستے
علم اشیا داد مغرب را فروغ | حکمتِ او ماست می بندد ز دوغ
جانِ ما را لذتِ احساس نیست | خاک رہ جز ریزۂ الماس نیست
علم و دولت نظم کارِ ملت است | علم و دولت اعتبارِ ملت است
آن یکے از سینۂ احرار گیر | وان دگر از سینۂ کہسار گیر
دشنہ زن در پیکر این کائنات | در شکم دارد گہر چون سومنات
لعلِ ناب اندر بدخشان تو ہست | برقِ سینا در قہستانِ تو ہست

(۴) چوتھی صورت وہ ہے جس میں انسان روحانی طاقت سے فطرت کو مسخر کرتا ہے، اور یہ صرف اولیاء و انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہ قوت نہ جسمانی طاقت سے پیدا ہوتی، نہ عقل و علم سے حاصل ہوتی، بلکہ صرف عشق سے پیدا ہوتی ہے،

از محبت چون خودی محکم شود — قوتش فرمان دہ عالم شود
پنجہ او پنجہ حق می شود — ماہ از انگشت او شق می شود

۴۔ مسئلہ خیر و شر، اثبات خودی کا یہ چوتھا مقدمہ ہے اور اس مسئلہ کے متعلق حکمائے اسلام کے نظریات یہ ہیں،

۱۔ خیر ایجابی اور شر ایک سلبی چیز ہے، یعنی دنیا میں خیر کا وجود تو ہے، لیکن شر کا وجود نہیں،

۲۔ خیر شر پر غالب ہے اور خیر کی تعداد و مقدار شر سے زیادہ ہے، دنیا میں اگرچہ مرض کا وجود ہے، لیکن صحت اس سے زیادہ پائی جاتی ہے، دنیا اگرچہ رنج و غم سے خالی نہیں لیکن خوشی اور مسرت کا وجود ان سے زیادہ ہے لیکن اس کے بالکل برعکس محمد بن زکریا رازی کے نزدیک شر وجودی اور خیر سلبی ہے یعنی لطف و مسرت کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے، کہ رنج و الم زائل ہوجائیں، کھانے پینے کی لذت کے معنی صرف یہ ہیں، کہ بھوک اور پیاس کی تکلیف سے نجات مل گئی، یہی حال اور تمام لذتوں کا ہے کہ وہ کسی نہ کسی تکلیف اور رنج و الم کا ازالہ ہیں، اور شوپنہار کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ دنیا میں واقعی جو چیزیں موجود بالذات ہیں، وہ دکھ مصیبت اور حاجت ہیں، ان سے کبھی وقتی طور پر چھٹکارا مل جایا کرتا ہے تو اسی مہلت کا نام انسان نے خوشی یا مسرت رکھ چھوڑا ہے[۱]، وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ درد و الم ایجابی ہیں، اور لذت و مسرت محض سلبی، مسرت یا لذت ہمیشہ کسی خواہش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، خواہش یعنی احتیاج ہر لذت کے پہلے پائی جاتی ہے، جوں ہی خواہش کی تشفی ہو جاتی ہے، لذت موقوف ہو جاتی ہے، لہذا تشفی یا مسرت در اصل کسی احتیاج یا درد سے نجات پالی ہے[۲]، اس بنا پر

کائنات کی انتہائی حقیقت کے قلب میں شر ہی شر پایا جاتا ہے، زندگی کا مایۂ خمیر ہی شر ہے، تمام چیزیں شر ہیں یعنی جو بھی چیز وجود رکھتی ہے، وہ شر ہے[۱] امام رازی نے بھی تذکرۂ رازی کی تائید کی ہے، اور لکھا ہے کہ عام طور پر جو چیز دنیا میں پائی جاتی ہے، وہ یا تو رنج والم ہے، یا رنج والم کا ازالہ ہے، ان میں بعض آلام تو نہایت قوی ہوتے ہیں، مثلاً امراض، اور بعض ضعیف جن سے انسان کو کسی حالت میں نجات نہیں مل سکتی، مثلاً غم، فکر، خوف واندیشہ، غصہ، ندامت، دوزی، اور کاروبار کی فکر، بدبو، ناگوار چیزوں کا دیکھنا، مکھی مچھر اور کھٹملوں کی تکلیفیں جن کا کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا، اس سے حکما کے دونوں پہلے نظریے غلط ثابت ہوتے ہیں، نہ دنیا میں خیر کا وجود ہے، نہ خیر شر پر غالب ہے، بلکہ اس کے برخلاف رنج والم کو لذتوں پر غلبہ حاصل ہے، قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ، ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا،

اور تفسیر کبیر میں امام صاحب کی رائے کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ کی گئی ہے، کہ اس دنیا میں کوئی لذت نہیں ہے، بلکہ جس چیز کو لذت خیال کیا جاتا ہے، وہ کسی تکلیف سے بچنے کی ایک صورت ہے، کھانے اور پہننے کی لذت، بھوک، سردی اور گرمی کی تکلیف سے بچنے کا نام ہے، اس لئے انسان کے لئے صرف دو چیزیں ہیں، یا تکلیف یا تکلیف سے بچنا، اور اس آیت کے یہی معنی ہیں، اس بنا پر تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہیں ہے، کیونکہ لذت کا وجود ہی نہیں ہے، بلکہ صبر واستقلال کے ساتھ تکلیفوں کا مقابلہ کرنا اور دوسروں کو تکلیفوں سے نجات دلانا ہے، اور اس پوری سورہ میں تخلیق انسانی کا یہی مقصد بتایا گیا ہے،

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور زبان

هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ اور دو ہونٹھ نہیں دیئے، اور اس کو (نیکی اور

مَا الْعَقَبَةُ، فَكُّ رَقَبَةٍ، اَوْ اِطْعَامٌ بدی) کے دونوں رستے (نہیں) دکھا دیئے

فِیْ يَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ، يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ پھر بھی وہ گھاٹی ہو کر نہیں نکلا، اور آپ کو خبر

---

۱ قنوطیت یعنی فلسفۂ یاس از میر ولی الدین ص ۲۰

اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ، ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ، (بلد - ۱)

تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری) کیا (مراد) ہے (گھاٹی سے مراد ہے کسی کی) گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوک کے دن یتیم کو (خاص کر جب وہ اپنا) رشتہ دار (بھی ہو) یا محتاج خاک نشین کو (کھانا) کھلانا (تو جوانا حق کی شیخی مارتا ہے) چاہئے تھا کہ اس گھاٹی میں سے ہو کر گذرتا) اس کے علاوہ ان لوگوں کے (زمرہ) میں ہوتا، جو ایمان لائے، اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے، اور نیز ایک دوسرے کو (خلق خدا) پر رحم کرنے کی۔*

* ترجمہ ماجدی

اسی مقصد کو فلسفیانہ طریقے پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے، کہ تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہیں، بلکہ انسانی شخصیت کا تحقق و کمال ہے، جو کائنات کے ساتھ توافق پیدا کرنے کی وجہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ایسی دنیا کا تصور ناممکن ہے، جہاں روحیں ترقی و تکمیل پاکر شخصیت کا تحقق تو کر سکیں لیکن جہاں نہ درد و غم ہو اور نہ رنج و تعب، نہ حزن و ابتلا ہو، اور نہ آزمائش و بلا، غیر منشفی خواہشات ان کی سوزش و تکلیف، امراض و قوائے فطری کی گوارا نہ بے رخی سے پیدا ہونے والی عذاب ناک اذیتیں آسمانی بلائیں و آفتیں، یہ سب محرکات ہیں، جو انسان کے صبر و ہمت کو آزماتے ہیں، اوس کو مصائب کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرتے ہیں، بھوک، جنسی محبت، پدری شفقت، اجتماعی و اکتسابی جبلتوں کے بغیر جو انسان کے سینوں میں تشفی کے لئے موجزن ہوتے ہیں، انسان نہ فطرت پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے

اور نہ شخصیت کا تحقق کرسکتا ہے، اوس کی ابتدائی اشتہارات اوس کو محنت و مشقت پر آمادہ کرتی ہیں، اور محنت و مشقت سے سائنس کے اور راحت کے سامان پیدا ہوتے ہیں، اور یہ فطرت پر زیادہ غلبہ کا باعث ہوتے ہیں، اور یہی فن ادب، سائنس اور حیات معاشری کے لطیف اغراض و غایات کے نشو و نما و تشفی کا سبب بنتے ہیں، اس کی خواہشات اوس کو خاندان و جماعت کی تخلیق پر آمادہ کرتی ہیں ہماری اور خشکی، سمندر اور ہوا کی معاندانہ قوتوں کا مقابلہ اس کی فکر و عمل اور معاشری اشتراک کی قوتوں کو ترقی دیتا ہے، ہماری مشترکہ قسمت گو صبر و عمل کے دائرے سے بھی باہر کیوں نہ ہو، دوستی و محبت کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے، اس طرح انسان ظاہراً شکست سے فتحمندی حاصل کرتا ہے، ان قوتوں پر غلبہ و تسلط پاتا ہے، جو اس کے خلاف برسر جنگ نظر آتی ہیں[۵]۔

(باقی)

---

[۵] قنوطیت از میر ولی الدین ص ۱۰، ۱۱،

اعلان

۱- معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسال زر کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲- معارف ہر مہینہ کی ۱۵ ر تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہوجاتا ہے، اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ ر تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئے، ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر پرچہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

"منیجر"

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

(۳)

حدیث و آثار میں خشوع کی اہمیت و فضیلت

اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، یہ فعل چونکہ خشوع کے منافی تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ[1] — اگر اس کا قلب خشوع سے متاثر ہوتا تو اس کے اعضاء پر بھی اس کے آثار نمایاں ہوتے،

ایک مرتبہ آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے کہ کچھ لوگوں سے نماز میں ایسے افعال سرزد ہوئے جو خشوع کے منافی تھے، آپ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ

واللہ لا یخفی علی رکوعکم و خشوعکم[2] — خدا کی قسم مجھ سے تمہارا رکوع و خشوع پوشیدہ نہیں ہے،

---

[1] روح المعانی ج ۵ [2] بخاری باب الخشوع فی الصلوٰۃ،

مسند احمد بن حنبل میں فضل ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے، جس سے خشوع کے مظاہر کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا،

الصلوٰۃ مثنیٰ مثنیٰ[۱] تشہد فی	رات کی نماز دو دو رکعت پڑھو، پھر چاہئے
کل رکعتین و تضرع و تخشع	کہ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھو، اور گریہ و
و تمسکن ثم تقنع یدیک الی	زاری، خشوع و خضوع کے ساتھ اپنے رب
ربک ...... تقول یا رب یا رب	سے ہاتھ اٹھا کر کہو، اے میرے رب، اے
فمن لم یفعل ذٰلک فقال	میرے پروردگار، اور جو شخص ایسا نہیں کرتا،
فیہ قولا شدیدا[۲]،	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے
	میں بڑی سخت وعید فرمائی ہے،

اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، کہ لفظ تخشع اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے اندر یہ کیفیت نہ پیدا ہو، تو بہ تکلف، اسے یہ کیفیت پیدا کرنا چاہئے[۳]

ایک حدیث میں ہے،

لاصلوٰۃ لمن لم یتخشع[۴]	جو شخص نماز میں بہ تکلف بھی خشوع نہ
	پیدا کرے اس کی نماز نہیں ہوتی،

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب دلوں سے جو پہلی چیز اٹھالی جائے گی "خشوع" ہے[۵]

دوسری روایت میں ہے :-

اوّل شئی یرفع من ھذہ الامۃ	اس امت سے پہلی چیز جو سلب کی جائے گی

---

[۱] اس سے مراد رات کی نماز ہے جیسا کہ بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت ہے [۲] مسند حنبل بن عباسؓ ترمذی ... التخشع [۳] فتح ربانی تبویب مسند احمد [۵] مسند الفردوس، جامع الصغیر،

الخشوع حتی لا تری فیھا خاشعا وہ خشوع کی دولت ہے،

صحاح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ

اللھم انی اعوذ بك من قلب اے اللہ میں غیر خاشع قلب سے پناہ

لا یخشع[1] چاہتا ہوں،

آپ رکوع میں اکثر یہ الفاظ فرمایا کرتے،

خشع لك سمعی وبصری ومخی اے اللہ تیرے لئے میرے کان، آنکھیں،

وعظمی، دماغ اور ہڈیاں سب جھک گئے ہیں

ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں خشوع پیدا کرنے کی بار بار ترغیب وتاکید فرماتے، اور صحابہ کو اس کے سلب ہوجانے سے خوف دلایا کرتے تھے، اور بغیر خشوع قلب کی نماز سے پناہ مانگا کرتے تھے،

ہمیں اپنی نمازوں کا بھی جائزہ لینا چاہئے، کہ اس میں یہ صفتیں پیدا ہو رہی ہیں یا نہیں، اور ہم اس کے بدلہ اجر و ثواب، فلاح وسعادت کے مستحق ہوں گے، یا زجر و توبیخ، عذاب وعتاب کے،

صحابہ اور خشوع قرآن وحدیث کے احکام کے سامنے سرنیاز جھکا دینا، کمال ایمان کی دلیل اور سب سے بڑی سعادت ہے، صحابہ کرام کی سب سے بڑی خصوصیت اور فضیلت یہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی زبان سے جو کچھ اور جس طرح سنتے تھے، اپنی زندگی کو اسی کے مطابق ڈھال لیتے تھے، ادھر کوئی آیت نازل ہوئی، ادھر صحابہ کے عمل سے اس کی تفسیر ہونے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمایا، صحابہ نے اسے عملی جامہ پہنا دیا یا زبان مبارک سے کوئی حکم صادر ہوا، اور صحابہ اس کا نمونہ بن گئے، اب ہم کو صحابہ کرام کی عملی زندگی میں اسی خشوع کی تفسیر دیکھنی چاہئے، کہ ان کی نمازوں میں اس صفت خشوع

---

[1] ترمذی، نسائی، الجامع الصغیر،

کی کہاں تک کار فرمائی تھی، اور ان کی پوری زندگی پر اس کا کیا اثر تھا، اور پھر غور کریں کہ عملی تعلیمات کے علاوہ انھوں نے نظری تعلیمات کے کیا کیا نقش چھوڑے ہیں۔

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عبداللہ بنؓ زبیر جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا یا ستون ہے، جو بے حس و حرکت کھڑا ہے، اس حالت کو دیکھکر وہ کہا کرتے تھے، کہ

وکان یقال ذالك الخشوع[۱] اسی کو خشوع کہا جاتا ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک کپڑا ہے، جو زمین پر ڈال دیا گیا ہے، "کانہ ثوب ملقی"

انہی کے متعلق دوسری روایت ہے کہ

کان اذا قام الی الصلوٰۃ نغض فیھا صوتہ ویدہ وبصرہ، جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو بدن آواز، آنکھ ہر چیز سے تواضع وخشوع کا اظہار ہوتا تھا،

حضرت عامر بن عبدؓ اللہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، اور لڑکیاں دف بجایا کرتی تھیں، مگر ان کو بالکل خبر نہیں ہوتی تھی[۲]۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ان پر ہر وقت آثار خشوع طاری رہتے تھے،

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے، کہ

اول ماتفقدون من دینکم الخشوع وآخر ماتفقدون الصلوٰۃ تم اپنے دین سے پہلی چیز جو ضائع کروگے وہ خشوع ہے، اور سب سے آخر میں نماز

---

[۱] فتح الباری ص ۲۰۱، [۲] مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۳۶،

وتنقض عری الاسلام عروۃ	کی ظاہری صورت اسی طرح آہستہ آہستہ
عروۃ،[1]	اسلام کی تمام بنیادی چیزیں ترک ہوجائینگی،

ایک دوسری روایت مین ہے،

ورب مصل لاخیر فیہ اوشك	بہت سے نمازیون مین کوئی بھلائی نہین ہوتی
ان تدخل مسجد الجماعۃ فلا تری	اور قریب ہی ایک زمانہ آئیگا کہ تم مسجد مین جماعت
فیہ خاشعا	کے ساتھ نماز پڑھوگے اور پوری جماعت مین ایک شخص[2]

حضرت عبادہ بن صامت رض سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے، حضرت عمر رض نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ ایک شخص ہے کہ اسلام کی حالت مین اس کے بال سفید ہوگئے ہین، مگر ایک وقت کی نماز بھی اس نے اللہ کے لئے مکمل نہین پڑھی، لوگون پوچھا یہ کیسے؟ آپنے فرمایا :-

لایتم خشوعھا وتواضعھا و	وہ نماز مین خشوع وخضوع پورے طور
اقبالہ علی اللہ عزوجل فیھا،[3]	سے پیدا نہین کرتا، اور نہ اپنی پوری توجہ
	اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مبذول رکھتا ہے۔

خشوع کا تعلق قلب سے ہے | اوپر عرض کیا گیا ہے کہ خشوع قلبی کیفیت کا نام ہے، اعضاء سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس کیفیت کے مظاہر ہین، صحابہ کے اقوال سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے،

حضرت عمر رض نے ایک شخص کو دیکھا کہ گردن جھکائے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے، آپنے فرمایا کہ

یاصاحب الرقبۃ ارفع رقبتك	اے گردن نیچی کرنے والے اپنی گردن کو اٹھا،
لیس الخشوع فی الرقاب وانما	خشوع گردن کے اندر نہین ہے، بلکہ وہ دل
الخشوع فی القلوب،[4]	مین ہوتا ہے،

---

۱ حاکم اور احمد نے روایت کی ہے، ۲ روح المعانی تفسیر سورۂ مومنون ۳ احیاء العلوم ص ۲۶ جلد ۳ ۴ مدارج السالکین جلد ۱ ص ۳۹۵

یعنی خشوع کا تعلق قلب سے ہے، اس مین تواضع خاکساری اور عاجزی ہونی چاہئے، گردن وجسم کے جھکانے اور توڑنے مروڑنے سے اس کا کوئی تعلق نہین ہے،

حضرت عائشہؓ نے چند نوجوانون کو دیکھا کہ وہ بیمارون کی طرح بہت جھک کر چل رہے ہین، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہین؟ لوگون نے کہا کہ "ناسک" اور "زاہد" کہے جاتے ہین، آپ نے فرمایا:-

کان عمر بن الخطاب اذا مشی اسرع	عمر بن خطابؓ جب چلتے تھے، تو تیز چلتے تھے،
واذا قال اسمع واذا ضرب اوجع	جب بولتے تو بلند آواز کہ سامع سُن لے اگر
واذا اطعم اشبع وکان ھو	کسی کو سزا دیتے تھے، تو سخت سزا دیتے تھے
الناسک حقا،[1]	اگر کھانا کھلاتے تھے تو پیٹ بھر کھانا کھلاتے
	تھے، اور وہ یقیناً ناسک تھے،

خشوع نفاق اگر کسی شخص کے قلب مین خشوع نہ پیدا ہو، اور محض اپنے اعضاء وجسم سے صرف ریا کے لئے اس کا اظہار کرتا ہو تو احادیث و آثار مین ایسے خشوع کو خشوع نفاق سے تعبیر کیا گیا ہے، او اس سے پناہ مانگی گئی ہے،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تعوذوا باللہ من خشوع النفاق،[2]	خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خشوع نفاق کیا چیز ہے، آپ نے ارشاد فرمایا،

خشوع القلب والبدن ونفاق القلب[3]	بدن جھکا ہوا ہو مگر قلب مین اس کیفیت کا اثر نہ ہو

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے، کہ خشوع نفاق سے بچو، لوگون نے آپ سے دریافت کیا کہ خشوع نفاق کیا ہے، آپ نے فرمایا:-

---

[1] مدارج السالکین جلد اص ۲۵۵ [2] درمنثور تفسیر سورۂ مومنون [3] ایضاً،

وتنفض عری الاسلام ... ناو القلب	تم دیکھو کہ بدن سے تو خشوع کا اظہار
عن ولا،[1]	ہو رہا ہو مگر قلب میں یہ خشوع نہ ہو،

ایک دوسری روایت میں اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا۔

ورب مصل لاخا من خشوع النفاق[2]	خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

ان مدخل مسم اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق خشوع کے مقام، اس کی اہمیت اور فضیلت
: یہ دسطروں میں خشوع کے مظاہر بیان کئے جاتے ہیں اور یہ کہ کون کون سے افعال منافی
خشوع ہیں، کہ اُن کے کرنے سے نماز کی اس کیفیت میں فرق آتا ہے،

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں نزع سے کچھ دیر پہلے لوگوں سے
کہا کہ مجھے بٹھاؤ، میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امانت رکھ گئے تھے، اسے میں تم لوگوں
تک پہنچا دینا چاہتا ہوں، پھر آپ نے یہ الفاظ فرمائے،

لا یلتفت احدکم فی صلاتہ	نمازی کو چاہئے کہ نماز میں ادھر ادھر متوجہ
فان کان لابد بہ فاعلا ففی	نہ ہو، اگر اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو پھر
غیر ما افترض اللہ تعالیٰ علیہ	غیر فرض نماز میں کر سکتا ہے، اور کپڑے یا
وترک العبث شیئاً او شئی من	بدن سے نہ کھیلے، اور اس کے علاوہ جتنی
جسدک والکاد منا فاتہ للخشوع	چیزیں خشوع کے منافی ہیں ان سے گریز کرو،

مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام ابتدا میں
نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھایا کرتے تھے، اس پر آیت نازل ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خَاشِعُوْنَ،	جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں،

---

[1] درمنثور تفسیر سورۂ مومنون [2] مدارج السالکین [3] روح المعانی درمنثور،

اس کے بعد سے آپ اور صحابۂ کرام نظرین سجدہ گاہ کی طرف رکھنے لگے، اور سر کا اٹھانا کمر پر ہاتھ رکھنا وغیرہ بھی چھوڑ دیا،

مستدرک حاکم اور بیہقی مین ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی آیت خشوع کے بارے مین سوال کیا گیا تو آپنے فرمایا

الخشوع فی القلب وان تلین	خشوع کا مقام قلب ہے اور خشوع کا
کنفک للمرء المسلم ولا تلتفت	مظہر یہ بھی ہے کہ تمھارے ہاتھ سے کسی مسلمان
فی صلاتک،	کو تکلیف نہ پہونچے، اور نماز مین ادھر ادھر

اس سے معلوم ہوا کہ نماز مین ادھر ادھر دیکھنا کسی چیز سے شغل کرنا، اور اپنی توجہ کو دوسری طرف منعطف کرنا، یہ سب خشوع کے منافی افعال ہین، اور اسی کے برعکس نگاہ نیچی رکھنا اپنی توجہ اللہ کی جانب رکھنا، اعضا پر سکون کی کیفیت طاری کرنا، یہ سب اس کے مظاہر ہین،

ام رومان فرماتی ہین، کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز مجھے نماز مین ادھر ادھر مائل ہوتے دیکھا تو اتنے زور سے ایک کونچا دیا اور ڈانٹا کہ قریب تھا کہ مین اپنی نماز توڑ دیتی، پھر انھون نے کہا،

سمعت رسول اللہ صلی اللہ	مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ
علیہ وسلم اذا قام احدکم	آپ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی نماز کے لئے
فی الصلاۃ فلیسکن اطرافہ لا یتمیل	کھڑا ہو تو چاہئے کہ اپنے اعضا کو پرسکون
تمیل الیھود فان سکون الاطراف	رکھے، یہود کی طرح نماز مین ادھر ادھر
فی الصلاۃ من تمام الصلاۃ،	مائل نہ ہو، اس لئے کہ سکون اعضا تکمیلِ

نماز مین سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ایک روز فرمایا،

ان ترى الجسد خاشعًا والقلب — تم دیکھو کہ بدن سے تو خشوع کا اظہار

ليس بخاشع[1] — ہو رہا ہو مگر قلب میں یہ خشوع نہ ہو،

حضرت ابو درداءؓ سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا،

استعيذوا بالله من خشوع النفاق[2] — خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

خشوع کے منافی افعال — اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق خشوع کے مقام، اس کی اہمیت اور فضیلت سے تھا، آئندہ سطروں میں خشوع کے مظاہر بیان کئے جاتے ہیں اور یہ کہ کون کون سے افعال منافی خشوع ہیں کہ ان کے کرنے سے نماز کی اس کیفیت میں فرق آتا ہے،

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں نزع سے کچھ دیر پہلے لوگوں سے کہا کہ مجھے بٹھاؤ، میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امانت رکھ گئے تھے، اسے میں تم لوگوں تک پہنچا دینا چاہتا ہوں، پھر آپ نے یہ الفاظ فرمائے،

لا يلتفت احدكم في صلاته — نمازی کو چاہئے کہ نماز میں ادھر ادھر متوجہ

فان كان لابد به فاعلا ففي — نہ ہو، اگر اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو پھر

غير ما افترض الله تعالى عليه — غیر فرض نماز میں کر سکتا ہے، اور کپڑے یا

وترك العبث شيئا او شئ مين — بدن سے نہ کھیلے، اور اس کے علاوہ جتنی

حسبك وانكا رمنا فاتد للخشع — چیزیں خشوع کے منافی ہیں ان سے گریز کرو،

مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ابتداءً نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھایا کرتے تھے، اس پر آیت نازل ہوئی،

الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ، — جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں،

---

[1] درمنثور تفسیر سورۂ مومنون [2] مدارج السالکین [3] روح المعانی درمنثور

اس کے بعد سے آپ اور صحابۂ کرام نظریں سجدہ گاہ کی طرف رکھنے لگے، اور سر کا اٹھانا مگر یہ ہاتھ رکھنا وغیرہ بھی چھوڑ دیا،

مستدرک حاکم اور بیہقی میں ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی آیت خشوع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا

الخشوع فی القلب وان تلین	خشوع کا مقام قلب ہے اور خشوع کا
کنفک للمرء المسلم ولا تلتفت	مظہر یہ بھی ہے کہ تمھارے ہاتھ سے کسی مسلمان
فی صلاتک،	کو تکلیف نہ پہونچے، اور نماز میں ادھر ادھر

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا، کسی چیز سے شغل کرنا، اور اپنی توجہ کو دوسری طرف منعطف کرنا، یہ سب خشوع کے منافی افعال ہیں، اور اسی کے برعکس نگاہ نیچی رکھنا، اپنی توجہ اللہ کی جانب رکھنا، اعضاء پر سکون کی کیفیت طاری کرنا، یہ سب اس کے مظاہر ہیں،

ام رومان فرماتی ہیں، کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز مجھے نماز میں ادھر ادھر مائل ہوتے دیکھا تو اتنے زور سے ایک کونچا دیا اور ڈانٹا کہ قریب تھا کہ میں اپنی نماز توڑ دیتی، پھر انھوں نے کہا،

سمعت رسول اللہ صلی اللہ	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ
علیہ وسلم اذا قام احدکم	آپ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی نماز کے لئے
فی الصلاۃ فلیسکن اطرافہ لا یتمیل	کھڑا ہو تو چاہئے کہ اپنے اعضا کو پر سکون
تمیل الیھود فان سکون الاطراف	رکھے، یہود کی طرح نماز میں ادھر ادھر
فی الصلاۃ من تمام الصلاۃ،	مائل نہ ہو، اس لئے کہ سکون اعضاء تکمیلِ

نماز میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ایک روز فرمایا،

انی احب لک ما احب لنفسی | یعنی جو اپنے لئے پسند کرتا ہون، وہ
لا تفرقع اصابعک وانت | تمھارے لئے بھی پسند کرتا ہون، نماز
تصلی، | مین اپنی انگلیان نہ چٹخایا کرو،

صاحب البدائع والصنائع اس حدیث کے متعلق فرماتے ہین :-

لان فیہ ترک الخشوع، | اس لئے کہ یہ فعل خشوع کے منافی ہے،

اس سے پہلے کہا جا چکا ہے کہ خشوع کا تعلق تو قلب سے ہے، مگر چونکہ اعضاء وجوارح سے اس قلبی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے اعضاء وجوارح سے بھی کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہونا چاہئے جو اس قلبی کیفیت کے خلاف ہو، بلکہ نماز مین سارے اعضاء پر وہی کیفیت طاری ہونی چاہئے، جو ایک غلام پر اپنے آقا کے حضور مین عرض حاجت کے وقت ہوتی ہے، ذہن حاضر، نظرین نیچی، اعضاء پر سکون وسکوت، غرضکہ سارے بدن سے ذلت ومسکنت، عاجزی وخاکساری کے آثار نمایان ہونے چاہئین، عرض حاجت کے وقت تضرع وزاری اور التجا کا پیکر بن جاؤ، روئے، گڑگڑائے، اگر کسی شخص پر یہ کیفیت نہ بھی طاری ہو، تو وہ بہ تکلف اس کے پیدا کرنے کی کوشش کرے،

علماء وصوفیہ کے نزدیک خشوع کی تعبیر اوپر قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے خشوع کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے، آیندہ یہ دیکھنا ہے کہ علماء وصوفیہ کے نزدیک خشوع کا مفہوم کیا ہے

خشوع کا تعلق پوری زندگی سے صوفیہ کے نزدیک خشوع کا تعلق صرف نماز ہی تک محدود نہین ہے، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ، اور ہر لحظۂ حیات سے ہے، تسلیم ورضا، انابت وخشیت، عاجزی وانکسار، تواضع وتذلل کی جو کیفیت نماز کے وقت ہوتی ہے، وہی اٹھتے بیٹھتے، چلتے، پھرتے، کھاتے پیتے ہونی چاہئے، اور اس کا ثبوت، اسوۂ نبوی اور آثار صحابہ سے بھی مل سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک صحابیہ بیان فرماتی ہین،

رَأَیتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ المُتَخَشِّعَ فِی الجِلسَۃِ ارعدت مِن الفرق (شمائل ترمذی) | میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزانہ گوٹ مارے بیٹھے دیکھا تو رعب سے کانپ اٹھی

اس سے معلوم ہوا کہ خشوع صرف نماز ہی میں نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر ہر لمحہ سے ہے۔ صحابہ کرام کے متعلق بھی احادیث و آثار میں کان خاشعًا علیہ اثر الخشوع، وغیرہ کا جو لفظ آتا ہے، اس سے بھی خشوع کا یہی عام مفہوم مراد ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق حضرت ابوہریرہ صحابی بیان فرماتے ہیں، کہ میں مدینہ آیا، تو عبداللہ بن سلام کو دیکھا کہ وہ مجلس میں بہت ہی تواضع وانکسار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ابوہریرہ کے اصل الفاظ یہ ہیں، جالسًا فی حلقۃٍ متخشعًا علیہ سیما الخیر[1]

حضرت علیؓ ھُمْ فی صلاتھم خاشعون کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

ھو الخشوع فی القلب وان تلین	خشوع یہ ہے کہ قلب میں خوف وخشیت،
کنفک للمرء المسلم وان لا	اور مسلمانوں سے نرم خوئی رکھو (اور اس کا
تلتفت فی الصلاۃ،	ایک گوشہ یہ ہو کہ) نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو

صوفیہ کرام نے جو اس صفت کے عملی نمونہ ہیں، خشوع کی اسی روح کو سمجھ کر اس کی ایسی تعبیر کی ہے کہ اس کے اندر زندگی کا ہر کام حقوق اللہ سے متعلق ہو، خواہ حقوق العباد سے آجاتا ہے، لیکن چونکہ اس کا اصلی محور نماز ہی ہے، اور اس کی پوری مشق دربار الٰہی کی حاضری کو بعد ہی ہوتی ہے، اس لئے اس کی تشریح بھی اسی کے ضمن میں ہوتی ہے،

اس لئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے، کہ اگر کوئی شخص خشوع کی اس عام تشریح سے دھوکا کھاکر بغیر نماز ادا کئے ہوئے اس کو پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے تو وہ اس صفت سے متصف نہیں ہو سکتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نمازوں میں یہ کیفیت پیدا کی جائے اس کے بعد آگے قدم بڑھایا جائے

---

[1] اصابہ ذکر عبداللہ بن سلام ؓ وہ اپنی نمازوں میں خشوع رکھتے ہیں،

ورنہ اس کی مثال اس شخص کی ہوگی، جو بغیر کسی زینے اور سہارے کے مکان کی اوپری منزل پر جانے کی کوشش کرتا ہے،

اب علماء و صوفیہ اور ائمہ کے اقوال اور ان کی عملی زندگی سے اس کی تشریح کیجاتی ہے،

امام احمد بن حنبل اپنے رسالہ الصلوٰۃ و مایلزم فیہا میں تحریر فرماتے ہیں :-

ویستحب للرجل اذا اقبل الی المسجد	جب کوئی شخص مسجد میں آنے کا ارادہ کرے
ان یقبل بخوف و وجل و خشوع	تو اسے چاہئے کہ خوف وخشیت، تواضع
وخضوع،	وانکسار کے ساتھ آئے،

پھر اسی رسالہ میں دوسری جگہ اس کی اور تشریح فرماتے ہیں،

ان العبد اذا خرج من منزلہ	جب کوئی بندہ اپنے گھر سے مسجد آنے لگے تو
یرید المسجد انما یاتی الجبار	اسے سمجھنا چاہئے کہ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے
الواحد القہار العزیز وان کان	سامنے آرہا ہے، اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ
لا یغیب عن اللہ حیث کان	جہاں بھی ہوگا، خدا سے پوشیدہ نہیں ہوسکتا،
ولا یعزب عنہ تبارک وتعالیٰ	اور نہ آسمان و زمین کا کوئی ذرہ یا اس سے بڑی
مثقال حبۃ من خردل ولا اصغر	یا چھوٹی چیز اس کی قدرت وعلم سے باہر ہوسکتی
من ذالک ولا اکبر فی الارضین	ہے ...... (اور اسے یہ بھی غور کرنا چاہئے
السبع ولا فی السموات السبع ...	کہ) وہ اللہ کے گھروں میں سے ایک گھر میں
... وانما یاتی بیتا من بیوت اللہ	آرہا ہے جس میں ضروری ہے، کہ اسی کا ذکر
یجب ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ	اور اسی کا چرچا کیا جائے،
..... فاذا خرج من منزلہ فلیحدث	(جب وہ ایسے پرعظمت مقام پر جارہا ہے تو اسے

نفسه تفكر او ذنباً غيرها كان فيه قبل ذلك ..... وليخرج بوقار فان النبي صلى الله عليه وسلم امر بذلك .... فانه كل من تواضع لله عز وجل وخشع وخضع وذل لله عز وجل كان اذكى لصلاته واحرى لقبولها،

اپنے مکان سے نکلتے ہی اپنے دل و دماغ کو دنیاوی تفکرات سے جس میں وہ اس سے پہلے پڑا تھا ہٹا لینا چاہئے (اور اپنے تمام ارادوں اور اپنی توجہات کو اس ذات قدوسی کے صفات و کمال میں لگا دینا چاہئے) اور ارشاد نبوی کے مطابق پورے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ وہاں پہنچنا چاہئے، اس لئے کہ جو جتنا ہی خشوع و خضوع کے ساتھ اس دربار میں حاضری دے گا، اتنی ہی اس کی نماز بہتر اور قبولیت سے قریب ہوگی۔

...... فاذا قام احدكم في صلاته فليعرف الله عز وجل في قلبه بكثرة نعمه عليه واحسانه اليه وان الله عز وجل قد وقره نعماً وانه اوقر نفسه ذنوباً فليبالغ في الخشوع والخضوع لله عز وجل

اور جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہو تو اسے سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان واکرام سے اس کو سرتاپا ڈھانک لیا ہے، اور اس نے ہر نعمت سے اس کو نوازا ہے گو اس نے گناہوں سے اپنے نفس کو نہایت کثیف اور بوجھل کر دیا ہے، پس ان دونوں پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہی اسے خشوع و خضوع، تواضع و انکسار کا پیکر بن کر اس سے مغفرت طلب کرنا چاہئے،

ورنہ اس کی مثال اس شخص کی ہوگی، جو بغیر کسی زینے اور سہارے کے مکان کی اوپری منزل پر جانے کی کوشش کرتا ہے،

اب علماء و صوفیہ اور ائمہ کے اقوال اور ان کی عملی زندگی سے اس کی تشریح کیجاتی ہے،

امام احمد بن حنبل اپنے رسالہ الصلوٰۃ و ما یلزم فیہا مین تحریر فرماتے ہین :-

ویستحب للرجل اذا اقبل الی المسجد	جب کوئی شخص مسجد مین آنے کا ارادہ کرے
ان یقبل بخوف و وجل وخشوع	تو اُسے چاہئے کہ خوف وخشیت تواضع
وخضوع،	وانکسار کے ساتھ آئے،

پھر اسی رسالہ مین دوسری جگہ اس کی اور تصریح فرماتے ہین،

ان العبد اذا خرج من منزلہ	جب کوئی بندہ اپنے گھر سے مسجد آنے لگے تو
یرید المسجد انما یاتی الجبار	اُسے سمجھنا چاہئے کہ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے
الواحد القہار العزیز وان کان	سامنے آرہا ہے، اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ
لا یغیب عن اللہ حیث کان	جہان بھی ہوگا، خدا سے پوشیدہ نہین ہوسکتا،
ولا یعزب عنہ تبارک وتعالیٰ	اور نہ آسمان و زمین کا کوئی ذرہ یا اس سے بڑی
مثقال حبۃ من خردل ولا اصغر	یا چھوٹی چیز اس کی قدرت وعلم سے باہر ہوسکتی
من ذالک ولا اکبر فی الارضین	ہے ...... (اور اسے یہ بھی غور کرنا چاہئے
السبع ولا فی السموات السبع ...	کہ) وہ اللہ کے گھرون مین سے ایک گھر مین
... وانما یاتی بیتاً من بیوت اللہ	آرہا ہے جس مین ضروری ہے کہ اسی کا ذکر
یجب ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ	اور اسی کا چرچا کیا جائے،
...... فاذا خرج من منزلہ فلیحدث	(جب وہ ایسے پرعظمت مقام پر جارہا ہے تو اسے

نفسه تفكرا او ادبا غير ما كان فيه قبل ذلك ...... وليخرج بوقار فان النبي صلى الله عليه وسلم امر بذلك .... فانه كل من تواضع لله عز وجل وخشع وخضع وذل لله عز وجل كان اذكى لصلاته واحرى لقبولها،

اپنے مکان سے نکلتے ہی اپنے دل و دماغ کو دنیاوی تفکرات سے جس میں وہ اس سے پہلے پڑا تھا ہٹا لینا چاہئے (اور اپنے تمام ارادوں اور اپنی توجہات کو اس ذات قدوسی کے صفات و کمال میں لگا دینا چاہئے) اور ارشاد نبوی کے مطابق پورے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ وہاں پہنچنا چاہئے، اس لئے کہ جو جتنا ہی خشوع و خضوع کے ساتھ اس دربار میں حاضری دے گا، اتنی ہی اس کی نماز بہتر اور قبولیت سے قریب ہو گی۔

...... فاذا قام احدكم في صلاته فليعرف الله عز وجل في قلبه بكثرة نعمه عليه واحسانه اليه وان الله عز وجل قد وقره نعما وانه اوقر نفسه ذنوبا فليبالغ في الخشوع والخضوع لله عز وجل

اور جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہو تو اسے سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا احسان و اکرام سے اس کو سر تا پا ڈھانک لیا ہے، اور اس نے ہر نعمت سے اس کو نوازا ہے اور اس نے گناہوں سے اپنے نفس کو نہایت کثیف و بوجھل کر دیا ہے، پس ان دونوں پہلوؤں پر نظر ڈالتے ہی اسے خشوع و خضوع، تواضع و انکسار کا پیکر بن کر اس سے مغفرت طلب کرنا چاہئے،

وقد جاء الحديث انّ الله اوحى الى عيسى بن مريم اذا قمت بين يدى فقم مقام الحقير الذليل الذام لنفسه فانها اولى بالذمّ فاذا دعوتنى فادعنى واعضاءك تنتقض وقد جاء الحديث انّ الله اوحى الى موسىٰ نحو ذالك،

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمایا کہ جب تم میرے سامنے عبادت کے لئے کھڑے ہو تو اپنے نفس کو پورے طور پر حقیر و ذلیل سمجھو، اور جب مجھ سے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاؤ تو اس وقت سارے اعضاء تواضع کی وجہ سے گویا بے حس و حرکت ہو جائیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ایک حدیث میں آیا ہے،[1] (باقی)

---

[1] ص ۱۴ و ص ۱۵،

ہندوستان مین علم حدیث

از

مولوی ابو یحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

(۳)

اب تک صرف تشبیب تھی، ہندوستان مین علم حدیث بسلسلۂ امام شوکانی کے اس عنوان پر جس کی تجدید عزیز فاضل مولوی عطاء اللہ صاحب حنیف فیروز پوری نے (اہلِ حدیث امرتسر، ۲۹ر مارچ سنہ ۱۹۳۶ء ص ۹) فرمائی، مفاد یہ ہے کہ ہندوستان مین امام شوکانی کے تلامذہ بلا فصل مین مولینا منصور الرحمٰن صاحب دہلوی کا نام ہے، یہ مولوی عبد الوہاب دہلوی (م سنہ ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۲ء) کے اجازہ حدیث مین آتا ہے، اس کی تحقیق مقصود ہے،

مولانا عبد الجلیل صاحب سامرودی (گجراتی) نے اپنے والد مولانا محمد ہاشم (م سنہ ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء) کا اجازہ مولانا منصور الرحمان بن شیخ عبد اللہ بن الشیخ نواب جمال الدین انصاری دہلوی (متوطن ڈھاکہ) سے ثبت فرمایا ہے، (اہلِ حدیث ۱۲ر اپریل سنہ ۱۹۳۶ء ص) متضمن بہ تذکرہ تلمذ شاہ عبد الحیٔ بڈھانوی م سنہ ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۷ء[1] امام شوکانی کے ہندوستان مین بلا واسطہ شاگرد یہ اصحاب ثلاثہ ہوئے، یعنی شیخ عبد الحق بنارسی مولانا منصور الرحمان

---

[1] اس کی توثیق نواب والاجاہ یون فرماتے ہین: "..... والفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ داین کتاب در ہند بتقالب طبع رسید واول کسے کہ آنرا در ہند آورد مولوی عبد الحیٔ مرحوم اند وایشان در سفر حج از دسے سند فن حدیث ہم بطریق اجازہ بالکتابۃ حاصل نمودہ بودند" (اتحاف النبلاء ص ۲۰۹)

دہلوی، شاہ عبد الحیٔ بڈھانوی، مگر ہنوز،

ہر کس نگہے دارد ہر کس سخنے دارد

۱ در بزم تو می خیزد افسانہ ز افسانہ

اب امام کے چوتھے شاگرد کا ذکر جناب عبد الرحمٰن صاحب، (بی اے) نے کیا ہے، کہ شہید راہ خدا مولانا ولایت علی صادقپوری (اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون) (م ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء) امام شوکانی سے انتساب فی السند رکھتے تھے، اس کا تذکرہ مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" مین کیا ہے، لیکن موصوف نے کسی ماخذ کا حوالہ نہین دیا ہے، اس لئے یہ محتاج توثیق رہ گیا ہے[1] لیکن یہ صحیح نہین، اس اجازہ کا پورا ذکر الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور مین آیا ہے، چنانچہ مولینا ولایت علی صاحب کے تذکرہ کے ضمن مین مذکور ہے:-

"مکہ معظمہ مین پہنچ کر آپ نے عبد اللہ سراج محدث سے سند حدیث حاصل کی، عبد اللہ سراج فرماتے تھے، کہ مولانا نے حدیث کے لفظون کی سند مجھ سے لی، اور معانی کی سند مین نے مولانا سے حاصل کی،"

"بعد از حج آپ ملک یمن، نجد، عسیر، مسقط، حضر موت، مخا، حدیدہ مین دور و سیر کرتے رہے، اور قاضی علی شوکانی سے بھی جن کی ولادت ۱۱۷۲ھ / ۱۷۶۰ء اور وفات ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء مین واقع ہے، سند حدیث حاصل کی، اور ان کی چند تصنیفات درۃ البہیہ وغیرہ اُن سے لین، الخ ملک عرب سے بسواری جہاز مراجعت کر کے کلکتہ پہنچے"[2]

ہندوستان مین، امام شوکانی کے پانچوین شاگرد بلا واسطہ جن کا نشان منزل امیر الملک بھوپال کے صدقہ ملا، وہ شیخ محمد عابد سندی (م ۱۲۵۷ھ / ۱۸۴۱ء) ہین، اور ان کا ذکر سادات اخیار قریہ جیرہ مین کیا ہے، چنانچہ

---

[1] اخبار اہل حدیث امرتسر بابت ۲۶ر اپریل سنہ ۲۶ء [2] الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور ص ۱۲۲

تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار میں بسلسلہ تذکرہ سید شاہ حسین علی، سید احمد سعید کالپوی کے متعلق مذکور ہے :-

"میر سید احمد بن سید محمد کالپوی وارث ولایت محمدیہ و حامل رایت احمدیہ است از عنفوان نشو و نما فروغ رشد و نور ولایت از جبین ہمایون می تافت....."[1]

سید حسین شاہ اسی صلب سعید سے ہیں، اور شیخ سندی کے اجازہ عن الشوکانی کے لئے اسی خاندان کے ایک خیر الاخلاف بزرگ ہیں مختصر سا شجرہ سبب وضاحت ہوگا، یعنی

۱- میر سید محمد ترمذی کالپوی	م ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء
۲- میر سید احمد	م ۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۳ء
۳- شاہ فضل اللہ	م ؟
۴- سید سلطان ابو سعید	م ۱۱۴۷ھ / ۱۷۳۴ء
۵- سید احمد سعید	م ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۳ء
۶- سید شاہ حسین علی	م ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء
۷- سید شاہ ابو سعید خیرات علی	م ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء
۸- سید شاہ ظہور محمد	م ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء

حضرات چودہ کا مختصر تذکرہ | میر سید محمد ترمذی کالپوی کے متعلق مذکور ہے :-

"اصل ایشان از سادات ترمذ ست آبا کرام او در جالندر از توابع لاہور سکونت داشتند پدرش میر ابو سعید در کالپی طرح اقامت ریخت وے در عنفوان تحصیل بخدمت شیخ یونس کہ عالم عامل و محدث کامل بود تلمذ کرد، تا مطول تفتازانی گزرانید، و اجازت حدیث فرا گرفت......" وتتمہ کتب تحصیلی

---

[1] تقصار جیود الاحرار ۲۰۵-۲۰۶

قدرے پیش مولانا عمر جاجموی واکثرے درحلقہ درس شیخ جمال اولیاء کوڑوی گذرانید۔ ....."

تیراز او گفتہ کہ وے در آخر عمر عیسوی المشہد بود و در مقام قطبیت کبریٰ متمکن گردیدہ یعنی

چنانچہ احیاء اموات از عیسیٰ علیہ السلام واقع میشد احیاء قلوب از ایشان واقع شد"

" از مصنفات شریفہ تفسیر سورہ فاتحہ و درواخ بعبارت عربی، و رسالہ تحقیق روح و اسرار الحمید

ذرشنا والسالکین و رسالہ فنا و رسالہ عقائد صوفیہ و رسالہ عمل و معمول و رسالہ واردات است۔ او۔

سنہ ۱۱۲۲ھ وفات شد رحمہ اللہ تعالیٰ"[1]

میر سید احمد بن میر سید محمد کالپوی کے متعلق ہے :۔

"وارث ولایت محمدیہ و حامل رایت احمدیہ ست از عنفوان نشو و نما فروغ رشد و

نور ولایت از جبین ہمایون می تافت........ ابتدار حال دامن سعی باکتساب دانش صوری

بر زدند و از حسامی تا بیضاوی نزد شیخ محمد افضل الہ آبادی گذرانیدند۔[2]

۳۔ شاہ فضل اللہ بن میر سید احمد کا حال یوں مذکور ہے :۔

" فرزند ایشان شاہ فضل اللہ جامع دانش صورت و معنی بودند و بر روش پدر و جد بزرگوار

قدمے راسخ داشتند"[3]

۴۔ سید سلطان ابوسعید پسر شاہ فضل اللہ کے متعلق فرماتے ہیں :۔

" بعد ایشان سلطان ابوسعید فرزند ایشان جانشین پدر شدند، صاحب دوام حضور

و ذوق سرور بودند و عرفان تخلص می کردند از نتائج طبع والاست"

دیروز کہ دل رفت ز کاشانہ ما | لیلیٰ گویا برون شد از خانہ ما
امروز شنیدم انا لیلیٰ می گفت | گلبانگ دگر شنو ز دیوانہ ما

---

[1] تقصار جیود الاحرار ..... ص ۲۰۵ و ۲۰۶، [2] ایضاً ص ۲۰۶ [3] ایضاً ص ۲۰۶،

وفات ایشان در ۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۴ء بوده یرزقون الفردوس تاریخ وفات ست"[1]

۵ - سید احمد سعید بن سید سلطان ابوسعید:-

"بعده سید احمد سعید فرزند ایشان زیب افزاے سجادۂ آباے کرام و حضرات سرگشتگان بادیۂ غرام آمد میر آزاد می نویسند کہ چون فقیر باراده حجاز فیض طراز از بلگرام برآمد و بر موضع چهره این طرف دریاے جمن عبور افتاد صحبت بابرکت ایشان را دریافت"[2]

"میر آزاد بلگرامیؒ در علی پور چهره او را دیده بود کما تقدم سال وفاتش ۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء ہجری ست مادہ تاریخ وفات این مصرع باشد"

آواز شد زغیب کہ فی جنتی دخل"[3]

۶ - سید شاہ حسین علی بن سید احمد سعید کالپوی، (جنھون نے کالپی سے چهره میں طرح اقامت ڈالی) کے متعلق ہے،

"سید حسین علی بیعت بر دست والد خود کرده و جل اقامت مع الاستقامت در قریۂ چهره انداخت، انتقال وے در ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء بوده در مدرسہ دفن شد محقق سادہ تاریخ وفات است"[4]

(۷) سید شاہ ابوسعید معروف بہ سید شاہ خیرات علی فرزند شاہ حسین علی کا ذکر یون آیا ہے:-

"در ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۸ء از عدم بعرصہ گاہ وجود قدم نهاد آفتاب سیادت اکبر مادہ تاریخ ولادت شریفہ است ......"

"اکابر مارہرہ از مریدان او سید شل حافظ علی رضا بن شاہ بوندی بن شاہ برکات و سید سلطان العالم و سید صاحب عالم ہم ایشان باوے بیعت کردند و ہم از پیش وے مجاز گردیدند"[5]

---

[1] تقصار جیود الاحرار ...... ص ۲۰۶ [2] ایضاً .... ص ۲۰۷ [3] ایضاً [4] [5] ص ۲۱۰ (ص ۲۱۰ written above ایضاً)

"میرزا حسن علی محدث لکھنوی نیز در طریقۂ علیہ نقشبندیہ ابو العلائیہ مرید جناب ایشان گردید و ہم جناب ایشان از میرزا صاحب سند و اجازت کتب مرویۂ علم حدیث ستانند"

ع ما ہم غنیمتیم شما ہم غنیمت اید،

انتقال برکت اشتمال سید خیرات علیؒ در ۱۲۴۱ھ اتفاق افتاد"

پھر سید شاہ خیرات علی اور نواب والاجاہ کے والد (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی ملاقات اور پیوند قرابت داری کے متعلق مذکور ہے:-

"والد مرحوم محرر سطور را با ایشان ملاقات و محبت بود، از ایشان پنج فرزند ماندند یکے سید نور محمد کہ بعد از پدر عالی قدر سجادہ آبار کرام را زیب و زینت بخشیدند، در حسن خلق و تواضع و مہمان نوازی با خلق و خشوع و خضوع با خالق آیتے بود وفات ایشان در ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء رو داد "کلا ان کتاب الابرار لفی علیین" مادہ این وصال ست"

"فرزند بزرگ ایشان سید شاہ کاظم علی موصوف بودند بصفات حسنہ از خلق حسن و اشتغال بذکر و فکر، والد مرحوم دختر خواہر خود را در حبالۂ نکاح ایشان داد، محرر سطور بارہا با ایشان در وطن و در کدورہ و در بھوپال برخورد، پیر نورانی بودند در این نزدیکی در ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۹ء بجوار رحمت حق آسودند و باجملہ خالی از کیفیت سلوک نبودند و در عسر و یسر بخندہ پیشانی و لطافت و ظرافت طبع میگذرانیدند"[۱]

۸- حضرت سید شاہ ظہور محمد (م ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء: تقصار...... ص ۲۱۲ سطر ۶) کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

"........ فرزند دوم سید شاہ خیرات علی قدس سرہ حضرت شاہ ظہور محمد رحمہ اللہ تعالیٰ بودند"

---

[۱] تقصار جیود الاحرار، ص ۲۱۰،

"ولادت ایشان ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء صورت بست لفظ ظہور محمدی، مادہ تاریخ سال مذکور است بآنچنانکہ

این تاریخ ہمت ایشان در تقوی و زہد و معرفت و عبادت بسیار بلند افتادہ بود،

علوم رسمیہ و فنون عرفیہ را در وطن و لکھنو کلفہ درس مولوی ولی اللہ و مولوی حیدر

لکھنوی از فضلاے فرنگی محل اکتساب فرمودند، و طریقہ بیعت بخدمت پدر بزرگوار

خویش بجا آوردہ اجازت یاب گردیدند"

"و در سفر دہلی کتب علوم دینیہ را از فقہ و حدیث و جز آن از خدمت شہرۂ آفاق مولوی

محمد اسحاق مہاجر مکی تحصیل نمودند، و سالیکہ شاہ عبد العزیز دہلوی و شاہ غلام علی مجددی

بجوار رحمت الٰہی انتقال کردند جناب ایشان رونق بخش دار العلم دہلی بودند، و در نماز جنازۂ

این بزرگواران شریک ماندند"

ونیز کتب سنت مطہرہ مثل صحیحین و موطا مالک و بلوغ المرام نحو آن از میرزا حسن علی

محدث لکھنوی شاگرد شاہ عبد العزیز دہلوی سند کردند و اجازت سلسلہ حدیث بدست آوردند

"میل خاطر ایشان بسوے عمل بالحدیث بیشتر بود، در ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء محمل سفر حجاز میمنت طراز

بربستند، و با برادر خود حافظ سید سلطان احمد خویش میر سید علی قنوجی مراحل مسافرت پیمودند

وبعد از تادیۂ فریضۂ حج زیارت مسجد نبوی و مرقد مطہر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم چہار دہ

ماہ در جوار حرمین شریفین بسر آوردند و اکتساب انواع فیوض و برکات از علما، و مشائخ

آنجا پرداختند، از ان جملہ قرات صحیحین ست کہ این ہر دو اصل اصیل دین مبین ما بر شیخ علامہ

محمد عابد سندی مدنی، شاگرد قاضی القضاۃ سبیل قطر یمانی امام الائمہ محمد بن علی شوکانی رحمہا اللہ

تعالیٰ گذرانیدند، و سند سلسلہ علیہ سنت مطہرہ بہم رسانیدند"[۵]

---

۵ تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۲۱۱

الغرض شیخ محمد عابد سندی مدنی ہندوستان میں امام شوکانی کے پانچویں شاگرد و بلاواسطہ ہیں

نکتہ اوج تام پر ماہ تمام آگیا — یعنی وہ چاند حسن کا بر سر بام آگیا

شیخ عابد سندی کے متعلق ارشاد ہے،

"وھذا الشیخ محمد عابد کان	شیخ محمد عابد علامہ فقیہ و محدث تھے،
شیخا علامۃ فقیھا محدثا سکن	مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی اور
المدینۃ وولی ریاسۃ علمائھا	یہاں کے علمار کے سرخیل بنے گئے،
...وتوفی الشیخ محمد عابد یوم	انھوں نے یوم دوشنبہ ماہ ربیع الاول
الاثنین من شھر ربیع الاول	۱۲۵۷ھ میں وفات پائی اور بقیع میں
۱۲۵۷ ودفن بالبقیع کذا ذکرہ	دفن کئے گئے،

(اتحاف النبلاء ص ۳۷۸)

یوں تو امیر الملک نواب سید صدیق حسن خان کے سراپاے صدق وحسنہ کے لئے ابھی ایک دفتر درکار ہے، تاکہ

تم کو بھی ہم بتائیں کہ مجنوں نے کیا کیا — فرصت کشاکش غم ہجران سے گر ملے

مگر اب اس داستان کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں، "وآخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین"

اعلان

یکم جنوری ۱۹۲۷ء سے مستقل تاجروں کے لئے کمیشن بجائے ۱۵ فیصدی اور دوسری مطبوعات پر ۲۰ فیصدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط و کتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از

مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

قرآن پاک میں یہ لفظ بشکل فعل اور بصورت اسم متعدد جگہ آیا ہے، اور بہت سی چیزوں کو مختلف جہات سے فتنہ کہا گیا ہے، چونکہ یہ لفظ باعتبار معنی بہت سے پہلوؤں کا حامل ہے، اس لئے ہم اس کی تحقیق کرنی چاہتے ہیں، اور تعیین کے ساتھ بتانا چاہتے ہیں، کہ فلان فلان مقام میں اس کے یہ معنی ہیں، اور اس میں یہ پہلو ہے تاکہ قرآن مجید کے طلبہ کو مطالعۂ قرآن کے وقت اس کے مفہوم کی تعیین میں سہولت ہو،

عربی زبان میں لفظ فتنہ کے اصلی معنی آزمانے اور پرکھنے کے ہیں، چنانچہ لسان العرب میں جو لغت کی اہم کتاب ہے، ازہری اور صحاح جوہری کے حوالہ سے اس کی حسب ذیل تشریح درج ہے:-

الازھری وغیرہ جماع معنی الفتنۃ الابتلاء والامتحان والاختبار واصلھا ماخوذ من قولك فتنت الذھب والفضۃ اذا اذبتھما بالنار لتمیز الردی من الجید وفی الصحاح اذا ادخلتہ النار لتنظر ما جودتہ ودینار مفتون؛

(لسان العرب جلد ۱۷ ص ۱۹۳)

[illegible]

ازہری وغیرہ کہتے ہیں کہ فتنہ کے اصلی معنی آزمانے اور پرکھنے کے ہیں، اور دراصل یہ لفظ فتنت الذہب والفضۃ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ چاندی سونے کو آگ پر اس لئے تپایا جائے کہ کھوٹا کھرا الگ الگ ہوجائے، اور صحاح جوہری میں بھی اس لفظ کی اصل یہی قرار دی گئی ہے، اور دینار کی صفت مفتون آئی

مذکورۂ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ ائمہ اہلِ لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ فتنہ کے اصل معنی کسی دھات کا آگ میں تپا کر اس کا کھرا کھوٹا الگ کرنا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے اسے کن کن معانی میں استعمال کیا ہے، اور ان معانی کا اصل اشتقاقی معنی سے کیا تعلق ہے؟ اس کے لئے ضرورت ہے کہ اولاً ان معانی کا احاطہ کیا جائے جن میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، پھر اس اصل معنی سے مناسبت معلوم کیجائے۔

لفظ فتنہ کے معانی قرآن پاک میں

قرآن پاک کے استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کی عقل اور اس کے عزم کے لئے وجہ امتحان اور آزمایش ہو، فتنہ ہے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ تمام چیزیں جو انسان کی عقل و ضمیر اور اس کے عزم و استقامت میں ضعف کا باعث ہوں اور جن کی بنا پر حق و صداقت کی راہ پر قائم رہنا دشوار ہو جائے، فتنہ ہیں، اس معنی کے اعتبار سے مال و دولت بھی فتنہ ہے کیونکہ اس کی فراوانی میں کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا عقلی توازن ٹھیک رہتا ہے، فقر و فاقہ بھی فتنہ ہے، اس لئے کہ اس سے دوچار ہونے کی صورت میں بھی بہت کم ایسے نکلتے ہیں کہ راہِ حق پر جن کا قدم استوار رہتا ہو، اور، خدا کی مرضی پر صابر و شاکر رہتے ہوں، اور جائز و ناجائز کی تمیز ترک نہ کر دیتے ہوں، عہدہ و منصب بھی فتنہ ہے کہ اس سے عموماً غرور پیدا ہو جاتا ہے، عہدہ دار اپنے کو خادم کے بجائے مخدوم سمجھتا ہے، اولاد بھی فتنہ ہے کیونکہ اس کے آرام و راحت کے لئے انسان جائز و ناجائز کے حدود توڑ دیتا ہے، بیوی بھی فتنہ ہے، اس کی محبت بسا اوقات صحیح نصب العین سے انحراف کا باعث ہوتی ہے، کسی صحیح مسلک اور عقیدہ سے پھیرنے کے لئے جبر و تشدد برتنا بھی فتنہ ہے، کہ اس میں اہلِ حق کی حق پرستی اور عزیمت کا کھلا ہوا امتحان ہے، کافر کی خوشحالی بھی فتنہ ہے کہ یہ صورت حال مومن کے لئے بڑی وجہ ابتلا ہے، منافق کی وہ تدبیر اور روش بھی فتنہ ہے، جو اہلِ حق کے خلاف وہ عمل میں لاتا ہے، کہ اس سے حق پرستوں کی آزمایش شدید سے شدید تر ہو جاتی ہے، ذیل میں ہم ان آیتوں کو جن میں لفظ فتنہ آیا ہے، الگ الگ سرخیوں کے تحت لکھتے ہیں جس سے لفظ کے معنی اور پہلو دونوں متعین ہو رہیں گے، مثلاً

۱۔ راہ حق سے پھرنے کے لئے جبر و تشدد برتنے کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا،

۱۔ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ
وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ
وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ
فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ
جَزَاءُ الْكَافِرِينَ، فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَحِيمٌ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ
فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا
فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ

(بقرہ۔ ۲۴)

اور انھیں جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے
انھوں نے تمھیں نکالا ہے، تم بھی نکالو، اور
فتنہ قبیح ہونے میں قتل سے بھی بڑھکر ہے، اور
ان سے مسجد حرام کے پاس جنگ نہ کرو یہاں تک
کہ وہ تم سے اس میں جنگ کریں، پس اگر وہ
تم سے جنگ کریں تو تم انھیں قتل کرو،
کافروں کی یہی پاداش ہے، پس اگر وہ
باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے
اور ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ
کا قلع قمع ہو جائے، اور دین (طاعت)
اللہ کے لئے ہو جائے، پس اگر وہ باز آجائیں
تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں۔

۲۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ
قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ
عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ
وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ

وہ تم سے حرمت والے مہینہ میں جنگ
کرنے کی بابت سوال کرتے ہیں کہہ دو اس میں
جنگ کرنا برا ہے، اور اللہ کی راہ سے
لوگوں کو روکنا اور خدا کا انکار اور مسجد
حرام سے روکنا اور حرم کے مستحقین کو اس سے
نکالنا، خدا کے نزدیک اس سے بدتر ہے، اور

عن دینکم ان استطاعوا	فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر قبیح ہے، اور
(بقرہ ۲۷ - ۲۱۷)	وہ (کفار) برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے
	یہان تک کہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دین اگر
	انھیں اس پر قابو ہو جائے۔
۳۔ فما آمن لموسیٰ الا ذریۃ من	پس موسیٰ کی تصدیق بجز اس کی قوم
قومہ علیٰ خوف من فرعون و	کے کچھ نوجوانون کے اور کسی نے نہ کی،
ملائھم ان یفتنھم وان فرعون لعال	بسبب اس کے کہ انھیں فرعون، اور
فی الارض وانہ لمن المسرفین	آل فرعون سے اندیشہ تھا کہ انھین
وقال موسیٰ یقوم ان کنتم آمنتم	فتنہ مین مبتلا کرے گا، اور بلا شبہ فرعون
باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم	سرزمین مصر مین ادھم مچائے ہوئے تھا
مسلمین فقالوا علی اللہ توکلنا	اور وہ سرپھرون مین سے تھا، اور موسیٰ
ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین۔	نے کہا اے لوگو! اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو
(یونس - ۸۳ - ۸۵)	تو اس پر بھروسہ کرو اگر تمھارے اندر
	اسلام ہے، پس انھون نے کہا خدا ہی
	پر ہمارا توکل ہے، اے پروردگار ہمین ظالم لوگون کا تختۂ مشق نہ بنا
۴۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین	اے پروردگار ہمین کافرون کا تختۂ مشق
کفروا، واغفر لنا ربنا انک	نہ بنا، اور اے پروردگار ہمین بخش دے
انت العزیز الحکیم، (ممتحنہ - ۵)	بیشک تو غلبہ والا حکمت والا ہے،
۵۔ ثم ان ربک للذین ھاجروا	پھر بیشک تیرا پروردگار ان لوگون کو

مِنۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا	جنھوں نے مظلومیت اور فتنہ میں مبتلا
وَصَبَرُوا اِنَّ رَبَّكَ مِنۢ بَعْدِهَا	کئے جانے کے بعد ہجرت کی اور جہاد کیا
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (نحل - ۱۱۰)	اور ثابت قدم رہے، بخشنے والا مہربان ہے
۶- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ	اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں، جو خدا کی
عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَاَنَّ	پرستش کنارے پر ہو کر کرتے ہیں، اگر
بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ	اُسے کچھ مال ہاتھ لگتا ہے، تو اس پر
عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ	مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر کسی آزمائش
الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ	سے دوچار ہو جاتا ہے، تو اپنے منہ کے
الْمُبِيْنُ،	بل برگشتہ ہو جاتا ہے، ایسا کرکے دنیا و
(حج - ۱۱)	آخرت دونوں میں خسران کا مستحق ٹھہرا
	لیتا ہے، اور یہی کھلا ہوا خسران ہے،
۷- الٓمّٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا	کیا لوگ اس خیال میں ہیں کہ صرف آمنّا
اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ	کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے، اور اُن
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	کی آزمائش نہ ہوگی، حال یہ ہے کہ اُن
فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	سے پہلے لوگوں کو ہم نے پرکھا، پس خدا
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ،	ان لوگوں کو جو صادق ہیں، اور انھیں
(۱-۳ عنکبوت)	جن کے قول و فعل میں مطابقت نہیں ہے
۸- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا	اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو آمنّا
بِاللّٰهِ فَاِذَا اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ	کہتے ہیں، پس جب اللہ کی راہ میں آئے

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَ	ایذا دی جاتی ہے، تو انسانوں کے ہاتھوں
وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ	جو ایذا اسے پہنچتی ہے، اسے عذاب الٰہی کے
اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ	مثل ٹھہراتا ہے، اور اگر تیرے پروردگار
بِمَا فِي صُدُوْرِ الْعَالَمِيْنَ،	کی طرف سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے، تو
(۱۰ - عنکبوت)	کہتا ہے، ہم تمھارے ساتھ ہیں، کیا خدا
	لوگوں کے سینوں میں جو کچھ ہے، اس
۹ - اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ	بلاشبہ جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور
الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ	مسلمان عورتوں کو فتنہ میں مبتلا کیا، پھر
عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ	وہ اس سے باز نہ آئے، ان کے لئے جہنم کا
الْحَرِيْقِ، (بروج - ۱۰)	عذاب ہے، اور بھڑکنے والی آگ کا دکھ ہے،
۱۰ - وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ	اور ان سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ
وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا	فتنہ کا قلع قمع ہو جائے، اور پورے طور
فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ	سے اطاعت خدا کے لئے ہو جائے، پس
(انفال - ۳۹)	اگر وہ باز آجائیں، اور تائب ہو جائیں تو
	جو کچھ وہ کر رہے ہیں، خدا کی نگاہ میں ہے
۱۱ - وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ	اور جب تم سفر میں ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ	کہ نماز میں قصر کرو، اگر تمھیں اس کا خطرہ ہو
الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَفْتِنَكُمُ	کہ کافر تمھیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا	بلاشبہ کفار تمھارے کھلے ہوئے دشمن ہیں

(نساء - ۱۰۱)

۱۲- وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ اِلَّا تَفۡعَلُوۡہُ تَکُنۡ فِتۡنَۃٌ فِی الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ کَبِیۡرٌ (انفال)

اور کفار بعض بعض کے ولی ہیں، اگر تم لوگ ایسا نہ کروگے تو زمین مین فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا،

اوپر جو آیتیں درج کی گئی ہیں، ان میں ہر جگہ یہ لفظ مخالفین حق کی تشدد آمیز مخالفتوں اور مزاحمتوں پر مشتمل ہے، بالفاظ دیگر باطل پرستوں کے ہاتھوں اہل حق پر جو نوع بہ نوع کے مظالم اختلاف عقیدہ اور اختلاف مسلک کی بنا پر ڈھائے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنے عقیدہ اور مسلک سے باز آجائیں اس کی تعبیر اس لفظ سے کی گئی ہے؛

(باقی)

حیاتِ شبلی

حصۂ اوّل

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحعمری ہی نہیں، بلکہ ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی سیاسی، علمی تعلیمی، ادبی اصلاحی، اور دوسری تحریکوں اور سرگرمیوں کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لے کر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا ہے، اور اس عہد کے تمام قابل الذکر اکابر اور خود مولنا کے بعض ہم عہد و ہم عصر علماء کے حالات بھی بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین، ...... ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے، کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت غیر مجلد علاوہ محصولڈاک، صرف ؏، مجلد ؏

"منیجر"

ملا فصیح الدین پھلواروی جامع فتاویٰ عالمگیری

از

جناب عون احمد صاحب قادری

دسمبر اور جنوری کے معارف مین حافظ مجیب اللہ صاحب کا مضمون "فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین" نظر سے گذرا، جب تک یہ مضمون ختم نہ ہوا تھا خیال تھا کہ پھلواری کے وہ بزرگ جنھون نے اس کی تدوین مین شرکت کی ہے، ان کا بھی ذکر آئے گا، مگر جنوری کا پرچہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ صاحب مضمون کو اس کا علم نہین ہے کہ پھلواری کے کوئی فاضل بھی اس کی تالیف مین شریک رہے ہین اور اگر علم ہے تو ان کا تفصیلی حال معلوم نہین، اس لئے ذیل کی سطرین برائے اشاعت پیش ہین،

ملا فصیح الدین جعفری: ملا فصیح الدین کا وطن بہار کا ایک مردم خیز قصبہ پھلواری تھا، وہ اہل پھلواری کے مورث اعلیٰ حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کے پرپوتے تھے، تحصیل علم کے لئے دہلی گئے اور ملا عوض وجیہ کے حلقۂ درس مین شامل ہو کر تکمیل کی سلطان عالمگیر اورنگ زیب کا عہد تھا، استاد دربار شاہی کے ممتاز لوگون مین تھے ملا فصیح الدین اپنے استاد کے ذریعہ عالمگیر کے دربار مین پہونچے اور اپنے تبحر علمی کی بنا پر فتاویٰ عالمگیری کی تدوین مین شریک کئے گئے اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے ان کی علمی قابلیت اور جوہر ذاتی کی قدر کرکے مدد معاش مین ایک سو بیس (۱۲۰) بیگھہ آراضی اور ایک روپیہ یومیہ خرچ کے لئے عطا فرمایا،

جب دہلی سے اپنے وطن پھلواری واپس آئے تو اپنے آبائی مدرسہ مین درس دینا شروع کیا، ان کے آبائی مدرسہ کا تذکرہ بھی اگلی کتابون مین ملتا ہے، یہ مدرسہ مسجد سنگی سے اتر جانب تھا اس مین

حضرت امیر عطاء اللہ کی اولاد سے علما و فضلا درس دیا کرتے تھے، یہ مدرسہ ۱۲۷۲ھ تک نہایت عروج کے ساتھ آباد رہا،

ملا فصیح الدین کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، پھلواری کے متقدمین علماء مین ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے، ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی، ارشد تلامذہ مین موصوف کے چارون صاحبزادے اور قاضی حیات مرید اور ملا غلام شرف الدین قابل ذکر ہین،

بڑے لڑکے ملا صبیح الدین ان کے بعد مسند درس پر بیٹھے اور بہت سے لوگون نے ان سے علمی فیض حاصل کیا، ان کے بعد اس مسند پر ان کے بھانجے ملا مبین جعفری بیٹھے جو بیک واسطہ استاذ الکل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد تھے، ملا مبین کے بعد ملا فصیح الدین کی مسند درس کچھ دنون خالی رہی، پھر ان کے بھائی ملا معین کے پوتے مولانا حافظ عبد الغنی اس پر جلوہ افروز ہوئے اور ساٹھ برس تک اس مسند پر درس دیتے رہے،

ملا فصیح الدین نے ۱۱۱۹ھ مین وفات پائی، اور مسجد سنگی کے شرقی جانب مقبرہ مین مدفون ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ،

ملا فصیح الدین کے صاحبزادے ملا صبیح الدین کے نام سلطان عالمگیر کی طرف سے جو فرمان تھا اس مین اس کا تذکرہ موجود ہے، فرمان طویل ہے اس کا وہ حصہ نقل کرتا ہون،

"درین وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یک روپیہ یومیہ از خزانہ بلدۂ عظیم صوبہ بہار و یکصد و بست بیگہ زمین از پرگنہ پھلواری مضاف صوبہ بہار در مدد معاش بصلائے تدوین فتاوی بنام ملا شیخ فصیح الدین مقرر بود الحال بمتعلقان ملا مذکور متوفی بلا قید اسامی دیدہ و دانستہ حسب الضمن مقرر شد۔"

یہ فرمان ملا فصیح الدین کے انتقال کے بعد (۱۱۱۹ھ) ۱۵ رجب دوشنبہ ۱۱۲۰ھ مین تجدید کیا گیا تھا

ملا فصیح الدین کے نام جو فرمان تھا اس مین بھی ان کی شرکت کا ذکر تھا مگر وہ ضائع ہو گیا،

(۲)

از جناب مولوی سید شاہ غلام حسنین صاحب ندوی پھلواروی

حضرت ملا فصیح الدین جعفری پھلواروی کا جامعین فتاویٰ عالمگیری مین ہونا یہان کے خاندانی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایت تحریر مین بھی آئی تو بہت بعد مین، ان کے ہم عصرون مین سے یا ان کے متصل مولفین مین سے کسی کا نوشتہ موجود نہین ہے، اس زمانہ کا عام مذاق یہ تھا کہ تذکرون مین بزرگون کے محض کشف و کرامات کو منضبط کر لینا کافی سمجھتے تھے،

لیکن پھر بھی اہل علم خاندان مین جو روایت مسلسل چلی آ رہی ہو وہ بالکل بے اصل اور غیر وقیع نہین ہو سکتی، اس خاندان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے روایت کے وزن کا اندازہ ہو سکتا ہے،

اس خاندان کے مورث خواجہ امیر عطاء اللہ عہد ہمایونی و اکبری مین یہان آکر مقیم ہوئے، خاندانی روایت کے بموجب تو یہ وزرائے شاہی مین تھے لیکن وہان ان کی کوئی اہم حیثیت ضرور تھی،

ابو الفضل کے اکبر نامہ مین بضمن وقائع سنہ ۹۶۱ھ خواجہ عطاء اللہ کا نام بھی ایک جگہ پر مذکور ہے، خدا بخش خان صاحب مرحوم کی لائبریری مین شاہان و وزرائے مغلیہ کے ساتھ ایک مرقع امیر عطاء اللہ کا بھی البم کی شکل مین موجود ہے، شیر شاہی خاندان کی تباہی کے بعد مغل سلاطین نے رہتاس سے لے کر راج گیر تک پٹنہ کے جنوب مین بہت سے مغل، شیوخ اور راجپوت خاندان مختلف مناصب کے ساتھ آباد کر دئے تھے تاکہ پٹھانون کو سر اٹھانے کا موقع نہ دین، اسی زمانہ مین خواجہ عطاء اللہ بھی دہلی سے یہان آئے، یہ عبد اللہ ابن جعفر طیار رض کی اولاد سے تھے، اسی لئے یہ خاندان جعفری کہلاتا ہے، امیر عطاء اللہ نے یہان سنگ سرخ کی ایک مسجد بنوائی جو اب تک پھلواری شریف کی جامع مسجد ہے جہان جمعہ و اعیاد کی سب سے بڑی جماعت ابھی تک ہوتی ہے، اور خاکسار راقم الحروف کے زیر تولیت ہے، اسی مسجد مین ملا فصیح الدین

درس و افتا کا مشغلہ رکھتے تھے، اور اسی سے متصل ان کا مزار بھی ہے، چنانچہ شاہ عالم اول فرزند و جانشین عالمگیر نے از روئے فرمان مجریہ سنہ ۱۱۲۰ھ ملا فصیح الدین کے لئے وظیفہ مقرر کیا تھا جو از روئے پروانگی و مہر "خلاص خان" ملا صاحب موصوف کے فرزندوں کو ملا تھا اس کی عبارت مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو:۔

"... ملا مذکور شاگرد اخوند ملا عوض وجیہ ... متوطن قصبہ پھلواری سرکار و صوبہ بہار فاضل و متوکل است نیم روپیہ یومیہ و بست بگہہ[1] زمین مدد معاش از سابق دارد بجز وفائی کند امیدوار از تفضلات ... یومیہ مسجد آن قصبہ بنا کردۂ جد مشار الیہ مقرر است نیم روپیہ یومیہ بدستور اصل و بست بگہہ زمین مزروع اضافہ مرحمت شد و نیم روپیہ یومیہ مسجد مذکور ردیدۂ و دانستہ"

اس فرمان سے ظاہر ہوگا کہ ملا فصیح الدین شہنشاہ عالمگیر کے ہم عصر تھے اور فاضل متعارف تھے نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خاندان کئی پشت سے دربار شاہی سے متعلق تھا،

پس فتاویٰ عالمگیری کے جمع کرنے میں انھوں نے بھی کچھ خدمت انجام دی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، بلکہ ایسا ہونا بہت ہی قرین قیاس ہے، تاریخ تو بہت سے خاندانی رواجوں، روایتوں اور انفرادی نوشتوں، دفینوں اور سفینوں کو اکٹھا کر کے بنائی ہی جاتی ہے، پھر پھلواری کے ذی علم و معتمد خاندان کی روایت تاریخ کا ماخذ کیوں نہیں بن سکتی ہے،

---

[1] معارف "یک روپیہ و یک صد و بست بگہہ زمین" (؟)

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، مرتبہ سید سلیمان ندوی، قیمت:- ۸؍

"منیجر"

تلخیص تبصرہ

"وجود باری تعالیٰ"

از

جناب خواجہ احمد فاروقی، ایم اے، لکچرار عربک، کالج، دہلی

ماریسن (A. Cressy Morrison) کی جو نیویارک کی سائنس اکاڈمی کا صدر رہ چکا ہے تازہ تصنیف "انسان الگ کھڑا نہیں رہ سکتا" (Man Does not Stand alone-) ابھی حال میں نیویارک سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے مطالعہ نے میرے دل ودماغ پر عجیب وغریب اثر ڈالا، مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اس میں وجود باری تعالیٰ پر جس انداز میں گفتگو کی گئی ہے اوس کو معارف کے ناظرین تک بھی پہنچاؤں، ذیل میں اس عنوان پر اس کی تحریر کی ضروری تلخیص پیش ہے، وہ لکھتا ہے کہ

"ابھی سائنس کا آفتاب پوری طرح افق سے طلوع نہیں ہوا، لیکن جیسے جیسے اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے، یہ حقیقت بھی آشکارا ہو رہی ہے، کہ اس دنیا کی تخلیق ایک زیرک اور ہوشمند خالق کے ہاتھوں ہوئی ہے، ڈارون کے انتقال سے اب تک اس نوّے برس میں عظیم بالشان ایجادات وانکشافات ہوئے ہیں، لیکن وہ سب وجود باری تعالیٰ کی نفی کے بجائے اس کے اثبات کا یقین دلاتے ہیں،

زندگی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے، ان میں ایک باہمی رابطہ و تعلق ہے، یہ تعلق محض اتفاقی نہیں ہے، بلکہ بڑی دانائی اور حکمت سے قائم کیا گیا ہے، مثلاً زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ

کے حساب سے گھومتی ہے، اگر وہ صرف سو میل فی گھنٹہ کے حساب سے گردش کرتی، تو ہمارے دن اور ہماری راتیں دس گنی زیادہ بڑی ہو جاتیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سورج کی گرمی ہماری کھیتیوں کو جلا ڈالتی اور رات کو بچی کھچی پھونگلیں پالے سے ماری جاتیں،

سورج ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے، اس کی سطح کا ٹمپریچر ۱۲۰۰۰ ڈگری فارن ہائٹ ہے، ہماری زمین اس سے ایسے صحیح اور مناسب فاصلہ پر واقع ہوئی ہے، کہ آفتاب کی تمازت ہمیں ٹھیک مقدار میں حاصل ہوتی ہے، وہ نہ کم ہے، اور نہ زیادہ، اگر آفتاب کی شعاع افشانی میں بقدر نصف کے کمی ہو جاتی تو ہم ٹھٹھر کر مرجاتے. یا اگر اس کی تمازت اور ضوافگنی بقدر نصف کے زیادہ ہو جاتی، تو ہم جل کر کباب ہو جاتے

زمین کا خم یا ڈھلان ۲۳ ڈگری کا ہے، اس سے موسمی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، اور اگر کرۂ ارض اس طرح ادپر کو اٹھا ہوا نہ ہوتا تو سمندر کی بھاپ شمال اور جنوب کی طرف جاتی، اور ہزاروں لاکھوں برف کی چٹانیں قائم ہو جاتیں، اسی طرح اگر چاند موجودہ فاصلہ کے بجائے ۵۰ (پچاس) ہزار میل دور ہوتا، تو مد وجزر اتنا سخت ہوتا، کہ دن میں دو دفعہ سارے براعظم پانی میں ڈوب جایا کرتے، اور یہ پہاڑ حرف غلط کی طرح مٹ جاتے،

اگر زمین کا پرت (قشر ارض) دس فٹ اور موٹا ہوتا، تو ہمیں آکسیجن مطلق میسر نہ آسکتا، اور یہ ظاہر ہے کہ آکسیجن کے بغیر زندگی محال ہے، اسی طرح اگر سمندر چند فٹ اور گہرا ہوتا، تو کاربن اور آکسیجن دونوں جذب ہو جاتے، اور نباتات مطلق نہ اگ سکتی، یا اگر کرۂ ہوا کچھ زیادہ ہلکا ہوتا تو شہاب ثاقب ہر وقت زمین سے ٹکراتے رہتے اور ہر جگہ آگ لگاتے رہتے،

یہ اور اس قسم کی بے شمار مثالیں اس صانع حقیقی کی حکمت اور دانائی کی سب سے بڑی شہادتیں ہیں، اور بتاتی ہیں کہ زندگی کا ان چیزوں سے رابطہ محض اتفاقی نہیں ہے،

زندگی کیا ہے؟ یہ راز ابتک کسی کو نہیں معلوم ہو سکا، اس کی نہ پیمایش ہو سکتی ہے، نہ اس کا

کچھ وزن ہے لیکن اس مین قوت ضرور موجود ہے، اُگنے والا پودا پتھر کو توڑ کر نکل آتا ہے، اسی زندگی کی قوت نے پانی، خشکی اور ہوا پر قبضہ کر لیا ہے، عناصر پر اسی کی حکمرانی ہے، یہی تمام زندہ چیزون کی صورت گری کرتی ہے، ہر پتی کو بناتی ہے، اور ہر پھول کو رنگ بخشتی ہے، وہ ہر چڑیا کو محبت کا گانا سکھاتی ہی چھوٹے چھوٹے کیڑون کو بھی وہ گوناگون آوازین عطا کرتی ہے، یہی زندگی ہے جو پھلون اور مسالون کو ذائقہ اور گلاب کو خوشبو دیتی ہے، وہ پانی اور کاربن کو شکر اور لکڑی مین تبدیل کر دیتی ہے، اور اس طرح آکسیجن پیدا کرتی ہے جو جانورون کے سانس لینے کے لئے ضروری ہے،

ذرا اس نخزمایہ (یا مادہٴ اولی) کے تقریبًا نظر نہ آنے والے قطرے کو دیکھئے، جو شفاف ہے، اور جیلی کی مانند ہے، جو حرکت کر سکتا ہے، اور اپنی قوت (energy) سورج سے حاصل کرتا ہے، یہ چھوٹا سا قطرہ اپنے اندر زندگی کا جرثومہ چھپائے ہوئے ہے، اور اسے اتنی قدرت ہے، کہ وہ اس زندگی کو دوسری چھوٹی بڑی زندہ چیزون کو تقسیم کر سکتا ہے، اس نازک قطرہ کی قوت نباتات، حیوان اور انسان سے زیادہ ہے، اس لئے کہ زندگی اسی کے ذریعہ آئی ہے، یہ زندگی کس نے پیدا کی؟ آتشین چٹان اور بے نمک سمندر اس کو پیدا نہین کر سکتے تھے،

چھوٹی سی سامن (Salmon) مچھلی سمندر مین برس ہا برس گزار دیتی ہے، لیکن پھر اسی دریا مین پہنچ جاتی ہے، جہان وہ پیدا ہوئی تھی، اور لطف یہ ہے کہ وہ معاون دریا کے اسی راستہ سے جاتی ہے جس سے آئی تھی، آخر اس کو یہ سمجھ کہان سے آئی؟ اگر آپ اس کو کسی اور معاون دریا مین پہنچا دین، تو اس کو فورًا معلوم ہو جائے گا کہ یہ غیر جگہ ہے، اور وہ اس کی پوری کوشش کرے گی کہ اصل دریا مین پہنچ جائے،

ایسے ہی بام مچھلی (eel) کا معاملہ ہے، یہ بالغ ہوتے ہی تالابون اور دریاؤن سے سکونت کرتی ہین، اور یورپ والیان تو ہزارون میل کا سفر کرکے جو دار Bermuda

کے بے کران سمندر میں پہنچتی ہیں یہیں ان کے بچے ہوتے ہیں، اور یہیں وہ مر جاتی ہیں لیکن لطف یہ ہے کہ ان کے بچے انھیں دریاؤں اور تالابوں میں پہنچتے ہیں، جہاں سے اُن کے والدین آئے تھے، کوئی امریکی بام مچھلی آج تک یورپ میں نہیں ملی، اور کوئی یورپی ایل امریکہ کے سمندر میں نہیں پائی گئی،

یورپ کی بام مچھلی دوسری جگہوں کے مقابلہ پر ایک سال بعد بالغ ہوتی ہے تاکہ وہ اس وسیع و عریض سمندر کا سفر طے کر سکے،

کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے، جو یہ سمجھ دے سکتا ہے؟ یہ چیزیں مادۂ قبول یا مطابقت پذیری (Adaptation.) سے نہیں آسکتیں

انسان کو اللہ نے عقل دی ہے، وہ صدیوں کے تجربات کا حامل ہے، کوئی جانور دس کے معنی نہیں بتا سکتا، یہ شرف انسان کو حاصل ہے، اگر جبلت کو بانسری کے سُر سے تشبیہ دی جائے، تو کہا جا سکتا ہے کہ انسانی ذہن میں تمام راگ راگنیوں کے سُر محفوظ ہیں، یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالمگیر یا کلّی عقل کا ایک حصہ ہمیں بھی عنایت فرمایا ہے،

Genes اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ اگر تمام انسانوں کے (Genes) کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے، تو وہ چمچی بھر سے بھی کم ہوں گے، لیکن اس کے باوجود خوردبین سے بھی نظر نہ آنے والے (Genes) اور ان کے ساتھی (Chro...... somes) ہر زندہ خلیہ میں رہتے ہیں، اور وہ ہی انسان حیوان اور نباتات کی خصوصیات کے ذمہ دار ہیں، حیرت ہے کہ (Genes) کسی طرح ہمارے اسلاف کے تمام ورثہ کو بند کر لیتے ہیں، اور ہر ایک کی نفسیات کو اتنی چھوٹی سی جگہ میں محفوظ رکھتے ہیں، اللہ کے وجود کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ بیس کھرب انسانوں کی انفرادی خصوصیات ایک جگہ آسکتی ہیں،

نشو و نما کا عمل خلیہ سے شروع ہوتا ہے، جو (Genes) کا حامل ہے، اس (Gene)

مین لاکھون اجزاے لایتجزیٰ ([illegible]) رہتے ہین، اور وہی ساری زندگی پر حکمرانی کرتے ہین
یہ صرف خداہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے،

ناگ پھنی کا پیڑ آسٹریلیا مین حفاظت کے طور پر لگایا گیا تھا، وہان کوئی کیڑا اس کا دشمن نہین تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اتنا پھیلا کہ انگلستان سے زیادہ رقبہ پر اس کا قبضہ ہوگیا، اس سے کھیتون کو سخت نقصان پہنچا ماہرین حشریات نے بالآخر ایک کیڑا دریافت کیا، جو صرف ناگ پھنی کھاتا تھا، اور بلا وقت پیدا ہوتا تھا آسٹریلیا مین اس کا کوئی دشمن بھی نہین تھا، چنانچہ اس جانور نے غیر ضروری پیداوار پر قابو پالیا اور آسٹریلیا سے یہ مصیبت رفع ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی روک تھام ہر جگہ رکھی ہے،

جلدی سانس لینے والے کیڑے دنیا مین زیادہ کیون نہین ہین،؟ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اُن کے آدمی کی طرح پھیپھڑے نہین ہوتے، وہ نلکی کے ذریعہ سانس لیتے ہین، جب یہ کیڑے بڑے ہوجاتے ہین، ان کی نلکیان اُن کے جسم کی نسبت سے نہین بڑھتین، اسی وجہ سے ان کی نسل زیادہ نہین پھیل سکی، اگر یہ روک تھام نہ رکھی جاتی، تو انسان کا زندہ رہنا محال ہوجاتا، اور ایک بھڑ شیر کے برابر ہوجاتی،

ذرا نباتات کی دنیا پر بھی ایک نظر ڈالئے، کون ہے جو ان خوبصورت پھولون کو اُگاتا ہے کون ہے جو ہلکی ہلکی بارش سے ان کی آبیاری کرتا ہے ؟ کون ہے جو اُن کو رنگ و بو عطا کرتا ہے؟ کون ہے جو اُن کی نرم و نازک پتیون کو پھیلاتا ہے ؟ گلاب کا پھول اپنی باصرہ نواز سرخی اور سوسن کا پھول اپنی درخشان سفیدی کس طرح اس خاک تیرہ رنگ سے حاصل کرتے ہین ؟ کیسے ایک ننھے سے بیج مین سارا پودا چھپا ہوتا ہے؟ کون ہے جو ان پودون کو پھولنے پھلنے کا وقت بتادیتا ہے، آم سے کبھی شفتالو نہین پیدا ہوتا، اور شفتالو سے کبھی آم نہین پیدا ہوتا، یہ اللہ کی قدرت کے کچھ کم کرشمے ہین ؟

خدا کے وجود کا ادراک صرف انسان ہی کرسکتا ہے، اور کوئی نہین، وجود باری تعالیٰ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا؟ جب انسان کا صحت مند تخیل روحانی حقیقت بن جاتا ہے، تو اُسے ذرہ ذرہ مین خدا کا جلوہ نظرآنے لگتا ہے، اور اس پر باری تعالیٰ کی حکمت اور کائنات کے سربستہ راز کھلنے لگتے ہین،

استفسار وجواب

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کا نسب نامہ

جناب سید ولی محمد صاحب نقشا،
گورنمنٹ ہائی اسکول ہوشیارپور

گرامی نامہ موصول ہوا، جواباً عرض ہے کہ یہ مضمون مضامین مالک مین کتابی صورت مین شائع ہو چکا ہے اگر یہ مضمون گمراہ کن ہے، اس کی تردید ضروری ہے، خود حضرت نے اپنے قصیدہ مین فرمایا ہے کہ مین حسنی حسینی سید ہون، وغیرہ، آپ سے تحریک کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس مقالہ سے جو غلط فہمی ہوئی ہے، اس کی تردید کلیتہً ہو جائے، معارف کے جس پرچہ مین شائع ہو، اس کی ایک کاپی مجھے ارسال فرمادین،

معارف:- مین پچھلے عریضہ مین عرض کر چکا ہون کہ وہ دلائل میری نظر سے نہین گذرے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نسب کے متعلق کسی نے کچھ لکھے ہین، اور نہ اتنی فرصت ہے کہ ملک کے مختلف گوشون مین جو کوئی نئی بات کہتا پھرے خواہ وہ کتنی ہی بے سند ہو، اس کی تردید اپنے اوپر فرض کر لیجائے، اہلِ نظر کی نگاہون مین ایسی تحریرین خود وقعت نہین رکھتی ہین، اور نہ اُن کے رد کی ضرورت سمجھی جاتی ہے، اس لئے مجھے آپ اس سے معاف فرمائین،

البتہ آپ کی تشفی کے لئے آپ سے عرض ہے، کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا نسب نامہ جو معتبر ماخذ میں ہے، اس سے ان کی سیادت واضح ہے، نسب نامہ درج ذیل ہے،

"الشیخ عبد القادر بن ابی الصالح عبد اللہ بن جنکی دوست بن ابی عبد اللہ بن یحیی بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ الجوزی بن عبد اللہ المحض بن الحسن المثنی ابن الحسن بن علی بن ابی طالب الجیلانی،

یہ مذکورہ بالا نسب نامہ شذرات الذهب فی اخبار من ذهب (جلد ۴ ص ۱۹۸) سے نقل کیا گیا ہے، جو اتفاقاً اس عریضہ کی تسوید کے وقت میز پر موجود ہے، اس کی تصدیق متقدم و متاخر دیگر تصنیفات سے بھی کی جا سکتی ہے،

مثلاً یافعی المتوفی ۷۶۸ھ کی مرآۃ الجنان میں بھی یہی نسب نامہ محض بعض ناموں کے جزئی فرق کے ساتھ موجود ہے، حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ نے ۵۶۱ھ میں وفات پائی ہے (ابن اثیر حوادث ۵۶۱ھ و دیگر کتب تراجم) یافعی کا زمانہ اُن سے کچھ زیادہ دور نہیں، پھر یافعی سے ایک صدی پہلے شیخ نور الدین شطنوفی کی بہجۃ الاسرار لکھی گئی ہے، اس کا پورا نام بہجۃ الاسرار و معدن الانوار فی مناقب السادۃ الاخیار من المشائخ الابرار ہے، اس کا زمانۂ تصنیف ۶۶۰ھ ہے، یعنی شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ کی وفات کے سو سال کے اندر یہ کتاب تصنیف پائی ہے، اور اس میں حضرت شیخ عبد القادر کو سادات اخیار میں شمار کر کے سب سے پہلے انہی کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور (۳) میں ان کا لفظ بلفظ وہی نسب نامہ ہے جس کو یافعی نے نقل کیا ہے، (کشف الظنون ج ۱ ص ۲۰۴، وحاشیہ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۵۰)

اسی طرح متاخرین میں شیخ محمد بن یحیی تاذفی حنبلی المتوفی ۹۶۳ھ نے اپنی قلائد الجواہر

ہیں اور شیخ عبد الوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے اپنی الطبقات الکبریٰ میں شیخ کا یہی نسب نا
قبول کیا ہے، جس کا سلسلہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم پر تمام ہوتا ہے، (حاشیہ
مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۵۰، و الطبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱۰۸)

اس طرح اگر استقصاء سے دیکھا جائے تو شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ کی وفات جس صدی میں
ہوئی، اس کے بعد سے ہر صدی کی مشہور و مستند کتب تذکرہ و تاریخ میں انہیں سادات میں شما
کیا گیا ہے، اور جزئی ناموں کے فرق کے ساتھ وہی نسب نامہ نقل ہوتا آرہا ہے، جو ساتویں صد
کی تصنیف میں بھی موجود ہے، اس لئے متقدمین و متاخرین کے ان بیانوں کا رد نہیں کیا جاسک
عقلی قیاس آرائیاں تاریخی حقائق کو بدل نہیں سکتیں،

یہ صحیح ہے کہ بعض شاذ روایتیں ایسی بھی ہیں جن میں حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ کی سیادت
انکار کیا گیا ہے، لیکن یہ خیال شریف میں رہے، کہ اس خانوادہ کو نسبی سیادت کے ساتھ ایک قسم کی مذہبی
روحانی سیادت کا شرف بھی حاصل ہو گیا تھا، اور اس زمانہ میں متصوفین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا
جس نے تصوف کو اپنی دنیا طلبی کا ذریعہ و وسیلہ بنا لیا تھا، اس لئے اگر معاصرانہ چشمک سے کسی نے ا
خانوادہ کی سیادت پر طعن کیا ہو تو وہ اعتبار کے لائق نہیں، ان معترضین نے حضرت شیخ کے نسب نا
میں جنگی دوست کے نام کے موجود ہونے سے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا ہے، اگر یہ عجمی نام ہے لیکن یہ عجیب قسم
کا اعتراض ہے، عربوں کے جو خانوادے عجم میں آکر رہ گئے ہیں، اگر ان کے جدید وطن کے اثر سے ان کے
خاندان کے کسی نام میں عجمیت آگئی ہو، تو یہ کونسی ایسی بات ہے کہ اس کی بنیاد پر ان کے عرب ہونے
سے انکار کر دیا جائے، آپ کو ایسے بیسیوں خانوادوں کے شجرے مل سکتے ہیں، جو عرب سے نکلے، اور ان کے
ناموں میں عجمیت کا اثر آگیا،

پھر یہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمۃ کے شجرہ نسب میں جنگی دوست

نام جو آیا ہے وہ بظاہر نام ہونے کے بجائے لقب یا عرف معلوم ہوتا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شذرات الذہب اور مراۃ الجنان کے نسب ناموں میں ناموں کے جو بعض جزئی فرق پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک شذرات الذہب میں اسی نام جنگی دوست" کا اضافہ بھی ہے، یہ اضافہ نہ یافعی کی مراۃ الجنان میں ہے نہ بہجۃ الاسرار میں نہ قلائد الجواہر میں ہے، اور نہ شعرانی کی طبقات میں اس کا ذکر آیا ہے، اس لئے یہ خیال ہو سکتا ہے، کہ جنگی دوست" کوئی مستقل نام ہونے کے بجائے" شیخ ابو صالح یا ابو عبد اللہ کا لقب ہوا جس کو بعض مورخین نے ایک مستقل نام تصور کر لیا، اور اس کی بنیاد پر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی سیادت و غیر سیادت کی بحث چھڑ گئی، اور پھر یہیں سے شیعہ اہل قلم کو موقع ملا، انھوں نے اس کو غیر معمولی طور پر اچھالا، ورنہ درحقیقت یہ ساری بحثیں لغو ہیں، کہ در اصل یہ موضوع ہی سرے سے ایسا نہ تھا، کہ اس کی تحقیق و اثبات پر ہم اور آپ وقت صرف کرتے، مگر محض آپکے بار بار کے اصرار کے باعث یہ چند سطریں لکھی پڑیں، بہرحال آپکے ارشاد گرامی کی تعمیل ہو جائے گی، اور پچھلے اور اس عریضہ کو ملا کر زیر ترتیب معارف میں چھپنے کو دیدیا جائے گا،

والسلام "س"

علامہ مرتضیٰ زبیدی

مولوی ابو القاسم صاحب فاروقی حنفی

بحری آباد ضلع غازی پور

علامہ مرتضیٰ زبیدی بلگرامیؒ کے مجمل حالات وسنہ ولادت و وفات مع اسامی تصانیف

مطبوعہ و غیر مطبوعہ مطلوب ہیں، و نیز یہ کہ کیا علامہ موصوف کے دو نام ہیں، محمد مرتضیٰ و عبد الرزاق؟ اور کیا علامہ موصوف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں؟ اگر ہیں تو

بثبوت میں تاریخ و سیر کی کوئی عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو اُن کے شاگرد ہونے کے لئے نص قاطع کا حکم رکھتی ہو، و نیز موصوف کے مفصل و مبسوط حالات کن کن کتابوں میں لکھے گئے

امید ہے کہ خدمتِ علم کے پیشِ نظر اوقاتِ گرامی کا کچھ حصہ اس پر صرف فرماکر شاکر ہونیکا موقع عنایت فرمادین گے، فقط والسلام

معارف:۔ آپ کی یاد دہانی بار بار ملتی گئی آپ کے استفسارون میں جو دوسرا سوال باقی رہ گیا تھا اس کا مدت کے بعد جواب دے رہا ہون، علامہ مرتضیٰ زبیدی کے مختصر سوانح وسنین، اور مؤلفات کا حال درج ذیل ہے :۔

مرتضیٰ زبیدی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی، پورا نام و نسب شیخ ابوالفیض سید محمد بن محمد بن عبد الرزاق ہے، ان کا خاندان واسط سے ہندوستان مین آیا، اور بلگرام مین سکونت اختیار کی، ان کی پیدائش بلگرام مین ۱۱۴۵ھ مین ہوئی، وہین نشو ونما پائی، اور علمائے وقت سے علوم کی تحصیل کی، اُن کے شیوخ مین شیخ محمد فاخر الٰہ آبادی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے نام آتے ہین، انھون نے اپنے شیوخ کا معجم بھی لکھا تھا، ان کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے، اس معجم مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا اسم گرامی بھی موجود ہے، اس لئے اس نسبت مین کسی شبہہ کی گنجائش نہین، اور نہ مزید تحقیق کی ضرورت ہے،

وہ ہندوستان سے یمن تشریف لے گئے، اور مقام زبید مین مدتون مقیم رہے، اس نسبت سے زبیدی کہے گئے، حج کی سعادت بار بار حاصل کی، اس سلسلہ مین مکہ معظمہ مین مصر کے شیخ وقت سید عبدالرحمٰن عیدروس سے شرف نیاز حاصل ہوا، اور ان کے حلقہ ارادت مین داخل ہوگئے، پھر اس تعلق سے ۱۱۶۷ھ مین مصر وارد ہوئے، اور مصر کو اپنا مرکز رکھکر مختلف دیار و امصار مین گئے، اور وہان کے شیوخ سے علم حدیث اور دوسرے فنون کی مزید تحصیل کی، پھر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف مین زندگی گذاری،

ماہ شعبان ۱۲۰۵ھ مین مصر مین طاعون مین مبتلا ہوکر وفات پائی، اور مشہد سیدہ رقیہ مین دفن کئے گئے، بجز تصنیفات کے کوئی نسلی اولاد ان کی یادگار نہ تھی،

ان کی تصنیفات مین زیادہ شہرت قاموس کی شرح تاج العروس کو حاصل ہوئی، یہ دس ضخیم جلدون مین ہے، اور ۱۴ سال مین تصنیف پائی تھی، اس کی تصنیف ۱۱۸۱ھ مین اختتام کو پہونچی، اس کی خوشی مین علمی جشن منایا اس تصنیف سے عالم اسلامی مین ان کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، اور ان کے علم و فضل کا چرچا دور دور پھیلا، اُن کے علم و فضل کے سلاطین قدردان تھے، حجاز، ہندوستان، یمن، شام، عراق، مغرب اقصیٰ، ترکی، سوڈان اور الجزائر کے سلاطین نے ان کی قدر افزائی کی،

ان کی تصنیفات کی مجموعی تعداد تقریباً ایک سو ہے، ان مین کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہین، مطبوعہ کتابین حسب ذیل ہین :-

۱- **تاج العروس** کا پہلا نسخہ ۱۲۸۶ھ مین مطبع الوہبیہ مصر مین چھپا، مگر مکمل نہ ہو سکا، صرف پانچ جلدین چھپ کر رہ گئین، دوسری مرتبہ ۱۳۰۷ھ مطبعہ خیریہ مصر نے اس کو دس جلدون مین شائع کیا، اس کے آخر مین مصنف کے مختصر سوانح حیات بھی درج ہین جن مین اُن کے علمی خدمات کا ذکر بھی آیا، اور بیشتر تصنیفات کے نام لکھے ہین،

۲- **اتحاف السادۃ المتقین**، یہ امام غزالی کی احیاء العلوم کی شرح ہے، احیاء العلوم پر علامہ مرتضیٰ زبیدی کے بعض ہمعصرون نے کچھ اعتراضات کئے تھے، اس مین اُن کے جوابات دیئے گئے ہین، یہ کتاب پہلے ۱۳۰۲ھ مین فاس سے ۱۳ جزؤن مین اور ۱۳۱۱ھ ہجری مین مطبعہ المیمنہ سے ۱۰ اجزاء مین چھپی ہے،

۳- **بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب**، مطبع مصر ۱۳۲۶ھ

۴- **تنبیہ العارف البصیر علی اسرار الحزب الکبیر**، یہ شیخ ابو الحسن شاذلی کی حزب

بثبوت مین تاریخ و سیر کی کوئی عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو اُن کے شاگرد ہونے کے لئے نص قاطع کا حکم رکھتی ہو، و نیز موصوف کے مفصل و مبسوط حالات کن کن کتابون مین ملین گے، امید ہے کہ خدمتِ علم کے پیشِ نظر اوقاتِ گرامی کا کچھ حصہ اس پر صرف فرماکر شاکر ہونیکا موقع عنایت فرمادین گے، فقط والسلام

معارف:۔ آپ کی یاد دہانی بار بار ملتی گئی آپکے استفسارون مین جو دوسرا سوال باقی رہ گیا تھا، اس کا مدت کے بعد جواب دے رہا ہون، علامہ مرتضیٰ زبیدی کے مختصر سوانح و سنین، اور مؤلفات کا حال درج ذیل ہے :۔

مرتضیٰ زبیدی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی، پورا نام و نسب شیخ ابوالفیض سید محمد بن محمد بن عبد الرزاق ہے، ان کا خاندان واسط سے ہندوستان مین آیا، اور بلگرام مین سکونت اختیار کی، ان کی پیدائش بلگرام مین ۱۱۴۵ھ مین ہوئی، وہین نشو و نما پائی، اور علمائے وقت سے علوم کی تحصیل کی، اُن کے شیوخ مین شیخ محمد فاخر الہ آبادی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے نام آتے ہین، انھون نے اپنے شیوخ کا معجم بھی لکھا تھا، ان کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے، اس معجم مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا اسم گرامی بھی موجود ہے، اس لئے اس نسبت مین کسی شبہہ کی گنجائش نہین، اور نہ مزید تحقیق کی ضرورت ہے،

وہ ہندوستان سے یمن تشریف لے گئے، اور مقام زبید مین مدتون مقیم رہے، اس نسبت سے زبیدی کہے گئے، حج کی سعادت بار بار حاصل کی، اس سلسلہ مین مکہ معظمہ مین مصر کے شیخ وقت سید عبد الرحمن عبدروس سے شرف نیاز حاصل ہوا، اور ان کے حلقہ ارادت مین داخل ہو گئے، پھر اس تعلق سے ۱۱۶۷ھ مین مصر وارد ہوئے، اور مصر کو اپنا مرکز رکھکر مختلف دیار و امصار مین گئے، اور وہان کے شیوخ سے علم حدیث اور دوسرے فنون کی مزید تحصیل کی، پھر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف مین زندگی گذار دی

ماہ شعبان سنہ۱۲۰۵ھ مین مصر مین طاعون مین مبتلا ہوکر وفات پائی، اور مشہد سیدہ رقیہ مین دفن کئے گئے بجز تصنیفات کے کوئی نسلی اولاد ان کی یادگار نہ تھی،

ان کی تصنیفات مین زیادہ شہرت قاموس کی شرح تاج العروس کو حاصل ہوئی، یہ دس ضخیم جلدون مین ہے، اور ۱۴ سال مین تصنیف پائی تھی، اس کی تصنیف سنہ۱۱۸۱ء مین اختتام کو پہونچی، اس کی خوشی مین علمی جشن منایا اس تصنیف کے عالم اسلامی مین ان کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی، اور انکے علم و فضل کا چرچا دور دور پھیلا، اُن کے علم و فضل کے سلاطین قدر دان تھے، حجاز، ہندوستان، شام، عراق، مغرب اقصیٰ، ترکی، سوڈان اور الجزائر کے سلاطین نے ان کی قدر افزائی کی،

ان کی تصنیفات کی مجموعی تعداد تقریبًا ایک سو ہے، ان مین کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہین، مطبوعہ کتابین حسب ذیل ہین :-

۱- **تاج العروس** کا پہلا نسخہ سنہ۱۲۸۶ھ مین مطبع الوہبیہ مصر مین چھپا، مگر مکمل نہ ہوسکا، صرف پانچ جلدین چھپ کر رہ گیٔن، دوسری مرتبہ سنہ۱۳۰۷ھ مطبعہ خیریہ مصر نے اس کو دس جلدون مین شائع کیا، اس کے آخر مین مصنف کے مختصر سوانح حیات بھی درج ہین جن مین اُن کے علمی خدمات کا ذکر بھی آیا، اور بیشتر تصنیفات کے نام لکھے ہین،

۲- **اتحاف السادۃ المتقین**، یہ امام غزالی کی احیاء العلوم کی شرح ہے، احیاء العلوم پر علامہ مرتضیٰ زبیدی کے بعض ہمعصرون نے کچھ اعتراضات کئے تھے، اس مین اُن کے جوابات دیئے گئے ہین، یہ کتاب پہلے سنہ۱۳۰۲ھ مین فاس سے ۱۳ جزؤن مین اور سنہ۱۳۱۱ ہجری مین مطبعہ المیمنہ سے ۱۰ اجزاء مین چھپی ہے،

۳- **بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب**، مطبع مصر سنہ۱۳۲۶ھ

۴- **تنبیہ العارف البصیر علی اسرار الحزب الکبیر**، یہ شیخ ابوالحسن شاذلی کی حزب

کی شرح ہے ۱۳۲۳ھ مین مطبعہ سعادۃ سے شائع ہوئی،

۵۔ عقد الجواهر المنيفه فی ادلة مذهب الامام ابی حنیفه طبع اسکندریہ ۱۲۹۲ھ

۶۔ نشوۃ الارتیاح فی بیان حقیقۃ المیسر و القداح طبع لیدن ۱۳۰۳ھ،

ان کتابون کا ذکر معجم المطبوعات مین بھی آیا ہے، (ج ۲ ص ۲۶۳) ان کی حسب ذیل غیر مطبوعہ کتابین کتب خانہ مصر مین موجود ہین :۔ (۷) مختصر العینی (۸) اسانید الکتب الستۃ الصحاح (۹) کشف اللثام عن آداب الایمان والاسلام (۱۰) رفع الشکوی وترویح القلوب فی ذکر ملوک بنی ایوب (۱۱) معجم الشیوخ (۱۲) الفیۃ السند : (الاعلام جلد ۳ ص ۹۰۲)

"س"

سیرۃ عائشہؓ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات،

قیمت ہے ضخامت ۳۲۹ صفحے، (طبع سوم باضافہ حواشی)

سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ

حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے،

قیمت :۔ عہ (جدید ایڈیشن)

"منیجر"

وفیات

حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم ڈھاکہ

ڈھاکہ کے متعدد دوستوں کے خطوط سے یہ معلوم کرکے بڑا افسوس ہوا کہ بنگال کے جا دو نگار ادیب اور نادرۂ روزگار طبیب شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن نے یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ کی شب میں ضغطۂ دم (بلڈ پریشر) کی بیماری میں سنہ قمری سے اڑسٹھ اور شمسی سے چھیاسٹھ برس کی عمر میں دفعۃً وفات پائی، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی اپنے والانامہ میں لکھتے ہیں،

"آپ کو وفیات لکھنے میں ملکہ ہے، ایک اہم وفات نامہ معارف میں لکھدیجئے، آپکے اور میرے مخلص دوست حکیم حبیب الرحمٰن صاحب کا یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۳ر فروری ۱۹۴۷ء کی شب میں دفعۃً بلڈ پریشر بڑھ جانے سے انتقال ہوگیا، اناللہ،

مرحوم حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی صرف ونحو کے شاگرد اور بڑے عاشق تھے، علامہ شبلی کے دوستوں میں تھے، مسلم لیگ کی جب بنیاد ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں رکھی گئی اور نواب سرسلیم اللہ خاں اس کے صدر ہوئے تو مرحوم جوائنٹ سکریٹری ہوئے تھے، علم طب حکیم عبدالمجید خان صاحب سے حاصل کیا، اور اس میں کمال کا درجہ پایا، بنگال میں اس وقت ان کے درجہ کا کوئی طبیب نہیں سنا گیا، ڈھاکہ میں طبیہ کالج قائم کیا، اور بڑی ہمت سے اس کو چلاتے رہے، گورنمنٹ نے شفاء الملک کا خطاب دیا، جس کو

(لیگ کی تحریک کی بنا پر) ستمبر مین واپس کر دیا،

اُن کے اس کارِ خیر سے بہت سے اطبا پیدا ہوے، اور اب بھی سلسلۂ درس جاری ہے،"

خدا کرے برابر جاری رہے،

مولانا شبلی مرحوم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے سلسلہ مین ۱۹۰۶ء مین ڈھاکہ تشریف لے گئے تھے، وہان سے وہ دو دوستون کے نام ہم لوگون کے لئے تحفہ مین اپنے ساتھ لائے، ایک کا نام مرزا فقیر محمد صاحب اور دوسرے کا حکیم حبیب الرحمٰن، مولانا مرحوم کے بعد ان دونون کی دوستی و محبت کا سلسلہ اس حقیر راقم الحروف کی طرف منتقل ہوا، مرزا صاحب کا مدتون سے پتہ نہین، خدا جانے وہ جیتے بھی ہین یا نہین، حکیم صاحب مرحوم نے اخیر تک دوستی نباہی، اُن کے اخلاق کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جن دوستون سے ان کی دوستی رہی، اس کو وہ اخیر تک بحال احتیاط و اہتمام نباہتے رہے،

خط و کتابت کی معرفت تو مولانا شبلی مرحوم کے عہد سے شروع ہو چکی تھی، مگر ملاقات جسمانی کی نوبت ۱۹۲۳ء کے آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر پٹنہ مین آئی، اس کے بعد بارہا وہ ڈھاکہ بلاتے اور اس کے لئے ڈھاکہ یونیورسٹی کے تعلق سے نئی نئی تقریبیں پیدا کرتے رہے، مگر جانا اور ملنا نصیب نہ ہوا،

مرحوم نسباً فاروقی اور وطناً یاغستانی علاقہ یوسف زئی کے باشندہ تھے، ان کے والد اخوند محمد شاہ صاحب مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردون مین تھے، لکھنؤ سے ڈھاکہ اپنے ماموں محمد نعمان صاحب مرحوم کے یہان آئے، اور یہین شادی کرکے بس گئے، اور اس تقریب سے سرحدِ ہند کی یہ دولت بنگال کی قسمت مین آئی،

حکیم صاحب مرحوم کی تعلیم جیسا کہ حسن معصومی صاحب (لکچرر فلسفۂ اسلام ڈھاکہ یونیورسٹی) نے مجھے لکھا ہے، آگرہ اور بہار مین ہوئی، مگر جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے ڈھاکہ سے لکھا ہے، کہ ان کی تعلیم کا بڑا زمانہ کانپور مین گذرا، کچھ درسیات اپنے والد سے حاصل کئے، ابتدائی صرف و نحو کے کچھ اسباق جیسا کہ پہلے گذرا

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھے، جب حضرت والا رحمہ اللہ کانپور مین درس دے رہے تھے، جس کا خاتمہ ۱۳۱۵ھ مین ہوا، اور زیادہ تر تعلیم مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی سے حاصل کی، معقول مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، اور مولانا عبدالوہاب صاحب بہاری سے پڑھی، جب وہ کانپور مین مدرس تھے، حدیث مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڈھی اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک شاگرد سے حاصل کی، اور اجازت لی، طب حکیم عبدالمجید خان صاحب دہلوی المتوفی ۱۹۰۱ء سے پڑھی، اور اس مین کمال کا درجہ حاصل کیا، ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء مین وہ تعلیم سے فارغ ہوکر ڈھاکہ لوٹے اور ایک طبیب کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کی، مرحوم کی تعلیم تمامتر پرانے طرز کی ہوئی تھی، مگر فطرت کے خزانہ سے وہ ایک ذہین و لطیف دماغ اپنے ساتھ لائے تھے، اپنے اسی فطری ذوق کی مدد سے تاریخ وادب کی کتابین پڑھین اور طب کے بعد جن فنون سے ان کو ذوق رہا وہ بھی تاریخ وادب تھے، اور اسی سلسلہ سے وہ مولانا شبلی کے حلقۂ ارادت مین داخل ہوے، چنانچہ ۱۹۰۶ء اُن کی زندگی کے لئے بڑی اہمیت کا سال ہے، اسی سال مولانا شبلی سے ملاقات ہوئی، باتون باتون مین انھون نے مولانا شبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کی، کہ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون کی طرح ہندوستان کے ہر صوبہ کی تصنیفات پر ایک محققانہ کتاب لکھی جائے، مولانا نے اُن کے اس خیال کی تحسین کی، اور بنگال کا حصہ اُن کے سپرد کیا، حکیم صاحب مرحوم کے اکثر خطون مین اُن کی اس تصنیف کے تذکرے ہوا کرتے تھے، بنگال سے متعلق "ثلاثۂ غسالہ" کے نام سے ایک کتاب اور اُن کے زیر قلم تھی، "ثلاثۂ غسالہ" کا نام انھون نے حافظ شیراز کی اُس غزل سے لیا تھا، جس کو حافظ نے سلطان بنگالہ کے نام لکھکر بھیجا تھا،

زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

اسی غزل کا ایک ٹکڑا ہے "ثلاثۂ غسالہ می رود" الفارق اور حیات سقراط ان کی طالب العلمی کے رسالے ہین، اُن کی دوسری تصنیفات کے نام مساجد ڈھاکہ، ڈھاکہ اب سے پچاس برس پہلے،

شعرائے ڈھاکہ وغیرہ ہین، آخری تصنیف آسودگان ڈھاکہ ہے، جو ابھی ۱۹۴۶ء کے اخیر مین چھپ کر شائع ہوئی، جس مین بزرگان ڈھاکہ کے مزارات کی تحقیق، اور تذکرے ہین، اس کے بعد آسودگان ڈھاکہ کا مصنف خود ڈھاکہ کی خاک مین آسودہ ہوگیا،

اُن کی ادبی تاریخ کا آغاز بھی ۱۹۰۶ء سے ہوتا ہے، اس سال انھون نے ڈھاکہ سے المشرق کے نام سے ہفتہ وار رسالہ نکالا، پھر جادو کے نام سے ایک اور ادبی وعلمی رسالہ جاری کیا، معارف کے ابتدائی پرچون مین بھی اُن کے بعض مضامین چھپے ہین،

مرحوم کے قلم مین بڑی لطافت تھی، محمد حسین آزاد کی نقالی کسی سے نہ ہوسکی لیکن تھوڑی بہت اگر کسی سے ہوئی، تو عجیب بات ہے کہ وہ بنگال ہی کے جادو گران ادب سے ہوسکی، ان مین پہلا نام نواب نصیر حسین خان خیال (کلکتہ) کا اور دوسرا حکیم حبیب الرحمٰن (ڈھاکہ) کا ہے، افسوس ہے کہ ان کی طبی مصروفیتون نے اُن کے ادبی کارنامون کو اُبھرنے کا موقع نہین دیا، اور اُن کی یہ قوت انشا پردازی پوری طرح ظاہر نہ ہوسکی،

ان کو اردو ادب اور بنگال کی تاریخ سے خاص ذوق تھا، اور تاریخ کے تعلق سے قدیم سکون کے جمع کرنے کا شوق تھا، چنانچہ اُن کے جمع کردہ سکون کا پہلا مجموعہ اس وقت ڈھاکہ کے عجائب خانہ آثار قدیمہ مین ہے، جس کا تاریخوار کیٹیلاگ بھی چھپ کر شائع ہوچکا ہے، اس کے بعد جو سرمایہ اُن کے پاس جمع ہوا، اس کو دار المصنفین کے نام منتقل کرنے کا بارہا ارادہ انھون نے کیا، مگر یہ ارادہ پورا نہ ہوا،

مرحوم طبیب اور حاذق طبیب تھے، قیافہ اور نباضی مین کمال رکھتے تھے، صورت دیکھکر اور صرف حال سن کر مرض بتا دیتے تھے، حضرت حکیم الامت کی علالت کا حال مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سے سن کر مرض کی تشخیص کی، اور دوا تجویز کی، جب تھانہ بھون سے خطرناک حالت کی اطلاع آئی، تو کہا کہ اب دوا بیکار ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وقت آخر آپہنچا، اور آخر جیسا انھون نے کہا ویسا ہی ہوا،

مرحوم کی حذاقت کا ایک واقعہ مجھ سے متعلق ہے کئی سال کی بات ہے، مین نے ریڈیو پر ایک تقریر کی، مرحوم نے ڈھاکہ سے لکھا، مین نے ریڈیو پر آپ کی آواز سنی جو آپکے ضعفِ قلب کا اعلان کر رہی تھی، اس کی جلد خبر لین، چنانچہ چند ہی روز کے بعد مجھے اسی قسم کے ایک سخت مرض کا سانحہ پیش آیا جس سے اللہ تعالیٰ نے جانبری فرمائی،

مگر آہ! وہ مسیحا نفس جو دوسرون کو موت کے پنجہ سے چھڑایا کرتا تھا، آخر وہ دن بھی آیا جب وہ خود اس کے پنجہ مین گرفتار ہوا، مرحوم کو کئی مہینون سے اپنے اس آنے والے حادثہ کا خیال تھا، جنوری سنہ ۱۹۴۷ء مین بعض دوستون سے کہہ چکے تھے، کہ مین جب جاؤن گا، دفعتہً جاؤن گا، جس دن حادثہ پیش آیا، متعدد مریضون کو جاکر دیکھا، مغرب بعد نشستگاہ مین بیٹھ کر دوستون سے باتین کین، ہنستے بھی رہے، ہنساتے بھی رہے، اور اسی سلسلہ مین فرمایا، کہ آج مولانا عثمانی ڈھاکہ مین نہین، اس کی فکر ہے، ان کو اپنی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا، کہ کوچ کی منزل قریب ہے، اس لئے کچھ وصیتین بھی کر چکے تھے، جن مین ایک یہ تھی کہ میری نماز مولانا ظفر احمد تھانوی پڑھائین، اور اگر وہ نہ ہون تو پیرجی عبد الوہاب مہتمم مدرسہ اشرف العلوم پڑھائین، چنانچہ تقدیر یہی تھی، کہ مولانا عثمانی اوس دن کہین باہر تھے، تین بجے شب کو قلب کا دورہ پڑا، ڈاکٹر کے لئے آدمی گیا، جیسے ہی اُس نے چوکھٹ پر قدم رکھا ہے، مسافر عالم بالا کے سفر پر روانہ ہوگیا، آناً فاناً خبر شہر مین پھیل گئی، صبح کو تجہیز و تکفین عمل مین آئی، جنازہ مین اتنا مجمع تھا کہ لوگ کہتے ہین کہ ڈھاکہ مین شاید ہی کسی کے جنازہ مین ایسا مجمع ہوا ہو، حسب وصیت پیرجی عبد الوہاب نے نماز پڑھائی، جو لال باغ کی شاہی مسجد مین ہوئی، اور ڈھاکہ کے ایک بزرگ کے احاطۂ مزار مین سپرد خاک ہوئے،

مرحوم کے سانحۂ وفات پر شہر مین کہرام ہے، عام و خاص سب ہی متاثر ہین، اہلِ قلم طبقہ پر مرحوم کی وفات کا جو اثر ہوا، وہ ان دو عربی مرثیون سے ظاہر ہے جو ڈھاکہ کے دو بزرگون نے لکھکر بھیجے ہین،

حبیبی! دوستون نے تمھارے لئے مرثیے لکھے، احباب نے تمھارے فراق مین آہ جگر سوز کھینچی،

جاننے والون نے تمھارے اوصاف گنائے، ماننے والون نے تمھارے احسانات یاد کئے، مگر تم اوس دنیا مین ہو، جہان اس دنیا کی مدح وستایش کی حکایتین نہین پہنچتین، مغفرت کی دعائین، تمھارے لئے ہین غفورٌ رحیم اُن کو قبول فرمائے، "س"

مرثیہ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی

یا عین جودی بدمع غیر منجمد   علی الحبیب وقد واراه فی اللحد
قد الحد واحکمة فهما وتجربة   لکل عرض من الاسقام فی الجسد
قد الحد واعون اهل الضرطاطیة   قد الحد والیوم حقا زینة البلد
ما کان احسنه خلقا ومکرمة   وکان یبذل للمولی بذات ید
ما کان اصوبه رأیا ومشورة   وکان منطقه احلی من الشهد
ما کان الزمه للعلم نابغة   للقوم والملة البیضاء کالعضد
کان الحبیب الی قلبی وصورته   تجول فی العین عند النوم والسهد
من کان یدعی شفاء الملك لم یجدا   له شفاء فواحزاه فی کبدی
یارب فاغفرله وارزقه منزلة   کریمة عجبا فی عیشة رغد
یارب نورله فی قبره ابداً   واجعله فی خیر من یهدی الی الرشد

حبیب رحمان مغفور له کرمًا
۱۳۶۴ھ
یزداد حقًّا علیه آخر الابد
۱۳۶۶ھ

مرثیہ (۲)

از مولانا محفوظ الکریم صاحب ممتاز المحدثین ڈھاکہ

(فقید ڈھاکہ)

أترزق (ڈھاکہ) بعد فقد حبیبھا " أو تشتفی "البنغال" بعد طبیبھا
طفئت منائر علمھا و ذکائھا وخبت معارفھا لفقد لبیبھا
جاءت جمیں بنعیہ فاغرورقت مقل تمج دمائھا بشکیبھا
الطب أجھش بالبکاء تیتما، والعبقریۃ نحبھا لنجیبھا
اما الخطوب فابھجت بسرورھا ظفرت باوفر حظھا ونصیبھا
ذھب الفقید وبعد یبکو الدجی کالشمس یجو الںیل بعد مغیبھا
ذھب الفقید، فقید کل معارف ومفاخر فذ وری رواء خصیبھا
وضعوہ فی رمس وتمرع روحہ عند الملائک فی جمال قشیبھا

الله انزلہ محل کرامۃ،

تسقیہ رحمۃ بجود صبیبھا،

حیات شبلی

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور علمی، عملی کارنامے، صفحات ۸۴۶،

قیمت مجلد لعہ، غیر مجلد سے ر

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

مکالماتِ افلاطون مترجمہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، حجم ۵۰۴ صفحے قیمت للعہ

افلاطون کی معیاری تصنیفات میں سے "ریاست" کے بعد اس کی یہ دوسری تصنیف ایک ذمہ دار و کہنہ مشق مترجم کے قلم سے اردو زبان میں منتقل ہوئی ہے، اس میں افلاطون کے آٹھ مکالمے ہیں جن میں بیشتر سقراط کی زبان سے ادا کئے گئے ہیں، ترجمہ کی زبان سلیس، روان اور بے ساختہ ہے، مترجم نے اپنے مقدمہ میں ان مکالمات کے ادبی و فلسفیانہ خصوصیات کو دکھایا ہے، مکالمات نہایت لطیف اور خوشگوار مباحث پر ہیں، انھیں معیاری ڈرامہ سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے، مباحث میں خیالات کی فراوانی تازگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے، اس کتاب سے اردو کی معیاری کتابوں میں ایک مفید اضافہ ہوا ہے،

محسن کتابیں مرتبہ مولانا محمد عمران خان صاحب ندوی، ناشر مکتبہ جمعیۃ التعاون دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حجم ۲۰۰ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت مجلد ہے غیر مجلد عار

رسالہ الندوہ کے جدید دور میں ایک مستقل عنوان "ہماری محسن کتابیں" قائم کیا گیا تھا، اور ملک کے مشہور اہل علم و ارباب قلم کو ان کتابوں پر لکھنے کی دعوت دی گئی تھی جن کے مطالعہ سے انھوں نے اپنے علمی، ادبی اور عملی زندگی میں کوئی مستقل اثر قبول کیا ہو، چنانچہ اس موضوع پر مختلف ارباب علم وقتاً فوقتاً اپنے ذاتی تجربے اور تاثرات قلمبند کرتے گئے، اور وہ الندوہ میں شائع ہوتے رہے، لائق مرتب نے ان مضامین کو زیر تبصرہ مجموعہ میں ترتیب دیدیا ہے، یہ مجموعہ خصوصاً نوجوانوں کے لئے بیحد مفید ہوگا کہ وہ اپنے پیشروؤن

کے تجربات سے فائدہ اٹھا سکین، اور ان آزمودہ کتابون کے مطالعہ سے اپنے علمی استعداد کے بڑھانے اور اپنے علمی ذوق کے بنانے مین کام لے سکین، امید ہے کہ اس مجموعہ سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

چند ہمعصر، از مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، حجم ۲۰۰ صفحے،

قیمت :- عہر، پتہ :- دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی،

مولوی صاحب کی یہ کتاب مقبول عام ہو چکی ہے، اس مین حضرت مینائی، جسٹس سید محمود، پروفیسر مرزا حیرت، مولوی عزیز مرزا، مولوی سید علی بلگرامی، مولوی وحید الدین سلیم، اور خواجہ غلام الثقلین، کی زندگی کے ایسے حالات قلمبند ہوگئے ہین، جو کسی دوسری جگہ نہین ملتے، دوسری طرف خود مصنف کے نصف صدی پہلے کے طرز تحریر اور علمی و ادبی رجحانات نیز ان مین عہد بعہد کی تبدیلیون کا اندازہ ہوتا ہے، اچھا ہوتا اگر ان مضامین پر نظر ثانی بھی کر لی گئی ہوتی، کہ کم سے کم ارباب تراجم کی علمی خدمات و تصانیف کا تذکرہ مکمل ہو جاتا، کہ نصف صدی کے ان ارباب کمال پر علٰحدہ سے پھر کون قلم اٹھائیگا، نیز وہ جامعیت کہان سے پیدا ہو سکے گی، جو ایک واقف حال ہم نشین کے قلم سے ممکن ہے،

مسلمانون کا حصہ سائنس اور کلچر کی ترقی مین	(Muslim contribution to Science and culture.)

از جناب محمد عبدالرحمن خان صاحب، حجم ۲۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت عہر پتہ :- شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

اس مختصر کتابچہ مین سائنس اور دوسرے عقلی علوم مین مسلمانون کے دور ترقی کا جائزہ اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے، اور اس سلسلہ مین عباسیون، آل بویہ اور فاطمیین وغیرہ کے دور کے علمی کارنامون اور سائنٹفک ترقیون کا ذکر آیا ہے، اور مختلف فنون کے باکمال ماہرین کے خدمات گنائے گئے ہین، اور دکھایا ہے، کہ نئے دور کی علمی ترقیان دراصل اسی اسلامی عہد کی علمی ترقیون کی رہین منت ہین، کہ ان کی

ترقی کی دیوار انھی بنیادون پر اٹھائی گئی ہے، رسالہ مختصر ہونے کے باوجود پر معلومات مفید اور کارآمد ہی،

تجدید خوشنویسی، از جناب محمد عبد الرحمن صاحب فیضی حجم ۹۰ صفحے، قیمت عہ، پتہ:-

عادل برادرس نمبر ۱۷۴، اوتیور روڈ، بنگلور سٹی،

منشی محمد عبد الرحمن صاحب فیضی فن خطاطی کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہین، زیر تبصرہ رسالہ انھون نے خوشنویسی کی تعلیم کے لئے لکھا ہے، رسالہ کے شروع مین فن کتابت کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، اس کے بعد فن خوشنویسی کو ترقی دینے کی کوششون کے سلسلہ کی بعض تقریرون اور اعلانون کو یکجا کیا گیا ہے، ۲۵ وین صفحہ سے اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، ابتدا مین فن خوشنویسی کے بنیادی معلومات درج کئے ہین، پھر ابجد کی تقطیع سے وصلی نویسی تک درجہ بدرجہ کی تقطیع کے نمونے درج ہین، رسالہ مین بعض سیاسی مسائل پر غیر متعلق اور غیر ضروری بحثین بھی آگئی ہین، امید ہے کہ رسالہ خصوصاً صوبہ مدراس کے نومشق خوشنویسون کے لئے کارآمد ہوگا،

رسالہ ہمایون کا سلور جوبلی نمبر، مرتبہ جناب میان بشیر احمد صاحب بی اے وجناب یوسف ظفر صاحب بی اے، حجم ۳۰۴ صفحے کاغذ اچھا، لکھائی چھپائی بہتر، سرورق خوشنما، قیمت:- عا، پتہ:-

دفتر ہمایون، نمبر ۳۳، لارنس روڈ، لاہور،

رسالہ ہمایون کو اردو کے ادبی رسالون کے سرتاج ہونے کا فخر حاصل ہے، اوس نے اپنی متین اور یکسان سنجیدہ روش کے ساتھ اپنی زندگی کے پچیس سال پورے کر لئے، اس چوتھائی صدی مین اس کے ہاتھون بڑی میانہ روی سے اردو کی بیش قیمت خدمتین انجام پائی ہین اس نے اپنی پچیس سالہ زندگی کو کامیابی سے طے کرنیکی خوشی مین اپنی سلور جوبلی منائی ہے، اور اپنے قدردانون کو سلور جوبلی نمبر کا تحفہ پیش کیا ہے جس مین ملک کے ممتاز ادیبون نے اپنی قلمی اعانت سے حصہ لیا ہے، ہم عزیز معاصر کی خوشی مین شریک ہوتے ہین، اور اس کے جوبلی نمبر کا خیر مقدم کرتے ہین، امید ہے کہ یہ نمبر قدردانون کے حلقہ مین ہاتھون ہاتھ لیا جائیگا،

"ر"

جلد ۵۹ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۷ء عدد ۶

مقالات

استفسار وجواب

ادبیات

وفیات

شذرات

جون کا مہینہ ہندوستان کی تاریخ مین یادگار رہے گا، کہ برسون کی کشمکش کے بعد یہان کی سیاسی جماعتون کے رہناؤن نے ایک بات پر خوشی یا ناخوشی سے اپنے اتفاق کا اعلان کیا، توقع ہے کہ ملک مین خونریزیون، اور سفاکیون کا جو سلسلہ قائم تھا، وہ اس نئی سیاسی کروٹ سے تھم جائے گا، خدا کرے کہ ملک کو حقیقی امن و امان نصیب ہو، اور یہ ملک جو کبھی جنت نشان تھا، اپنے گوشہ گوشہ مین ترقی کی معراج کو پہنچے، اور سب قومون، ملتون اور جماعتون کو یکسان فراغ بالی نصیب ہو،

آج کل مسلمانون مین جو ذہنی انقلاب برپا ہے، وہ کوئی چھپی ہوئی بات نہین یہ حقیقت اب روز روشن کی طرح مسلمانون پر عیان ہوتی جاتی ہو کہ اسلام صرف چند عقیدون کا نام نہین، وہ انسانی حیات کی تمام تر تفسیر ہوا وہی انسانی زندگی کا وہ آخری نظام ہے جس سے نظام عالم کی اصلاح کی امید قائم کی جا سکتی ہو، لیکن بہرحال ان حقائق کے ساتھ اس سے بھی چشم پوشی نہین کیجا سکتی کہ اس وقت دنیا کے گوشہ گوشہ مین غیراللہ کی حکومتین قائم ہین، اور اسی قسم کی حکومتون کے خاکے اس وقت ہندوستان مین بھی تیار کئے جا رہے ہین، یا جلد ہی تیار کئے جائین گے اگر ہم تخیل اور تصور ہی کی دنیا مین رہین، تو پھر ہماری وقتی اور اضطراری ضرورتون کو پورا کرنے کی ممکن عملی صورت کیا ہو سکتی ہو، مستقبل کے کسی خوش آیند تصور پر وقتی ضرورتون سے نگاہ نہین ہٹائی جا سکتی، جس طرح ہم اپنے پختہ عقائد اور حقیقی تصورات کے باوجود حکومت وقت کے قوانین کا بھی خاموشی سے اتباع کرتے ہین، اور اضطرارا تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہین، اسی طرح اگر ہم اپنی اجتماعی ضرورتون کے لئے بھی اضطراری حالات سے مجبور ہو کر کچھ

کر لینا چاہیں، تو یہ کیوں نہ دانشمندی کی بات سمجھی جائے،

خوشی کی بات ہو کہ معارف میں محکمۂ قضا کے قیام کی تحریک کی جو تجدید کی گئی ہو، وہ ملک کے ممتاز مسلمان ارباب سیاست کی نگاہ میں ہے، ملک کے مختلف حلقوں کے بعض ذمہ دار اکابر سے گفتگو کا موقع آیا، وہ وقت کے منتظر ہیں، توقع ہو کہ جب اسلامی اکثریت و اقلیت کے صوبوں کی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلیوں کے روبرو تفصیلی مسائل آئیں گے تو اس بحث کو بھی ہاتھ لگایا جائے گا، اور اس کو تشفی بخش طریق سے کسی مناسب راہ پر لا کر طے کیا جائے گا، خدا کرے کہ سیاسی افکار و مشاغل کے ہجوم میں ملت کی یہ اہم ضرورت فراموش نہ ہونے پائے،

بہرحال مسلمان جس تیزی سے اپنے دینی تصورات کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس کے اثرات صرف اسلامی ہند تک محدود نہیں، دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی اس کے خوشگوار نتائج سامنے آرہے ہیں، اور وہاں یورپ کی تقلید عام کے پرانے تخیل کی جگہ اسلامی تصورات کی طرف میلان بڑھ رہا ہو، چنانچہ نوجوان ترک جو کبھی سرمستی و سرشاری کے ساتھ یورپ کی تقلید عام کی طرف والہانہ انداز میں بڑھے تھے، اب شاید اسی تیزی سے واپس آنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، ان دنوں حکومت ترکی کی مجلس وزراء میں وزیر تعلیم کا ایک نیا مسودہ قانون زیر غور ہو، توقع ہے کہ وہ گرمی کی تعطیلات سے پہلے مجلس کبیر ملی کے سامنے بھی آجائے، اس نئے مسودۂ قانون کے مطابق ترکی کے ابتدائی مدارس میں دینی تعلیم شروع کی جائے گی، اور ایسے مخصوص مدارس کھولے جائیں گے، جن میں اعلیٰ دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا، اس سلسلہ میں دینیات کے لئے ایک مستقل کالج کے قیام کی تجویز بھی زیر غور ہے، ترکوں کی یہ رجعت پسندی ہمیں دل سے محبوب ہے، ہم دلی مسرت سے اس کا پرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں، دعا ہو کہ اللہ تعالیٰ انھیں حسن نیت کے ساتھ راہ صواب پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے،

مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری مرحوم اپنی زندگی بھر علی گڈھ کی تعلیمی تحریک اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی سرگرمیون سے وابستہ رہی، خوشی کی بات ہو کہ اسی حلقہ سے مرحوم کے خدمات کے اعتراف کے لئے ایک یادگار قائم کرنے کی اپیل شائع ہوئی ہو، جس پر دستخط کرنے والون مین ملک کے دوسرے چالیس ممتاز عمائد کے ساتھ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی ظلہ نے سرفہرست اپنے دستخط ثبت فرمائے ہین، اتفاق سے مسلم یونیورسٹی کے انجینئرنگ کالج کے طلبہ کے لئے دارالاقامہ کی کوئی عمارت موجود نہین ہے، اس تحریک کے بانیون کا خیال ہو کہ مرحوم کی یادگار مین شعبہ انجینیری کے طلبہ کے لئے دو لاکھ کے سرمایہ سے دارالاقامہ تعمیر کیا جائے، اور اس کے کرایہ کی آمدنی سے انجینئرنگ کالج اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ کو قرض حسنہ کی شکل مین وظائف دیئے جائین، اُمید ہو کہ ملک کے ارباب کرم اس تحریک کو لبیک کہین گے، کہ اس کے ذریعہ ایک طرف ایک مخلص کارکن کے دیرینہ خدمات کی یاد تازہ ہو، اور دوسری طرف ملک کے سب سے بڑے مسلم تعلیمی ادارہ کی ایک ضرورت پوری ہو، اور ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی سہولت کا سامان بہم پہنچے، چندہ کی رقمین سکریٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اولڈ بوائز لاج مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ کے پتہ سے ارسال کی جائین،

دارالمصنفین مین تاریخ اسلام و تاریخ ہند کی تدوین کے جو سلسلے جاری ہین، ان مین سے مشرقی حکومتون کی تاریخ مین سے تاریخ بنو عباس کے سلسلہ کی آخری جلد جو عباسی دور کے علمی کارنامون کا مرقع ہو، زیر ترتیب ہو، اور مغربی حکومتون کے سلسلہ مین اندلس کی تاریخ کی تین جلدین تیار ہو چکی ہین، اور آخری جلد جو یہان کے ملوک طوائف پر مشتمل ہو، ان دنون زیر ترتیب ہو، امید ہے کہ یہ بھی اس سال پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، دوسری طرف تاریخ ہند کے سلسلہ کی پہلی جلد جو تاریخ سندھ پر مشتمل ہو، ان دنون زیر طبع ہو، ڈھائی سو صفحے اب تک چھپ چکے ہین، امید ہو کہ تاریخ سندھ کی اشاعت سے ہندوستان کی تاریخ کے ایسے معلومات سامنے آئین جو اب تک عام مورخین کی نگاہون سے بھی اوجھل رہے ہین،

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۳)

۷- تخلیق مقاصد، اثباتِ خودی کا یہ ساتواں مقدمہ ہے، جو لوگ ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہیں ان کے نزدیک دنیوی جھگڑوں سے نجات کی صورت صرف یہ ہے، کہ خواہشاتِ نفسانی کا خاتمہ کر دیا جائے" شوپنہار کے فلسفہ کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ دنیا ایک "خراب آباد" یا زندوں کی دوزخ ہے، ہر طرف ایک ہلچل مچی ہوئی ہے، ہر چیز اپنی اپنی غرض پوری کرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے، اور ہاتھ پاؤں پھینک رہی ہے، انسان بھی اپنی نفسانیت کا غلام ہے، اس کے اندر بھی طرح طرح کی اندھی خواہشیں ہنگامہ برپا کئے ہوئے ہیں، زندگی کی بنیاد خود غرضی اور نفسانیت پر ہے، اور پھر ستم ظریفی یہ ہے، کہ باوجود اس دوڑ دھوپ کے باوجود اس جد وجہد کے ہم اپنی خواہشوں میں آخر کار ناکام رہتے ہیں، اس لئے ہمارے اندر زندگی کی جو خواہش ہے، اس کو مٹا دینا چاہئے"[۱]

بودھ کی تعلیم کا اصل الاصول بھی یہی ہے، کہ انسان ہر خواہش سے پاک ہو جائے، اور ہمارے صوفیہ

---

[۱] ماخوذ از شوپنہار مصنفہ مجنوں گورکھپوری،

کی تعلیم بھی یہی ہے کہ

از کار جہان تمام انکار خوش است — این کار اگر کنی تو بسیار خوش است

خود را بہ کنار گیر و بگذر ز ہمہ — در عالم تدبیر ہمین کار خوش است

اس بنا پر وہ دلِ بے مدعا کو خدا کی بڑی نعمت سمجھتے ہیں، اور ڈاکٹر صاحب اپنی ایک ابتدائی غزل میں اس سے بھی زیادہ بلند پروازی کرتے ہیں، اور دلِ بے مدعا کے حاصل کرنے کی خواہش سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں :-

ہے طلب بے مدعا ہونے کی بھی اک مدعا

مرغِ دل دامِ تمنا سے رہا کیونکر ہوا

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر خواہشاتِ نفسانی فنا ہو جائیں، تو زندگی بڑی پرسکون اور پرکیف ہو جاتی ہے، اسی بنا پر ایک شاعر کہتا ہے،

ترکِ لذت بھی نہیں لذت سے کم

کچھ مزہ اس کا بھی چکھا چاہیئے

خواہشاتِ نفسانی کے پورے ہونے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ نہایت زود فنا اور آنی ہوتی ہے لیکن ترکِ خواہش یا ترکِ لذت سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ نہایت دیرپا بلکہ لازوال ہوتی ہے، انسان کو دنیا کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا احساس نہیں ہوتا، خیر و شر اور رنج و الم کا امتیاز اٹھ جاتا ہے، اور زہر بھی تریاق کا مزہ دینے لگتا ہے تسلیم و رضا کا مسئلہ اسی ترکِ خواہش سے پیدا ہوتا ہے، یا تسلیم و رضا سے خواہشیں اور آرزوئیں رضائے الٰہی میں فنا ہو جاتی ہیں، اس بنا پر جس شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہے گویا دنیا کا تمام کاروبار اس کے اشارون پر چلنے لگتا ہے،

سیل و جو ہا بر مراد او روند — اختران زمان سان کہ او خواہد شوند

بے مراد او نہ جنبد ہیچ رگ درجہان زاوج ثریا تا سمک

اور ڈاکٹر صاحب بھی شخصی طور پر اس پرکیف زندگی سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں،

این دل کہ مرا دادی لبریز یقین بادا این جام جہان بینم روشن ترازین بادا

تلخے کہ فرو ریزد گردون بسفال من درکام کہن رندے آنم شکرین بادا

اسلام نے اپنی جامعیت کی بنا پر اپنی تعلیمات مین سلب وایجاب کے دونون پہلوؤن کو جمع کر دیا ہے، اور اس مسئلہ مین بھی اس کی تعلیم کی یہ خصوصیت موجود ہے، خواہشون کی ایک قسم ایسی ہے، جس سے شخصی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے، اس سے دنیا کی تعمیر نہین ہوتی، بلکہ تخریب ہوتی ہے، اسی قسم کی خواہشون کا نام "ہوی" ہے، اور ہوا و ہوس کی ترکیب اسی لفظ سے پیدا ہوئی ہے، اور اسلام نے اسی قسم کی بُری خواہشون کے زائل کرنے کی تعلیم دی ہے،

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ،	اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے؟ جس نے خدا کی رہنمائی کے بغیر اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کی،
اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ	اے پیغمبر! کیا تونے اس کو بھی دیکھا؟ جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔

لیکن ان کے علاوہ بہت سی پاکیزہ، مفید اور بلند خواہشین بھی ہین، جن سے تہذیب نفس ہوتی ہے، نظام عالم قائم رہتا ہے، اور ان کے ذریعہ سے خودی کو اپنی نشو و نما کے لئے ایک وسیع فضا مل جاتی ہے، اس لئے اسلام نے ان خواہشون کے پیدا کرنے اور ان کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے، حدیث مین ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْاُمُوْرِ	بیشک خدا بلند کامون کو پسند اور حقیر

یبغض سفسا فھا | کاموں کو ناپسند کرتا ہے،

یہی خواہشیں ہیں جن سے انسان کی خودی کو نشو ونما ہوتی ہے، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے ان کے پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے،

زندگانی را بقا از مدعاست | کاروانش را درا از مدعاست
زندگی در جستجو پوشیدہ است | اصل او در آرزو پوشیدہ است
آرزو ہنگامہ آرائے خودی | موج بے تابے ز دریائے خودی
آرزو صید مقاصد را کمند | دفتر افعال را شیرازہ بند
زندہ را نفی تمنا مردہ کرد | شعلہ را نقصان سوز افسردہ کرد
نے گرفت از نیستان آئین خویش | نغمہ زد از لذت تعیین خویش
اے ز راز زندگی بیگانہ خیز | از شراب مقصدے مستانہ خیز
مقصدے مثل سحر تابندۂ | ماسوی را آتش سوزندۂ
مقصدے از آسمان بالاترے | دلربائے دلستانے دلبرے
باطل دیرینہ را غارتگرے | فتنہ در جیبے سراپا محشرے
ما ز تخلیق مقاصد زندہ ایم | از شعاع آرزو تابندہ ایم
آرزو را در دل خود زندہ دار | تا نگردد مشت خاک تو مزار

یہ صبح کی طرح روشن اور آسمان سے زیادہ بلند مقاصد حقیر خواہشوں کو فنا کرکے انسان کو مستغنی اور بے نیاز کر دیتے ہیں، اس لئے وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا،

اے فراہم کردہ از شیران خراج | گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج
از سوال افلاس گردد خوارتر | از گدائی گدیہ گر نادارتر

از سوال آشفتہ اجزاے خودی　　بے تجلی نخل سیناے خودی

اے خنک آن تشنہ کاندر آفتاب　　مے نخواہد از خضر یک جام آب

چون حباب از غیرتِ مردانہ باش　　ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش

لیکن صرف سوال ہی کی تخصیص نہین، بلکہ ہر بداخلاقی سے خودی ضعیف ہوتی ہے، البتہ ڈاکٹر صاحب نے صرف سوال کی تخصیص اس لئے کی ہے، کہ

(۱) وہ اپنی تعلیمات کی تائید جہان تک ممکن ہوتا ہے، اسلامی تعلیمات و روایات سے کرتے ہین، اور حدیثون مین ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے جن شرائط پر بیعت لی تھی، ان مین ایک شرط یہ تھی،

لا تسئالوا الناس شیئًا　　لوگون سے کسی چیز کا سوال نہ کرو،

اور ان بزرگون نے اس شدت سے اس کی پابندی کی کہ اگر راہ مین کوڑا بھی گرجاتا تھا تو کسی سے یہ نہین کہتے تھے کہ اٹھا کر دیدو، اسی روایت کی طرف ڈاکٹر صاحب نے اس شعر مین اشارہ کیا ہے،

خود فرود آ از شتر مثلِ عمرؓ

الحذر از منتِ غیر الحذر

(۲) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سرکاری ملازمت سے خودی ضعیف ہوتی ہے، اور ملازمت حاصل کرنے کے لئے سرکاری دفترون مین جو دریوزہ گری کرنی پڑتی ہے، وہ ظاہر ہے، اس لئے وہ اس سے روکتے ہین،

تا کجے دریوزۂ منصب کنی

صورتِ طفلان زنے مرکب کنی

(۳) وہ کسبِ معاش کے دوسرے طریقون کی ترغیب دیتے ہین،

مشت خاکِ خویش را از ہم مپاش　　　مثل مہ رزق خود از پہلو تراش

آنکہ خاشاکِ بتان از کعبہ رُفت　　　مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

(۸) صحرائیت و بدویت ۔ اثباتِ خودی کا یہ آٹھواں مقدمہ ہے لیکن اس سے وحشیانہ زندگی مقصود نہیں، بلکہ تمدن و تہذیب کے مضراثرات سے محفوظ رہ کر خودی کی تربیت مقصود ہے،

وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردکِ میدانی

کہسار کی خلوت ہے تعلیمِ خود آگاہی

یورپ میں روسو بھی تہذیب و تمدن کا سخت مخالف تھا، اور اس کے نزدیک انسان کی ابتدائی فطری حالت ہی بہتر تھی، ڈاکٹر صاحب بھی بعض معاملات میں اس کے ہم خیال ہیں، چنانچہ ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری مرحوم لکھتے ہیں کہ

"اقبال بعض معاملات میں روسو کے مانند ہے، وہ چاہتا ہے کہ پھر سے عہدِ نبوی کے شاندار شب و روز آجائیں، اس کے تمام خیالات اسی ایک خواب کی تعبیر ہیں، روسو فطرت کی طرف جانا چاہتا ہے، اقبال وشتِ حجاز پر مٹا ہوا ہے۔ اس کا دل دکھتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ مسلمان تہذیب حاضرہ کے تصنع اور چمک دمک سے متاثر ہوتے جارہے ہیں، جن میں سطحی گی اور تعیش کے سوا کچھ نہیں، اسلامی روایات عربی ہیں، اس لئے انھیں اپنے شریفانہ جذبات اور قدرتی فطانت کو برقرار رکھنا چاہئے، یورپ کی نقل کسی طرح سودمند نہیں ہوسکتی، جیسا کہ ایرانی اوضاع و اطوار نے ماضی میں کچھ فائدہ نہیں پہونچایا، غیر ملکی خیالات کا مبالغہ آمیز اور غلامانہ تتبع ہر ایک قوم کے لئے مہلک ثابت ہوا ہے"[۱]

ایک دوسرا مضمون نگار لکھتا ہے :-

---

[۱] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۱۳۸ - ۱۳۹

"اقبال ہر حال اور ہر منزل پر وہی تیرہ سو برس پہلے کا حدی خوان شتربان اور عرب بدوی ہے، وہ اپنے اونٹ کی نکیل ہاتھ مین لے کر مغرب اور مشرق کے آسمانون کے نیچے سر بلند گذرنا چاہتا ہے، اور اپنی ملت کو بھی ساتھ لیجانا چاہتا ہے"[1]

ڈاکٹر صاحب نے صحرائیت اور بدویت کی جو تعلیم دی ہے، اوس کے وجوہ حسب ذیل ہین،

۱- ایک تو یہ کہ مسلمانون کا اصلی مولد و منشا رہی صحراے عرب ہے، اس لئے ان کو قدرتی طور پر صحرائیت کی طرف مائل ہونا چاہئیے، زبورِ عجم مین انھون نے ابہام و اجمال کے ساتھ اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے،

لالۂ صحرا یم از طرفِ خیابانم برید　　　در ہواے دشتِ کہسار و بیابانم برید
روبہی آموختم از خویش دور افتادہ ام　　　چارہ پردازان بآغوشِ نیستانم برید

وہ اپنی غزلون مین عرب کے مشہور معشوقون کا جو نام نہایت دلچسپی سے لیتے ہین، اوس سے اسی عرب و حجاز کے خطہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے، انھون نے یورپ سے شیخ عبد القادر کو جو یہ پیام دیا تھا،

رختِ جان تبکدۂ چین سے اٹھالین اپنا
سب کو محو رخِ سعدی و سلیمیٰ کردین

اوس سے یہی عرب و حجاز کا خطہ مقصود تھا، لیکن انھون نے صرف انہی تلمیحات و اشارات پر قناعت نہین کی ہی، بلکہ نہایت وضاحت کے ساتھ تبلا دیا ہے کہ وہ قوم کو صحراے عرب کی سادہ زندگی اور سادہ اخلاق کی دعوت دیتے ہین،

تا شعار مصطفےٰ از دست رفت　　　قوم را رمز بقا از دست رفت

---

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۱۱۰،

آن نہالِ سربلند و استوار سیرتِ صحرائی اشتر سوار
پاے تا در وادیِ بطحا گرفت تربیت از حدتِ صحرا گرفت

رختِ ہستی از عرب برچیدهٔ در خمستانِ عجم خوابیدهٔ
شل ز برفابِ عجم اعضاے او سرد تر از اشکِ او صہباے او
داستانے گفتم از یارانِ نجد نکہتے آوردم از بستانِ نجد
محفل از شمعِ نوا افروختم قوم را رمزِ حیات آموختم

ان اشعار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض مذہبی اور اخلاقی وجوہ سے ان کا میلان عرب کی طرف ہے کیونکہ عرب کی سادہ صحرائی اور بدویانہ زندگی ہی نے دورِ اول کے مسلمانوں میں فاتحانہ اخلاق پیدا کئے تھے، اور دورِ آخر میں عجمی اثرات نے اُن کو تعیش و ترہب کی طرف مائل کرکے ان اخلاق کو فنا کر دیا،

۲۔ صحرائی زندگی بالکل نیچرل اور فطری ہوتی ہے کسی چیز میں تکلف و تصنع کا شائبہ نہیں ہوتا اس لئے اخلاق مذہب اور معاشرت سب اپنی اصلی حالت میں قائم رہتے ہیں، اور فطرت کا جو منشاء ہے وہ پورا ہوتا رہتا ہے لیکن مہذب و متمدن زندگی کی مصنوعی لطافت و نزاکت فطری قوتوں کو ضعیف کر دیتی ہے اس لئے ایک متمدن انسان میں وہ جوش و ولولہ نہیں ہوتا، جو صحرا نشینوں میں عموماً پایا جاتا ہے،

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی
دنیا میں محاسب ہے تہذیبِ فسونگر کا ہے اس کی فقیری میں سرمایۂ سلطانی
یہ حسن و لطافت کیوں؟ وہ قوت و شوکت کیوں بلبل چمنستانی شہبازِ بیابانی
اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن بنتی ہے بیابان میں فاروقی و سلمانی

اس لئے تہذیب و تمدن کی نازک، لطیف اور رنگین زندگی انسان کی ترقی کو روک دیتی ہی،

تو اے شاہین نشیمن در چمن کردی ازان ترسم

ہواے او ببالِ تو دہد پروازِ کوتاہے

۳۔ متمدن زندگی بظاہر نہایت مسرور معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس کا ماحصل رنج و غم کے سوا اور کچھ نہین ہوتا، چنانچہ آج ہم دیکھتے ہین، کہ مہذب دنیا مین زندگی کی مصیبت اور تکان کا احساس ناقابلِ برداشت طور پر بڑھا ہوا ہے لیکن اوّلاً تو ایک صحرا نشین آدمی مین قوت برداشت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور اس کی خواہشین اور حاجتین بہت کم ہوتی ہین، اس لئے وہ قدرتی طور پر مہذب آدمی سے زیادہ مسرور زندگی بسر کرتا ہے، اور اس کی خودی مین تکان کے بجاے نشاط نمایان پایا جاتا ہے،

نغمہ پردازی ز جوے کوہسار آموختم

در گلستان بودہ ام یک نالہ درد آلود نیست

۴۔ صحرا کی اسی بے سروسامان نشاط انگیز اور خوددار زندگی کا نام ڈاکٹر صاحب کی اصطلاح مین فقر ہے، اور اسی فقر کی بدولت صحرا سے مجدد، رفارمر اور پیغمبر پیدا ہوتے ہین،

ہوتا ہے کوہ و دشت مین پیدا کبھی کبھی

وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگین

تعلیم و تربیت علم و عرفان کا حقیقی ذریعہ نہین ہے، بلکہ حقائق کا علم صرف کوہ و بیابان مین ہوتا ہے

مدرسہ نے تری آنکھون سے چھپایا جن کو

خلوتِ کوہ و بیابان مین وہ اسرار ہین فاش

اس لئے خودی کی تربیت صرف دشت و بیابان مین ہوتی ہے،

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشت خاک مین پیدا ہو آتش ہمہ سوز

یہی ہے سر کلیمی ہر اک زمانے مین
ہوائے دشت و شعیب و شبانی شب و روز

اسی تربیت یافتہ خودی کا نام نبوت ہے، اور اس کا ظہور صرف کوہ و بیابان سے ہوا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر یہ شرف حاصل ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا، اور صحرائے عرب مین،

دران شب ہا خروش صبح فرداست
کہ روشن از تجلیہائے سیناست

تن و جان محکم از باد در و دشت
طلوع امتان از کوہ و صحراست

اس قطعہ مین ڈاکٹر صاحب نے نہایت واضح طور پر بتادیا ہے، کہ وہ صحرائیت اور بدویت کی ترغیب اس لئے دیتے ہین کہ اس سے روحانی اور جسمانی دونون قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے، اور یہی قوت دین و دنیا کی سعادتون کا سنگ بنیاد ہے، اور اہل عرب نے اسی قوت سے دنیا کو زیر وزبر کردیا تھا

عرب را حق دلیل کاروان کرد
کہ او با فقر خود را امتحان کرد

اگر فقر تہیدستان غیور است
جہانے را تہ و بالا توان کرد

اس مسئلہ پر علامہ ابن خلدون نے جو کچھ لکھا ہے، چونکہ اس سے ڈاکٹر صاحب کے خیالات کی تائید ہوتی ہے، اس لئے ہم اس جگہ اس کے جستہ جستہ مقامات کا خلاصہ درج کرنا مناسب سمجھتے ہین وہ لکھتے ہین کہ "اقالیم معتدلہ مین بعض مقامات ایسے ہین جہان کھیتی باڑی نہین ہوتی، اس لئے وہان کے باشندے نہایت تنگدستی کی زندگی بسر کرتے ہین، مثلاً اہل حجاز اور جنوبی یمن کے لوگ ان کو اناج اور سالن میسر نہین ہوتا، ان کی غذا صرف دودھ اور گوشت ہوتی ہے لیکن باوجود اس فقر و فاقہ کے جسمانی اور اخلاقی حیثیت سے ان کی حالت سرسبز و شاداب مقامات کے خوش گذران لوگون سے بہتر ہوتی ہے، ان کے رنگ صاف، ان کے جسم پاک، ان کی صورتین مکمل اور بہتر، ان کے اخلاق بے اعتدالی

سے منزہ، اور ان کے ذہن علم و ادراک میں زیادہ تیز ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہو کہ غذا کی کثرت اور رطوبت جسم میں فضلات ردیہ پیدا کر دیتی ہے، اور اس سے جسم بے ڈول ہو جاتا ہے، اور اخلاط فاسد پیدا ہو جاتے ہیں، جس سے رنگ میلا ہو جاتا ہے، اور گوشت کی کثرت سے شکل و صورت میں بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے، اور دماغ پر بخاراتِ ردیہ کے چڑھنے سے ذہن و فکر پر پردہ پڑ جاتا ہے جس سے غباوت، بے اعتدالی اور غفلت پیدا ہوتی ہے،

شہری لوگ چونکہ عیش و عشرت میں منہمک رہتے ہیں، اور اُن کے جان و مال کی حفاظت پولیس کرتی ہے، اس لئے وہ اپنے قلعہ کی چار دیواری میں غفلت کی نیند سوتے ہیں، اور اُن کو کسی قسم کی بے اطمینانی نہیں ہوتی، وہ ہتھیار اتار کر پھینک دیتے ہیں، اور جب اس طرح کئی پشت گذر جاتی ہے، تو وہ عورتوں اور بچوں کی طرح دوسروں کی حفاظت کے محتاج ہو جاتے ہیں، اور یہ ان کا طبعی اخلاق ہو جاتا ہے لیکن بدو چونکہ اجتماعی زندگی سے الگ، صحرا میں زندگی بسر کرتے ہیں؛ اس لئے نہ ان کو پولیس کی مدد حاصل ہوتی ہے، نہ اُن کے گھر میں چار دیواری ہوتی، اس لئے وہ اپنی مدافعت خود کرتے ہیں، اور ہمیشہ مسلح رہتے ہیں، ادھر ادھر دیکھتے رہتے ہیں، اور گہری نیند کبھی نہیں سوتے، صرف بیٹھے بیٹھے اونگھ لیتے ہیں، یا اونٹوں کے کجاوے پر اُن کی آنکھ لگ جاتی ہے، صرف اپنی قوت پر بھروسا کر کے جنگلوں اور میدانوں میں تنہا گھومتے پھرتے ہیں، اس لئے قوت اور شجاعت ان کا فطری جوہر بن جاتی ہے" انہی حقائق کی طرف ڈاکٹر صاحب نے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے؛

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے؟ شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر

نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش

نہ کرا فرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی ارزانی

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی
لہو مجھکو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

اے باد بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو
خاموشی و دلسوزی سرمستی و رعنائی

(باقی)

اعلان

۱۔ معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسال زر کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲۔ معارف ہر مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہو جاتا ہے، اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئے ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر رسالہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

منیجر دار المصنفین

مآل و مشیت

از

جناب صاحبزادہ خان بہادر ظفر حسین خان صاحب سابق انسپکٹر مدارس یوپی و حال پبلک ریلیشن آفیسر حکومت ہند

"مقالۂ روسو" کے مترجم اور "مساحتِ ذہنی" کے لائق مصنف اپنے منصب کے فرائض مفوضہ کی ادائی کے ساتھ اپنی فلسفیانہ افتادِ طبع سے علم و ادب کے ذوق کی تسکین کا سامان بھی کرتے رہے ہیں، وہ اگرچہ ایک زمانہ کے بعد بزمِ معارف میں شریک ہونے کا موقع نکال سکے لیکن دار المصنفین سے ان کے دیرینہ مراسم کی یاد ہمیشہ تازہ رہی، اُمید ہے کہ ناظرینِ معارف موصوف کے پختہ کار قلم کی تازہ گلکاریوں سے لطف اندوز ہوں گے،

"س"

دفتر اوّل

مآل

کتنے الفاظ ہیں جو انسان کی زبان پر شب و روز عادۃً جاری ہیں، مگر جن کا مفہوم یا تو سطحِ فہم سے اس قدر بلند ہوتا ہے کہ سمجھ سے باہر ہوتا ہے، یا پھر دھندلے سے نقشِ معنی کے سوا کچھ نہیں، لیکن انسان بزعم خود اس کو حقیقت کی مکمل تصویر سمجھتا ہے، کائنات، موت، حیات، جبر، قدر، مادہ، جوہر، روح، قوت، حرکت، مآل، زندگی، مشیتِ ایزدی، کون روز نہیں بولتا، لیکن کیا ہم اُن کی حقیقت کو کما حقہٗ سمجھتے ہیں؟

جن عقائد کو عوام بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے ہین، فلسفی ان عقائد کو عقل کی کسوٹی پر کستا، اور فہم انسانی کی سہل انکاریون اور ضعیف الاعتقادیون کو فلسفیانہ تنقید کی روشنی مین دیکھتا ہے، فلسفہ کی ضخیم و حجیم کتابون مین سر کھپانے سے زیادہ مفید عمل شاید یہ ہوگا، کہ کبھی فرصت کے چند لمحون مین ہم اپنے منتہائے علم کا جائزہ لین، یعنی جن عقائد کو ہم حقائق سمجھتے رہے ہین، ان کی عقلی بنیادون پر غور کرین اور پادر ہوا توہمات و عقائد کو اپنی فہرست سے ایک ایک کرکے کاٹتے جائین، اس عمل کے اخیر مین یا تو ہم جانین گے کہ کچھ نہین جانتے، یا ہمارے عقائد کی فہرست سمٹ کر گنے چنے اصول پر آجائے گی جن کو ہم اپنے علم کے بنیادی اور اٹل اصول کہہ سکتے ہین، اور پھر ان بنیادی اصول سے مستخرج اور مستنبط نتائج و اصول کی مدد سے اپنے علم کی عمارت از سر نو بنا سکتے ہین جس کو بجا طور پر اپنا فلسفۂ حیات کہہ سکتے ہین،

سطور ذیل اسی قبیل کی سعی کا ایک عکس ہے، ان مین جا بجا فلاسفۂ ماسبق کے خیالات کی جھلک نظر آئے گی، لیکن دوبارہ غور کرنے پر مفہوم کی سمت کا اختلاف خود بخود ظاہر ہو جائے گا، فلسفہ کے کسی طالب العلم کا ذہن خواہ وہ کتنا ہی غیر جانبدار کیون نہ ہو، کسی نہ کسی نظام سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، لیکن متاثر ہونا مقلد ہونے کا مرادف نہین، ہو سکتا ہے کہ ایک فلسفی کانٹ کے نظام فلسفہ سے متاثر ہوتے ہوئے اپنا جداگانہ نظام خیال رکھتا ہو، جس مین جا بجا اس تاثر کے آثار پائے جاتے ہون لیکن بہ حیثیت مجموعی اور آخری نتیجہ کے لحاظ سے وہ ایک جداگانہ چیز ہو گی،

علاوہ برین اپنے خیال کے آخر منزل تک پہنچنے کے لئے ہر مفکر کو کچھ دور ایسی راہون پر چلنا ہوتا ہے جو دوسرون کی بنائی ہوئی تھین، اور اُن کے بعد اپنی راہین نکالنا ہوتی ہین، اس لئے اُن کے ذہنی نقل و حرکت کا پورا نقشہ پیش نظر رکھے بغیر، تتبع، تقلید یا سرقۂ خیال کا اتہام بعید از انصاف ہوگا،[1]

---

[1] راقم الحروف کسی مخصوص مدرسۂ فلسفہ کا تابع نہین، اس کے ساتھ متداول مذاہب فلسفہ سے خالی الذہن بھی نہین، جہان جہان سابقین اور اپنے درمیان مشترک راستون کو طے کیا ہے، پورا پورا احساس ہے، لیکن چونکہ اپنی منزل

نشاۃ جدیدہ کی نگاہ مین سائنس حقیقت شناسی کا آخری نقطہ ہے، اور علم و معانی کے ہر گوشہ پر حاوی، دارالاختیار کا سفید پیرن پوش سائنس دان اقلیم علم کا فرمانروا ہے، اور اس کا نادری حکم چاردانگ عالم مین جاری ہے، بیچارہ فلسفہ پسپا ہوکر کنشت و مسجد و بتخانہ و دیر مین قلعہ بند ہے، اگرچہ سائنس کے حملے شب و روز، دیر و حرم پر بھی جاری ہین، مگر مذہب کی سنگلاخ دیوارین، صدیون کے پیہم حملون کے باوجود، اپنی جگہ پر قائم ہین، اور اصل یہ ہے کہ مابعد الطبیعات کے بچے کھچے تصورات کو اگر کہین پناہ ملی ہے تو وہ مذہب ہی کا دارالسلام ہے، لیکن سائنس کی ان تمام لن ترانیون کے باوجود، آپ نے کبھی غور کیا کہ اس کی بودگی کیا ہے؟ بس مظاہر فطرت کے دستور ظہور کو دریافت کرنا اور جو کچھ آنکھ سے دیکھا یا کان سے سنا یا دیگر حواس کی مدد سے محسوس کیا، اُن کو مختلف سرخیون کے تحت مین ترتیب دینا اور شمار و اعداد کا انبار جمع کرنا، ایک سائنٹسٹ کا کام اُس لائبریرین سے زیادہ نہین جو کتب خانہ کی بے شمار کتابون پر چٹین لگا کر مختلف مضامین مین تقسیم کر دیتا ہے، لیکن اگر آپ اس سے پوچھین، کہ ان کتابون کے اندر کیا ہے تو وہ اپنی لاعلمی ظاہر کرے گا، سوائے قانون فطرت دریافت کرنے کے جو عبارت اس امر سے ہے، کہ کسی فطری واقعہ کے واقع ہونے کے طور و طریق کیا ہین، نتیجۃً سلسلۂ اسباب کا بھی سراغ نہیں لگاتا، کنہ ذات اور ماہیت کی گہرائیون تک جانا تو بڑی بات ہے طبعیات

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۸) آگے تھی اس لئے ان حوالون کو قلم انداز کرنا مناسب سمجھا گیا، علاوہ برین حق کسی کا کاپی رائٹ نہین، اور اس کے بیان مین ہر شخص بلاخوف تردید و توارد اپنا اسلوب اختیار کرسکتا ہے، زمانۂ حال کے تصنیف و تالیف کا دستور ہے، کہ لوگ دوسرون کی کتابون سے تفصیلی نوٹ لیتے ہین، اور اپنی تحریر کا حجم دل کھول کر اقتباسات کی بھرمار سے بڑھاتے ہین، اس کے برخلاف اپنا نظریۂ مطالعہ یہ رہا ہے کہ ساری کتاب پڑھ جانے کے بعد جو نفس مطلب ذہن مین باقی رہ گیا، اتنا ہی کارآمد سمجھا، اور جس کو ذہن نے قبول نہین کیا، اور اس لئے فراموش کر دیا، اس کے بارے ذہن کے محفوظ رہنے ہی مین عافیت سمجھی۔

کیا ہے، عنصری ظہور ترتیب پر ایک سرسری نظر یا رقصِ ذرات کا تماشا، نباتیات کیا ہے؟ لالہ وگل کی سوانح عمری، حیوانیات کیا ہے؟ مرغ و ماہی کا افسانہ ہیئت کیا ہے؟ اختر شماری، اور سیاروں کی حرکت کی داستان سرائی، اور اسی طرح اس وقت مسئلہ ارتقا کی حقیقت بھی ایک بوستان خیال سے زائد نہین جس مین ماحول اور اجسام کے باہمی عمل و ردّعمل کے طلسم ہوش ربا کے علاوہ "کیون" اور "کس لئے" کا جواب در کنار، یہ تک پتہ نہین چلتا، کہ فطرت کے مختلف طبقات کے اندر کسی جداگانہ ارتقار کا ڈرامہ ہو رہا ہے، یا کسی نہج سے ادنی طبقات، اعلیٰ طبقات حیات مین بھی ترقی پذیر ہو سکتے ہین، اقدار، مآلِ حیات، کون و فساد کو چھوڑیئے، ان کا حل تو سائنس خود اپنی استعداد سے باہر تسلیم کرتا ہی ہے، خود سائنس کے اولیات اور مظاہر فطرت کی ماہیت ہمیشہ ما بعد الطبیعات کا موضوع بحث رہا ہے، اور رہے گا؛ ارسطاطالیس "طبعیات" کے بعد اسی وجہ سے مابعد الطبعیات پر رسائل لکھنے پر مجبور ہوا، کہ مباحثہ حق تشنہ رہا جاتا تھا، سائنس دان کی مثال ایک مکھی کی سی ہے، جو ایک بڑے کرہ پر بیٹھی ہو، اور اپنی حد نظر کی مجبوریون سے کرہ کو ابعادِ ثلاثہ کے بجائے صرف طول و عرض مین محدود سمجھتی ہو، سائنس کی نظر کائناتِ عالم پر ہمیشہ جزئی پڑتی ہے، اور فلسفہ کی ہمہ گیر اور کلی، سائنس کے پاس آخری توجیہ کا آلہ بخت و اتفاق ہے، جب کہ فلسفہ فطرت کے عقدے عقل محض کی روشنی مین حل کرتا ہے، سائنس کی نظر پست ہی، اس معنی کر کہ وہ حیات کو غیر حیّ عناصر کی مدد سے اور شعور کے کرشمون کو بے شعور مادّہ کی مدد سے حل کرنا چاہتا ہے تخلیق کی ہر نئی منزل پر (مثلاً جمادات کے بعد نباتات، نباتات کے بعد حیوانات) جہان عقل توجیہ سے عاجز ہوئی، وہان سائنس نے عناصر کے اتفاقی اجتماع کا عذر تراشا، غور کیجئے، تو سائنس کے "اتفاق" اور مذہب کے "خدا" مین سرمو فرق نہ پایئے گا، اور اگر شمار کیجئے تو بلا مبالغہ سائنس مذہب سے کہین زیادہ معجزات کا قائل نکلے گا،

نشاۃ جدیدہ سے دوسری شکایت یہ ہے کہ اس نے اپنی ساری قوت، فہم انسانی کے سمجھنے

اور حدود بندی مین صرف کردی ہے جس کا نام بعد الطبیعیات کی اصطلاح مین علمیات رکھا گیا ہے، اور موجودیات یا حقیقتِ موجودات کی تفتیش کی جانب جو فلسفۂ قدیم کا خاص مشغلہ تھا، بہت کم اعتنا کیا ہے، مغرب کے فلسفیون نے حقیقتِ علم ہی کے جاننے کو کافی سمجھا، اور حقیقتِ علم ہی کے واسطے سے حقیقتِ اشیا کی سرسری جھلک دیکھنے کی کوشش کی ہے، ڈیکارٹ، لاک، ہیوم، کانٹ وغیرہ فہمِ انسانی کی حقیقت شناسی کے باہر قدم نکالنا فلسفہ کا گناہ کبیرہ سمجھتے رہے ہے، جس کا ایک ناخوشگوار ردِ عمل یہ ہوا کہ سارا فلسفہ نفسیات مین سمٹ کر آگیا، اور نشاۃ جدیدہ کے پرستارون کی ساری سعی اسی بت کے تراشنے اور سنوارنے مین صرف ہوتی رہی، یہان تک کہ زمانہ کی رفتار کے مطابق نفسیات کو سائنس کا درجہ مل گیا، اور دارالاختبار کے بتخانے اس نئے سومنات سے سجائے جانے لگے، چونکہ اس تحقیق کی جڑ خود پرستی مین تھی، اس کی دل فریبیون نے دنیا و مافیہا کو بالکل بھلا دیا، اور انسان، انسان ہی کو پوجنے لگا، غالب کے ہان یہی فلسفہ نغمہ بن گیا :-

گلت را نوا، نرگست را تماشا

تو داری بہارے کہ عالم ندارد

کیر کا گارڈ، ہائی ڈیگر، برگسون اور شیلر کی سرکردگی مین اس تحریک کے خلاف خفیف سا ردِ عمل شروع ہوا تھا، اور موجودیات، کنہ ذات، حقیقتِ اشیا کی جانب از سرِ نو توجہ شروع ہوئی تھی لیکن ذہنی موسم اس قسم کے خیالات کے لئے اس قدر ناسازگار تھا، کہ یہ تحریکین پنپ نہ سکین،

انسان کیا ہے؟ نظامِ عالم کا ایک عضو، کائناتِ عالم سے الگ اس کا کوئی مفہوم نہین، مگر ہوا یہ ہے، کہ ادھر ذہن نے سہولتِ فہم کے لئے تجرید خیال کیا، گل سے رنگ اور رنگ سے بو کو جدا کیا، ادھر زبان نے ہر تصور کے نام رکھ دیئے، اب کیا تھا، جس طرح لغت مین ایک ایک لفظ الگ ہے، ذہن نے کائناتِ عالم کا بھی شیرازہ بکھیر دیا، حقیقت مین گوشت سے ناخن جدا ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو،

لیکن ذہنی تجرید، زبان کی سازش سے ایسے شعبدے ہمہ وقت کرتی رہتی ہے، منطق کا فن جو انسان نے اپنے اس غیر فطری ذہنی مشغلہ میں مدد دینے کے لئے خود ایجاد کیا تھا، حقیقت سے گمراہی کا مزید ذریعہ بن گیا، موضوع و معروض، صفت و موصوف، مبتدا و خبر کی تفریقیں، حقیقت میں محض خیالی ہیں، اس کی سخت ضرورت ہے، کہ مابعد الطبیعیات کے صحیح نظام کی ابتدا، مابعد المنطق کے ایک ایسے نظام کی داغ بیل سے کی جائے، جس کی بنیاد بجائے تحلیل کے ترکیب پر قائم ہو، فی زمانہ تجرید کی نحوست نظریات سے متجاوز ہو کر انسانی اعمال و کردار تک متعدی ہو گئی ہے، موجودہ فلسفۂ اخلاقیات کیا ہے؟ انسانی تعلقات کا پوسٹ مارٹم، خیر و شر، فضائل و رذائل کے نام نہاد تصورات میں اخلاق کی فرضی تقسیم، جزء پرستی نشاۃ جدیدہ کی سیرت میں اس قدر رچ بس گئی ہے، کہ ہم نہ صرف کسی شے کے جزء کو دیکھنا چاہتے ہیں، بلکہ اس جزء پر ذہن کے صرف ایک جزء سے نظر کرتے ہیں، اگر ہم ایک طرف کسی شے پر من حیث الکل غور کرنے سے معذور ہیں، تو دوسری طرف ذہن کے من حیث الکل استعمال سے معذور ہیں، نفسیات نے ذہن کا مصنوعی تجزیہ عقل، جذبہ اور ارادہ میں کیا کیا، گویا ذہن الگ الگ خانوں میں تقسیم ہو گیا، جن کو ایک دوسرے سے واسطہ ہی نہیں، کبھی عقل کی طرف جھکے تو اس قدر غلو کیا، کہ اہل و عیال گویا اقلیدس کی شکلیں بن گئیں، کبھی جذبات سے مغلوب ہوئے تو پردۂ ناموس تار تار کر دیا، کبھی ارادہ کا بھوت سوار ہوا تو خودکشی کرنے میں بھی تامل نہ ہوا، آخر الذکر قنوطیت کا علمبردار، دشمن اسلام فلسفی (شوپنہاور) جس کی عصبیت بلا دلیل قرآن کو (نعوذ باللہ) فاسقانہ کتاب کہنے میں تامل نہیں کرتی، اپنے مہمل نظام خیال کو تکرار و اعادہ کے بل پر ہم سے منوانا چاہتا ہے، غرضکہ جہاں دیکھئے، یک رخی، جزء پرستی، تصویر کا ایک رخ سامنے ہے،

از خلشِ کرشمۂ کار نمی شود تمام
عقل و دل و نگاہ را جلوہ جدا جدا طلب

یہ جزء پرستی تین طرح کی ہو (۱) جزوِ شے پر جزوِ ذہن کا عمل (۲) کل شے پر جزوِ ذہن کا عمل،

(۳) جزو شے پر کل ذہن کا عمل، حقیقت شناسی کی شاہراہ ایک اور صرف ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ کل معروض پر کل موضوع کا عمل ہو، اور کل شے سے کل ذہن کا رابطہ قائم ہو، صحیح مابعد الطبیعیات کا موضوع بحث بھی کلی عمل ہے، جس مین مروجہ منطق اور سائنس بجائے معین ہونے کے مخل اور سدراہ ہوتی ہین، اور ایک ایسے مابعد المنطق نظام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جو موضوع و محمول، علت و معلول، تصور و تصدیق، قیاس و استقرا، حکم و استدلال کے مصنوعی تفرقے مٹا کر عقل کے ازلی اور قدرتی عمل کی آئینہ دار ہو، علت و معلول ہی کے مغالطہ کو لیجئے، انسان کی جز پرست پندار کے مطابق علت گویا ایک فاعل مطلق اور معلول ایک مفعول محض ہے، جو علت کے پنجہ مین گویا بالکل مجبور ہے، لیکن اس مسئلہ پر ذرا ایک کلی اور ہمہ گیر نظر ڈالئے، تلوار کی دھار ممکن ہے کہ انسان کی گردن کے اندر سے تار نظر کی طرح گذر جائے لیکن ذرا سنگ خارہ پر وار کر کے آزمائے تو حقیقت مین دوسرا رخ خود بخود بے نقاب ہو جائے گا، عرف عام مین جس طرح دو ہاتھون کے بغیر تالی نہین بجتی، عالم اسباب کی گہرائیون مین نظر دوڑائے تو دیکھئے گا کہ علت بغیر اپنے معلول کی معاونت کے بے اثر اور بے عمل ہے، ذرا غور کیجئے کیا یہ تعاون تعلیل کی ایک دوسری شکل نہین تو کیا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر علت و معلول کی تفریق کیسی؟ منطق کی اصطلاح مین اس قضیہ کی تحلیل کہ "انسان ناطق ہے"، یہ ہوتی ہے، کہ "انسان" موضوع اور "ناطق" محمول ہے لیکن کیا فی الواقع نطق، انسان سے کوئی علٰحدہ وجود رکھتا ہے، نیوٹن کی مطلقیت کا رد عمل آئنسٹائن کی اضافیت مین ظہور پذیر ہوا، لیکن مضاف اور مضاف الیہ کو چھوڑ کر ان کی درمیانی اضافت کو حقیقت سمجھنا ذہنی تجرید کی شعبدہ بازی ہے، جو بسا اوقات ایک ہی شے کے اندر اول مضاف و مضاف الیہ قرار دیتی ہے اور پھر ان کی باہمی اضافت کی جداگانہ صورت گری کرتی ہے، حالانکہ اضافت کا کہین مضاف سے علٰحدہ وجود ہوتا ہے؟ تجرید کی حماقت، موسیقی، یا کسی آرٹ کی صنعت گری کے مقابلہ مین بخوبی ظاہر ہوتی ہے جہان کلی صنعت سے کسی جزو کا ایک آن کے لئے جدا کرنا، اس کی حقیقت کو فنا کر دیتا ہے، "جہان چار سو"

انفس و آفاق سے بڑھکر کوئی صنعت ہو گی، اور یہ صنعت عالیہ تجرید و تحلیل کی تاب لاسکتی ہے، اس کی حقیقت ایک ایسی وسیع النظری کی طالب ہے، جو کل پر محیط ہو، جو لوگ افلاطون کے اعیان نا مشہود کو تصورات کا مرادف سمجھتے ہیں سخت غلطی کرتے ہیں، اصل میں تصور ہمارے تجربہ سے ماخوذ چیز کا نام ہے، ہم ایک مخصوص رنگ و بو اور شکل کا احساس کرتے ہیں، جس کا علم گلاب کے ادراک کی شکل میں رونما ہوتا ہے، پھر ہم لالہ و نسرین و نسترن کا اسی طرح ادراک کرتے ہیں، اور اس طرح "پھول" کے عام تصور تک پہنچتے ہیں، یہ تجرید کا عمل ہے، اس لئے کہ عام پھول کا کائنات میں کہیں وجود نہیں، لیکن ادراک کے ساتھ کسی شے کی عین ذات کو تاڑ لینے والی نگاہ بھی ہمارے اندر ودیعت ہے، جو حقیقۃً ہمارے نفس کا انتہائی کمال علم ہے، اور جس کے سامنے اعیانِ غیر مشہود اسی طرح مشہوداتِ حقیقی ہیں جس طرح مظاہر فطرت جن کو ہمارے حواس محسوس کرتے ہیں، اعیان شناسی کی اس قوت کو وجدان کہئے، نظر حقیقت کہئے، عقل اعلیٰ کہئے، یہ وہ قوت ہے جو اعیان کا براہ راست اسی طرح علم حاصل کرتی ہے، جس طرح قوتِ مدرکہ مدرکات کا، اعیان تصوراتِ مجرد نہیں، بلکہ مدرکات کے قبل کی ایک شے ہے، جن کو ہم قوتِ مدرکہ سے نہیں، بلکہ وجدان کی قوت سے اپنے سامنے پاتے ہیں، یہ وہ منزل ہے، کہ الفاظ بیان کی مساعدت نہیں کرتے، اور نطق خیال کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے؛

ہر معنی پیچیدہ در حرف نمی گنجد　　یک لحظہ بدل در شو شاید کہ تو دریابی

اس کی ذرا سی جھلک دیکھنا ہو تو تصور کیجئے کہ آپ ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہیں، آفتاب دن بھر کی ضیا پاشی سے تھک کر افق کے پردہ کے اندر جا چکا ہے، دھندلکا ہو چلا ہے، آپ ایسے مقام پر کھڑے ہیں، کہ باد تند کا ایک تھپیڑا آپ کو ہزاروں فٹ نیچے گرا سکتا ہے، پہاڑی کے نیچے ایک وسیع جھیل کے شفاف اور ساکن پانی میں کنارہ کے درختوں کا عکس پڑ رہا ہے، ہر طرف سکوت کا عالم ہے، سوائے قلب کی حرکت کے جس کو آپ اس وقت بخوبی سن سکتے ہیں، ہر شے خاموش اور ہر ذرہ

ہر بہ لب ہے، اس کیفیت کی اگر آپ نفسیاتی تحلیل کرین تو شاید کہین گے، کہ آپ پر خوف و ہراس رقت و محویت سے ملی جلی ایک حالت طاری ہے، اور اس وقت آپ صحیح معنی مین روح مظاہر یا عین نامشہود کا مشاہدہ کر رہے ہین، جو روزمرہ کی زندگی کے مدرکات مین مفقود ہوتا ہے، خوف و ہراس کی انقباضی کیفیت جسے دردِ دل کہئے یا کسی اور نام سے تعبیر کیجئے، اصل مین علم کی کنجی ہے، کان، آنکھ ہم سب کے ہین، مگر ان کے "ہونے" کا احساس اسی وقت ہوتا ہے، جب ان مین درد ہو، ورنہ کبھی بھولے سے بھی ان کا خیال نہین آتا، یہی درد و الم شعور کی جان ہے، اور اگر موت واقعی حیاتِ انسانی کا سب سے زیادہ المناک واقعہ ہے تو شاید اسی مناسبت سے علم حقیقی کا وسیع باب علم بھی ہو، معمولی زندگی مین یہی انقباض تشکک کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جو ہر علم کا پیشرو ہے، اور بیان و اظہار کی صورت مین یہی تشکوک سوالات کا جامہ پہن لیتے ہین، جن کا جواب علم ہوتا ہے، سقراط جو ایک دایہ کا لڑکا تھا، کہا کرتا تھا کہ "مین نے فن سوال اپنی ماں سے سیکھا ہے، جس طرح وہ حاملہ عورتون کو وضع حمل مین مدد کرتی تھی، مین انسانون کے دماغ کو خیالات کے حمل سے ہلکا کرتا ہون"، فلسفہ کی تاریخ مین یہ طریق سوال طریق سقراطی کے نام سے مشہور ہے، منطق کی تدوین مین صدیان صرف ہوگئین، اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے، ذہن کے تجریدی عمل نے اب منطق کو الجبرا بنا دیا ہے، جس مین خیالات کے بجائے علامتین اختیار کر لی جاتی ہین، اور پورا سلسلۂ فکر علامتون مین تحویل کر دیا جاتا ہے، لیکن تفتیش کا صحیح راستہ یعنی سوال کی ٹکنک کی دریافت و تدوین کی جانب کسی نے اعتنا نہین کیا، حالانکہ یہ تفتیش حق کا سہل ترین اور فطری طریقہ ہے، اور اس کے قواعد و ضوابط منطق کی مثل اس طرح بنائے جا سکتے کہ انسان اپنے نفس سے صحیح سوال کرنا اور صحیح جواب حاصل کرنا سیکھ سکے، سوال و جواب اضافی تصورات ہین، جن کا خاصہ یہ ہے کہ ایک کے ذہن مین آنے کے ساتھ دوسرا خود بخود ذہن مین خطور کرتا ہے، اس لئے کہ دیگر مضاف و مضاف الیہ کے تصورات کی طرح سوال و جواب کی تفریق بھی ذہن کے بر خود غلط

تحلیل و تجزیہ کے عمل نے مصنوعی طور پر کردی ہے، اصل مین دونون ایک ہین، صرف روے سخن کا فرق ہوتا ہے، استفسار مین حقیقت کا مُستفسر رُخ سامنے ہوتا ہے، جو جواب کی شکل مین علم کا دوسرا نام ہے،

راقم الحروف نے اپنی طالب العلمی کے زمانہ مین ماہیت استفسار پر کافی مواد جمع کیا تھا، اور اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ لکھنے کا قصد تھا، اس باب مین اپنے ہم عصر و ہم مذاق طلبہ سے تبادلۂ خیالات کیا تو انھون نے خوب مضحکہ اُڑایا، اور مجھے "مفتش" "مستفسر" اور شاید "سائل" کے نام سے بھی پکارنا شروع کیا، جس کا ردعمل ایک طرف تو یہ ہوا کہ مین اپنے معترضین کو جواب دینے کے لئے مزید مواد جمع کرنے مین مشغول ہوگیا، لیکن دوسری طرف یہ ہوا کہ اس کو شائع کرنے کی ہمت نہین ہوئی، یہان تک کہ سارا مواد ملازمت کے تبادلون کے دستبرد کے نذر ہوگیا،

بادی النظر مین کائنات عالم کی بساط، اسباب و نتائج کا چارخانہ نظر آتی ہے، لیکن اس کے تاروپود کو ذرا غور سے دیکھئے تو ہر مقام پر غرض و غایت کی آمیزش نظر آئے گی، اگر فطرت کے ہر مظہر کے پہلے ایک سبب نظر آئے گا، تو اس کے بعد ایک غایت بھی رونما ہوگی، اور فہمِ انسانی حیران ہوگی، کہ حقیقی لم کس کو کہا جائے، اسباب سابق کو یا غایات مابعد کو، ارتقاے فطرت پر گہری نظر ڈالئے جس کو سائنس کے مقابلہ مین مابعد الطبیعیاتی نظر کہنا بیجا نہ ہوگا، تو معلوم ہوگا کہ وہ سراپا اغراض و مقاصد سے مرکب ہے، اور نظام عالم مین اسباب کی حیثیت، ذرائع و وسائط سے زیادہ نہین، جن کو مشیت، گویا اپنے حسب منشا نتائج اخذ کرنے کے لئے اختیار و انتخاب کرتی ہے، ہر عمل کے آگے ایک غایت ہوتی ہے، جو اسباب و ذرائع کو چن چن کر اس طرح رکھتی جاتی ہے کہ اُن کے اجتماع سے اعمال مقصود وظہور پذیر ہوتے جاتے ہین

اس نظریہ کے سامنے میکانکی تصوریات جو مظاہر فطرت کو اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ ماضی مین دور تک پھیلا ہوا تصوّر کرتا ہے، ایک جسم بے روح نظر آتا ہے، لیکن یہان ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ واقعات کی رفتار ماضی سے حال مین ہو کر مستقبل کی طرف ہے، جیسا کہ میکانکی تصور فرض

کرتا ہو یا یہ دھوکا ہے، اور حقیقت مین واقعات کی رفتار کا رُخ مستقبل سے حال مین ہو کر ماضی کی جانب ہے
اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ ہم وقت کی ماہیت کی بحث کے ساتھ غور کرین گے، اس لئے کہ یہ سوال
دراصل وقت کے متعلق ہے کہ اس کی رفتار ماضی سے مستقبل کی جانب یا مستقبل سے ماضی کی جانب ہے چلتی
ٹرین مین درخت پیچھے بھاگتے نظر آتے ہین، لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، اگر درختون کی جگہ ہم
وقت کو اور ٹرین کی جگہ، محوری و مدوری گردش مین مشغول زمین کو تصور کرلین تو وقت کے متعلق
بھی متداول تصورات فی الجملہ مشکوک نظر آنے لگین گے،

لیکن یہان تک ہم نے کل عالم پر اپنے ذہن کے صرف دو پہلوؤن سے نظر کی، خالی فہم سے
کام لیا، تو کائناتِ عالم محض عالم اسباب نظر آیا، اگر ارادہ کو زاویۂ نگاہ بنایا تو عالم اسباب کے پہلو بہ پہلو ایک
تصرامل تعمیر ہو گیا اور اغراض و غایات کی دوسری دنیا آباد نظر آنے لگی، ان دونون پر جذبات کا اضافہ
کیا، اور جذبات کے نقطۂ نگاہ سے عالم پر نظر ڈالی تو اس عالمِ رنگ و بو کی حقیقت کا دوسرا رُخ بے نقاب
ہوا، وہ یہ کہ اس تمام ہنگامۂ ایجاد کی رونق نغمۂ شادی سے نہین، بلکہ نوحۂ غم کے دم سے ہے، تخم اپنے
کو فنا کر کے برگ و بار لاتا ہے، پیدائش کے ہر منظر کا پیش خیمہ کرب و الم ہے، اور بقا کے ہر نہال کی آبیاری
خون سے ہوتی ہے، خواہ یہ حیات انفرادی ہو، یا حیات ملی، فطرت انھی قربانیون کی آئینہ دار، تاریخ
ان ہی قربانیون کا افسانہ اور انسانی زندگی انھی قربانیون کا مرقع ہے،

آیندہ و گذشتہ تمنا و حسرت است

یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

حیات کی طرح موت بھی ایک مسلسل خط ہے، جس کا آغاز حیات کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے،
اور وہ جس کو عرف عام مین موت کہتے ہین، اسی خط کا اخیر نقطہ ہے، زندگی کا ہر وہ لمحہ جو گذر گیا
موت کے خط کا گذشتہ نقطہ تھا، اور بہ ظاہر یہ امر کتنا ہی مستبعد نظر آئے،

واقعہ شاید یہی ہے، کہ جینے کے ساتھ ہی ہم مرنے بھی لگتے ہیں، ہر حرکت کی ماہیت کا جذبی پہلو الم و انقباض ہے اور انبساط و لذت، عدم انقباض و الم کا نام ہے، فطرت کا خمیر درد و غم ہی سے ہے، جو کہیں غم دل کہیں غم روزگار بن جاتا ہے،

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولی برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقان کا

اس جہانِ آرزو میں ایک آرزو پوری ہونے نہیں پاتی، کہ اس کی جگہ دوسری آرزو لے لیتی ہے، ایک آرزو کی پیروی، ایک مقصد کے حصول کی آس میں جو وقت صرف ہوا، وہ بے چینی میں گذرا، اور یا تو بالآخر داغ نامرادی کھایا، یا اگر مقصد پورا ہوا، اور درمیں چند لمحہ سکون ہوا تو اس لئے کہ دوسرے مقصد کی لگن شروع ہو، غرضکہ ساری تقویم حیات اقبال کی زبان میں "تب و تاب جاودانہ" ہی رہی، ایک طائر کس جانفشانی سے اپنے آشیانہ کے لئے تنکے چنتا ہے، کس ایثار کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش کرتا ہے، اور یہ سب اس لئے کہ یہ تمام صیاد کے دستِ جفا سے تحس نحس ہو، اگر زندہ بچے تو پھر وہی وظیفہ مشقت، وہی دور ابتلا و محن، وہی خس چینی اور پھر انجام میں وہی بربادی، اگر بچوں نے پر و بال نکالے اور خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئے تو ان کا مقسوم بھی اسی دائرۂ رنج و محن کی گردش قرار پایا، دیگر حیوانات کی حیات پر نظر ڈالئے تو اُن کی زندگی بھی بہ شکل دیگر اسی افسانۂ غم کا اعادہ ہے، انسانی حیات میں چونکہ شعور، ادراک، تخیل، اور حافظہ ارتقاء کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس کے درد و الم کا دائرہ بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، چنانچہ انسان حیوان کی طرح جسمانی تکلیف ہی سے متاثر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا حافظہ گذرے ہوئے غموں کو یاد دلا کر رولاتا، اور اس کا تخیل آیندہ مصیبتوں کے خوف سے اُسے بے چین رکھتا ہے، ہر جسمانی حرکت یا ذہنی فعل محنت خواہ چھوٹے پیمانہ پر ہو یا بڑے، ہمیشہ مستلزم الم ہے، جس کو ہر شخص اپنے تجربہ سے محسوس کر سکتا ہے، اور

اس حقیقت سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ حیات انسانی کا ہر لمحہ الم سے توام ہے، زمان کی نظری حقیقت کچھ ہو لیکن اس کی جذبی حقیقت الم ہی ہے، جس کو ہم ہمہ وقت محسوس کرنے کے لئے مجبور ہین، ہنگامی احساس لذت کوئی ایجابی جذبہ نہین، بلکہ فقدان الم ہی کا دوسرا نام ہے، اس لئے اس کی ماہیت سلبی ہے، ایجابی نہین، ایجابی شے الم اور صرف الم ہے، لذیذ کھانون کا لطف خود کھانون کے اندر نہین، بلکہ الم کی اس صورت سے وابستہ ہے، جسے ہم بھوک کہتے ہین، اصل حقیقت بھوک ہے، سیری بھوک کا سلبی پہلو ہے،

غرضکہ کائنات عالم پر جس طرف چاہے نظر ڈالیے قربانی و ایثار، درد و الم، حزن و ملال، تاَلم حیات کے اجزائے ترکیبی نظر آئین گے، اگر ہم ہر قدر کے آگے دوسرے فاضل تر قدر رکھتے جائین، تو بالآخر ہمارا سلسلہ تین اعلیٰ قدرون پر ختم ہوگا، یعنی حق، خیر، حسن، جو علی الترتیب منطق، اخلاقیات اور جمالیات کا موضوع بحث ہین، اور نفس انسانی کی سہ گونہ قوتون یعنی علم، عمل اور جذبات کے مطابق و متقابل ہین، لیکن اس تثلیث کی توحید کی جائے، تو حق، خیر، اور حسن تاَلم حیات ہی کے تین جداگانہ پہلو ہین، اور جو اپنی آخری تحلیل مین الم ہے، تحقیق حق، انقباض تشکک یا درد شعور کا دوسرا نام ہے، ایثار، عمل خیر کی جان ہے، اور حسن کی قدر، ہجر و فراق کے دم سے ہے،

(باقی)

اعلان

یکم جنوری سنہ ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن پر پندرہ فی صدی، اور دوسری مطبوعات پر بیس فی صدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط و کتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

فتاوی عالمگیری

کے

دو سندھی مولفین اور ان کے اجداد

از

جناب سید حسام الدین صاحب راشدی السندی

دسمبر ۴۴ء اور جنوری ۴۵ء کے معارف مین "فتاوی عالمگیری اور اس کے مؤلفین" کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے اس مین سندھ کے دو بزرگون سید نظام الدین ٹھٹھوی اور قاضی ابوالخیر ٹھٹوی کے نام بھی لئے گئے ہین، جن کو فتاوی عالمگیری کے مؤلفین مین شمولیت کا شرف حاصل ہے،

صاحب مضمون نے ان دونون حضرات کے سلسلہ مین تذکرۂ علماے ہند مصنفہ مولانا رحمان علی کو اپنا ماخذ بنایا ہے، جس مین دو سطرون سے زیادہ اُن کے سوانح حیات موجود نہین، ذیل مین ان دونون بزرگون کے متعلق مزید معلومات پیش ہین،

(۱) سید نظام الدین ٹھٹھوی

نسب سید صاحب کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے :-

سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید نظام الدین اول بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن سید ظہیر الدین والاسلام عرف سید جادم اول بن قاضی سید شکر اللہ اول بن سید وجیہ الدین بن سید نعمت اللہ بن سید عرب شاہ بن سید امیر نسیم الدین محمد المعروف بہ میرک شاہ بن امیر عطاء اللہ جمال الدین

المحدث بن سید فضل اللہ بن سید میر عبد الرحمن بن سید عبد اللطیف الحسینی الاسکی الشیرازی،

وطن | اُن کے اجداد شیراز میں رہتے تھے، بعد میں ہرات میں رہنے لگے، جہان سے قاضی سید شکر اللہ اول بن سید وجیہ الدین ۹۰۷ھ میں قندھار تشریف لائے،

سندھ میں آمد | قاضی سید شکر اللہ قندھار میں ۲۱ برس تک رہے، اس کے بعد مرزا شاہ بیگ ارغون کے ایماسے بسلسلۂ تجارت ۹۲۷ھ میں سندھ آئے، اور ٹھٹھ میں سکونت اختیار کر لی، وہ صاحب علم وفضل ہونے کے علاوہ بڑے متقی اور دیندار تھے، مرزا شاہ بیگ کے بعد جب مرزا شاہ حسن ارغون سریر آرائے سلطنت ہوا اس وقت قاضی صاحب کو ٹھٹھ کی مسند قضا پر فائز کیا گیا،

ایک دفعہ شاہ حسن نے چند تاجرون سے کچھ گھوڑے خرید کئے، اور قیمت دینے میں جان بوجھ کر اتنا تساہل کیا کہ تاجر مایوس ہو کر قاضی سید شکر اللہ کی عدالت مین دعویدار ہوے، قاضی نے بادشاہ کو بحیثیت مدعا علیہ کے عدالت مین طلب کیا، اور جب وہ آیا، تو اس کو مدعیون کے مقابل بیٹھنے کا اشارہ کیا، دعوے کی مسل پیش ہوئی، بادشاہ نے دعوے کی صحت کا اقرار کیا، اور مدعیون کو رقم دے کر راضی کر لیا، اس کے بعد قاضی موصوف مسند سے اُٹھے اور آگے بڑھکر آداب سلطنت بجالائے، اور بادشاہ کو اپنی مسند پر لاکر بٹھایا، مرزا شاہ حسن نے اپنی قبا میں چھپائی ہوئی ننگی تلوار نکال کر قاضی صاحب کے سامنے رکھدی اور کہا کہ اگر آج آپ فیصلے سے پہلے آداب سلطنت کو بجالاتے، اور میرے درجے کو ملحوظ رکھکر مجھے مدعیون کے ساتھ نہ بٹھاتے تو اس تلوار سے آپ کا سر قلم کر دیتا، کچھ عرصہ کے بعد سید صاحب نے استعفا دیدیا، اور شاہ حسن نے محمد اوچی کو بلاکر اُن کی جگہ مقرر کیا، جن کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام لکھتا ہے کہ

"قاضی شیخ محمد اُچہ منسوب بآل جعفر، مشاہیر علمائے زمانہ است نخست از ہرات بہ اُچہ رسیدہ بود، در عہد جام نظام الدین چون سید میران محمد مہدی جونپوری وارد ٹھٹھ گردیدہ و علمائے زمان بر نسبت تکفیر بستند، نام بردہ کہ معنی رہے داشت و مقامات اہلِ حال مطلع بود، حجت اہلِ ظاہر

دستگیر آن ولی اکمل بود، ایتی رو نمود، سید میران بحالش متوجہ گردیدہ دعاے بالش بزرگی و دوام آثار سترگی باولادش کرد، آنست کہ خاندان آن بزرگ بوجود حوادث ہستے ہرگز انقلاب بند نمی شود، بالجملہ قاضی معزاللہ بعد ہجرت اوچہ و ملتان بکھر متوطن گردیدہ، بنا بر کثرت شہرت منسوب باوچہ ماندہ، وقتیکہ قاضی سید شکراللہ شیرازی استعفار خدمت قضا ٹھٹھ چنانچہ بسبق ذکر یافتہ، درخواست مرزا شاہ حسن حسب تجویز قاضی میر مذکور کہ در وطن قدیم ہرات ہم از اسلاف رابطۂ خاص داشتہ و باحیار آن رابطہ اینجا نیز قرب مقابرو پیوند صورت یاب گردید دیر الطلبیدہ بآن منصب جلیل القدر مختص فرمود، بہ برکت قدم نجابتش و دعاے میران سید مہدی جونپوری آن منصب بتوارث وقف اولادش است، در ابتداے حکومت میرزا عیسی ترخان اجل حیاتش در نوردیدہ شد، دو پسر والا گہر از مخلف ماندند۔"

اس کے بعد آپ کی اولاد کا تذکرہ ہے،[۱]

اجداد | سید شکراللہ نے ٹھٹھ کے ایک انصاری خاندان سے شادی کی جس سے سید ظہیرالدین پیدا ہوئے،

سید ظہیرالدین کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام رقمطراز ہے کہ

"قائم مقام پدر بزرگوار گردیدہ، فضیلت و حکمت نیک اندوختہ، ظاہرش بہ تقوی و تشرع و تدریس و باطن بہ سلوک راہ فقر و سبیل سنت اجداد مصروف بود"[۲]

تاریخ ظاہری کا مصنف ان کو اس طرح یاد کرتا ہے :۔

"گوہر بحر عزت و سیادت، در معدن بلاغت و فصاحت، جامع العلوم و مشکاف معانی میر ظہیرالدین"[۳]

آپ کے دو فرزند ہوئے ایک سید شکراللہ ثانی، دوسرے سید عبدالرحمن، سید شکراللہ کے متعلق

---

[۱] تحفۃ الکرام قلمی ص ۱۱۵ ، [۲] ص ۲۰۳ ، [۳] طاہری قلمی ص ۵۰،

تحفۃ الکرام مین ہے :-

"با وصف جد و پدر متصف برآمدہ نامدار روزگار زیست"

انھون نے ایک مسجد بھی بطور یادگار اپنے محلہ مین بنوائی، اُن کے چار بیٹے ہوئے، سید محمد حسن، سید نور محمد، میر سید ظہیر الدین جادم ثانی، سید لطف اللہ، سید نور محمد کے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام مین ہے کہ

"در وقت خود منظر اتم علم و عرفان و مرجع اکمل دین و ایقان زیستہ"

ایک فرزند ہوا سید نظام الدین اول جو کہ بقول تحفۃ الکرام :-

"مناظم فضل و کمال، اوفق اہل حال و قال گذشتہ"

ان کے چار بیٹے ہوئے، سید نعمت اللہ، سید نور محمد ثانی، سید فضل اللہ اور سید محمد شفیع،

سید نظام الدین ثانی | سید نور محمد ثانی کے دو فرزند ہوئے، سید ابو القاسم اور سید نظام الدین ثانی یہی سید نظام الدین ثانی فتاوی عالمگیری کے مولفین مین سے ہین، میر علی شیر قانع ان کے متعلق لکھتے ہین کہ

"سید نظام الدین ثانی در فقہ اوفق انام در علوم اعلم کرام برآمدہ بجذبہ طبع گرائیدہ، سوے جہان آباد شدہ، در فتاوی عالمگیری بہ اشتغال کل سائر علما کردہ، از نظر بادشاہ بگذشت و استدعاے منصب کردہ، بادشاہ مطابق ضابطہ کہ اہل فضل را باسم نوکری نخواندندی ازان آبا فرمودہ تکلیف قبول معاش نمودہ سید رضا نہ دادہ عن قریب آنجا سفر آخرت گزیدہ"[1]

آپ کی اولاد | ان کے دو فرزند ہوئے، ایک سید عرب شاہ دوسرے سید احمد، سید عرب شاہ آخری زمانے مین مجذوب ہوگئے، اور کوئی اولاد نہین چھوڑی، سید احمد کے ایک بیٹا سید عطاء اللہ ہوا جس نے شادی کی اور صاحب اولاد بھی ہوا، لیکن عین جوانی مین یہ بھی مجذوب ہوگئے،

اجداد | ان کے اجداد مین امیر نسیم الدین اور عطاء اللہ جمال الدین نیز اُن کے عم بزرگوار میر اصیل الدین

۱؎ تحفۃ الکرام قلمی ص ۲۳۳،

کا تذکرہ قاضی نوراللہ شوستری نے حبیب السیر کے حوالہ سے مجالس المومنین میں کیا ہے، نیز روضۃ الصفا اور ہفت اقلیم وغیرہ میں بھی ان کا تذکرہ آیا ہے، صاحب تحفۃ الکرام نے دوسری جلد میں انہی حوالوں سے ان کے حالات بیان کئے ہیں،

(۱) امیر جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ المحدث الاسکنی الشیرازی سید نظام الدین ثانی کے بارہویں جد ہیں، ان کے متعلق تحفۃ الکرام میں مرقوم ہے کہ

"عم گرامی ہمرنہ تتبع وحفظ اقوال وافعال ہدایت مآل نمودہ، فنون عقلیہ ما از علوم شرعیہ حلۂ ترتیب و تدوین پوشانیدہ، جواہر و لآلی حدیث مصطفویہ را بانامل تحقیق در سلک تفہیم داد، وصحاح وحسان سخنان عالمگیرش، تحفۃ الاحباء وریاض السیر وروضۃ الاحباب است"[۱]

حبیب السیر کے حوالہ سے آگے چل کر لکھتا ہے، کہ

"آنحضرت مانند عم بزرگوار امیر اصیل الدین در علم حدیث بے نظیر آفاق گشتہ، در سائر علوم دینیہ ویقینیہ از محدثان باستحقاق درگذشتہ، شاگرد عم خود است، چند سال در مدرسۂ شریفیہ سلطانیہ در گنبدے کہ مدد و مقبرہ حضرت خاقان منصور است، و در خانقاہ خلاصیہ بدرس وافادہ اشتغال داشتہ در ہفتہ یک نوبت در جامع ہرات بوعظ پرداختی، سلاطین و حکام حد تتبع واجب دانستندی"[۲]

ہفت اقلیم میں امین رازی لکھتے ہیں کہ

"برادرزادہ سید اصیل الدین عبداللہ است دی در عصر خود ملاذ طوائف اکابر و اشراف انام بودہ، لوح ضمیر تنویرش مطرح اشعۂ انوار اسرار کتب الٰہی وصحیفۂ مہر خاطر عالی، مآثرش مہبط لوامع حقائق اخبار حضرت رسالت پناہے است"

---

[۱] تحفۃ الکرام جلد دوم مطبوعہ بمبئی، ص[illegible] [۲] تحفۃ الکرام جلد دوم رر ص[illegible]،

زبانش مظہر اسرار تحقیق ضمیرش مظہر انوار توفیق

جمال دین مزین از اہتمامش علوم شرع واضح از کلامش

از مولفات فصاحت صفاتش روضۃ الاحباب در اقطار آفاق اشتہار دارد"[۵۱]

(۲) امیر نسیم الدین، امیر جمال الدین کے بیٹے اور سید نظام الدین کی گیارہویں پشت میں جد تھے، اُن کے لئے تحفۃ الکرام میں ہے، کہ

"در تکمیل علوم سیما حدیث یگانہ زمانہ بود، موجب تعیین سلطان در مقبرہ مذکور قائم مقام پدر بزرگوار بود، خلف رشیدش سید عرب شاہ بجائے آبا نیک جا گرم کردہ، بعد از و پسرش سید نعمت اللہ باوصاف آبا متصف زیستہ، از و سید وجیہ الدین یادگار و قائم مقام ماندہ، فرزند رشیدش قاضی سید شکر اللہ کہ در مجلد ثالث میان احوال ٹھٹھ مذکور گردد"[۵۲]

یہی قاضی سید شکر اللہ شیرازی تھے، جو ۹۰۶ھ میں ہرات سے قندھار آئے، اور ۹۲۷ھ میں قندھار سے سندھ میں تشریف لائے،

۳- امیر جمال الدین عطاء اللہ کے عم بزرگوار السید الجلیل امیر اصیل الدین عبد اللہ الحسینی الاسکی الشیرازی کے سلسلے میں تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

"در علم تفسیر و حدیث وانشار و تالیف شبیہ و نظیر نداشت، در زمان سلطان ابو سعید از شیراز بہ ہرات تشریف آوردہ ہر ہفتہ یک نوبت در مدرسہ مہد علیا گوہر شاد آغا بوعظ خلق می پرداخت، در ماہ ربیع الاول بہ بیان میلاد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مواظبت نمودہ از مولفاتش شرح درج الدرر بہ سیر سنیۂ خیر البشر و رسالہ مزارات ہرات مشہور، ہفدہم ربیع الآخر سنہ ثلث و تسع مائتہ وفات کردہ، دو گوہر نامدار ماند، صفی الدین محمد و برہان الدین محمد"[۵۳]

---

۵۱ ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۶۱ ۵۲ تحفۃ الکرام جلد دوم مطبوعہ بمبئی ص ۷ ۵۳ ایضاً ص ۷،

صاحب موصوف ہی کے متعلق صاحب ہفت اقلیم لکھتے ہیں کہ

"بصفتِ اصالت و وفورِ جلالت موصوف و معروف بودہ، در علم حدیث و تفسیر شبیہ و نظیر نداشتہ، در زمان سلطان ابوسعید از شیراز بہ ہرات تشریف بردہ اقامت فرمودہ و باشارۂ آن پادشاہ ہفتہ یک نوبت زبان بوعظ و نصائح می کشود، از مولفاتش کتاب افادت اثر، درج الدرر کہ محتوی است بہ سیر سیدۂ خیر البشر ورسالۂ مزارات ہرات بین الجمہور مشہور است[۱]"

اس خانوادہ کے اور بھی چند حضرات کا تذکرہ ہفت اقلیم اور تحفۃ الکرام میں آیا ہے، میر اصیل الدین کے ابن عم سید الحکماء المدققین امیر صدر الدین محمد الشیرازی کے متعلق ہفت اقلیم میں آیا ہے کہ

"بجودتِ طبع و دقتِ ذہن از جمیع علماے متبحرین و فضلاے متاخرین ممتاز و مستثنیٰ بودہ چہ در اندک زمانے از شغل استفادہ فراغت حاصل کردہ آغاز درس و افادہ فرمود، بعد ازان ہمت بر تالیف و تصنیف گماشت، رسالہ تحقیق علم و اثبات واجب حاشیہ شمسیہ و مطالع و حاشیہ تجرید را در سلک تحریر کشید، وفاتش بعد از فوت سلطان یعقوب در اندک زمانے اتفاق واد[۲]"

تحفۃ الکرام بھی تقریبًا انہی الفاظ میں رقمطراز ہے[۳]

امیر صدر الدین کے فرزند خاتم الحکما غوث العلما امیر غیاث الدین منصور شیرازی کے لئے ہفت اقلیم لکھتا ہے کہ

"پدر تو آن قرۃ العین ثمرات شجر است، بعد از پدر بہ وفور علم و دانش بر وسادہ فضیلت تکیہ زدہ صیت مہارتش در علوم حکمی و ریاضی بمسامع علماے نزدیک و دور رسیدہ صداے دانشش

---

[۱] ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۲۱ [۲] ایضًا ص ۹۵ [۳] تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۱۷

باطراف واکناف آفاق اُفتاد و در بین الجمہور مشہور گردید"

وصف خورشید از نگوید ہوشمند

فیض نور او بود در حسن پسند

چون فضلائے راات والبشر و عقل حادی عشر خواندہ اند، ہر آئینہ تاریخ فوتش مولانا علی حسن کس عقل حادی عشر نماندہ بجا. یافتہ[۱]"

تحفۃ الکرام میں اس سے زیادہ تفصیل ہے،

" ولادتش تسعمائۃ در خدمت پدر بزرگوار امیر صدرالدین محمد مذکور تحصیل علوم نمودہ، در چہار دہ سالگی داعیہ مناظرہ علامہ دوانی در خود یافتہ وسائل جست، در بیست سالگی از ضبط جمیع علوم فارغ گردیدہ، مدتے منصب صدارت بادشاہی مغفور بوے متعلق بود، در مرتبہ ثانی کہ مجتہد الزمانی شیخ علی بن عبدالعالی از عراق عرب متوجہ پایہ سریر خلافت شد، بعضے مفسدان نقار بمیان آوردند تا مباحثہ علمی ممہد گردید و بخشونت انجامید، بادشاہ حمایت مجتہد الزمانی کردہ میر برنجیدند و بعد روزے چند از منصب صدارت استغفار نمودہ جانب شیراز شدند، و در سنہ ثمان واربعین و تسعمائۃ فوت یافتہ[۲]"

تحفۃ الکرام میں حبیب السیر کے حوالے سے اُن کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست درج کی گئی ہے :-

"صاحب حبیب السیر گفتہ کہ از مصنفاتش انچہ بہ نظر رسیدہ، کتاب حجۃ الکلام ہست دراںجا متوجہ اقاویل حجۃ الاسلام غزالی شدہ، و دیگر کتاب محاکمات میان تحریرین علمین والد خود

۱۔ ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۵۹، و ۲۶۰

۲۔ تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی، ص[illegible]

میر صدر الدین محمد و ملا جلال الدین محمد دوانی و حواشی ایشان بر شرح تجرید مطالع، دیگر محاکمات میان ایشان در حواشی اوائل شرح مختصر اصول عضدی، دیگر شرح بر کتاب ہیاکل انوار، دیگر شرح بر رسالۂ اثبات واجب پدر خود، و کتاب تعدیل المیزان بر منطق کہ خلاصہ منطق شفا است با سوانح طبع نقاد ایشان و کتاب معیار الافکار خلاصہ تعدیل المیزان و کتاب لوامع و معارج در علم ہیئات کہ در محاذات کتاب تحفۂ شاہی است، و آنرا در ہفدہ سالگی تصنیف فرمودہ، دیگر کتاب تجرید بر حکمت کہ جمیع مسائل حکمت طبیعی و الٰہی را بعبارت موجز و مجرد از دلائل ذکر فرمودہ، دیگر رسالہ در معرفت قبلہ، دیگر کتاب معالم الشفاء در طب، دیگر مختصر آن کہ مسمی بشافیہ است، دیگر کتاب سفردیہ در ہیأت دیگر حاشیہ بر الٰہیات شفا، دیگر حاشیہ بر اشارات، دیگر حاشیہ بر شرح حکمت العین، دیگر رسالہ در باب خلافت فرزند ارجمند میر صدر الدین محمد، دیگر رد بر حاشیہ شمسیہ علامہ دوانی، دیگر رد بر حاشیہ خلاصۃ التخلیص، دیگر رد بر حاشیہ تہذیب المعزالیہ دیگر رد بر انموذج مشار الیہ، دیگر رسالہ در تحقیق جہات، دیگر رد بر رسالہ زوار مشار الیہ، دیگر رسالہ مشارق در اثبات واجب، کتاب اخلاص منصوری، دیگر حاشیہ بر اوائل کشاف تفسیر سورہ، دیگر کتاب مقامات العارفین در تصوف و اخلاق کہ باسم فرزند ارجمند میر شرف الدین علی نوشتہ، در رسالہ قانون سلطنت سوای آن از تصانیفش آنچہ در کتب ایشان بتقریب اسامی مذکور و بعضی علما از آن خبر دادہ کتاب ریاض الرضوان و کتاب اساس در علم ہندسہ و غیر آن،

صاحب حبیب السیر نوشتہ کہ غرض از تفصیل تصانیف حضرت امیر و اظہار تشرف بمطالعہ اکثر آن در کلام بعضی از افاضل عصر است، مثل ملا ابو الحسن کاشی، و ملا میرزا جان شیرازی کہ مصنفات حضرت میرزا کہ اکثر بواسطہ نفاست متداول نشدہ بودند، بدست ہر کہ می افتاد

سخنان خوب ما از آنجا می دزدیدند و می گفتند که از میر غیر نامے نیست، و بعضے کتب که در مصنفات ستاد را بخود نام آن را مذکور ساخته اند، وجود خارجی نیافته اند و اگر احیاناً یکے از ان کتاب بدست طالب علمے افتاد و بدزدی ایشان مطلع شد، دعوای توارد می کنند و از حضرت استاذ تحریر رحمہ اللہ شنیده که می فرمودند، ملا ابوالحسن شش دلیل از جمله ادله که در رساله اثبات واجب ذکر کرده، و آن را خواص فکر خود شمرده، از شرح هیاکل حضرت امیر انتحال نموده بود، و در ایامے که بالتماس بعض اعزه رد رساله او می نوشتم اظهار سرقه و انتحال او نمودم آن رساله متروک ساخته، رساله دیگر تالیف نمود، آن نیز خالی از سرقه نیست، از اثر مهارت میر در فنون ادعیه و طلسمات نقل، ذو الفقار خان حاکم بغداد است که با پادشاه دین پناه بغی می ورزید و تفصیل آن بر السنه جمهور مذکور و مجملے از ان در رساله قانون السلطنت مسطور،[1]

ان کے دو فرزند ہوئے ایک سید شریف الدین، دوسرے میر صدر الدین، اس خانوادہ کے دو اور بزرگوں کا بھی تحفۃ الکرام میں ذکر آیا ہے، یعنی میر نظام الدین احمد و میر حبیب اللہ، یہ دونوں حضرات بھی علم و فضل کے لحاظ سے یگانۂ روزگار تھے،

سادات شکر اللہی | قاضی سید شکر اللہ کی نسبت سے میر نظام الدین کا خاندان ٹھٹھہ میں سادات شکر اللہی شیرازی کے نام سے موسوم ہوا، اسی خانوادہ کے تقریباً تمام افراد علم و فضل، نیز دینی مرتبے کی وجہ سے یگانۂ روزگار ہوتے آئے ہیں آج بھی ان کا خاندان اپنے قدیم محلے میں آباد ہے،

اس موقع پر میں اس خاندان کے چند اور بزرگوں کا بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں، تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اس خاندان کے مختلف افراد نے سندھ میں آنے کے بعد علم، ادب اور مذہب کی کیا کیا خدمتیں انجام دیں،

---

[1] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی ج ۳، ص ۲،

سید شاہ ولی | بن سید ابوالقاسم بن سید علی اکبر بن سید عبدالواسع بن سید محمد حسین بن سید شکراللہ ثانی، علامہ مخدوم رحمہ اللہ جیسے یگانہ روزگار کے شاگرد تھے، اور بقول صاحب تحفۃ الکرام :-

"در املا و انشار و شعر، طبیعت صافی و قریحت کافی داشتہ"[۱]

صاحب تحفۃ الکرام میر علی شیر قانع، مقالات الشعراء میں آپ کا ذکر یون فرماتے ہین :-

"بفنون کمالات علمی آراستہ و حلۂ ورع و تقوی پیراستہ اوقات بابرکاتش صرف مطالعۂ کتب و افادۂ تلامذہ می بودہ، بر جادۂ اسلاف مستقیم و میان سادات بہ بزرگی موصوف و بہ حسن خلق و فرط متانت نزد اکابر و اصاغر معروف"[۲]

صاحب موصوف نے تحفۃ المجالس کے نام سے ایک تصنیف بھی چھوڑی ہے، شوال المکرم ۱۱۵۱ھ کی ۲۳ تاریخ کورات کے وقت اپنی جاگیر جکب پور تعلقہ اکرا لہ (سندھ) مین وفات پائی، نعش وہان سے لاکر ۵ تاریخ کو اُن کے آبائی قبرستان مین دفن کی گئی، اُن کے ایک شاگرد لطف اللہ نے "قد فات فی عشقہ" سے تاریخ وفات نکالی ہے، مقالات الشعراء مین اُن کے دو فارسی شعر بھی نمونہ کے طور پر دیئے گئے ہین، تذکرہ علماے ہند مین بھی ۲۵۰ صفحہ پر ان کا ذکر آیا ہے، اُن کے دو فرزند ہوے، ایک سید محمد ناصر دوسرے سید محمد سراج الدین،

میر سراج الدین | میر سراج الدین بھی بہت اچھے شاعر ہوے ہین، تاریخ گوئی مین ان کو خاص درک حاصل تھی، تحفۃ الکرام مین درج ہے کہ

"با وصاف اسلافش متصف، جانشین و یادگار بزرگان است، بہ محامد اخلاق موصوف مشار الیہ سائر و لا وجد می باشد، طبیعت شعر دارد و در استخراج تواریخ نیکو مہارت می نماید"[۳]

سید غلام اولیا | بن سید عنایت اللہ بن سید اسد اللہ بن سید عنایت اللہ بن سید عبدالرحمن بن سید

---

[۱] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۹۵ مطبوعہ بمبئی [۲] مقالات الشعراء قلمی ۔۔ [۳] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی جلد ۳ ص ۱۹۶

ظہیر الدین والاسلام عرف میر جادم بن سید شکر اللہ اول بہت بڑے بزرگ اور اہل دل گذرے ہیں، اُن کے متعلق تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

"در عین جوانی بتحصیل علوم ظاہر و باطن متوجہ شدہ بہ اتقار و تورع درجۂ علیا افراز دختہ... صاحب خوارق کلیہ برآمدہ، مجرد در عین رشد جہان فانی را پدرود کردہ، جماعۂ مخصوصہ از تمند ماند اہبیت و یکم ہر ماہ مطابق روز وفاتش مجمع ارادت مندیہ یادش ختم واطعام بعمل آورند وکشف نہمات می نمایند"[۱]

سید محمد ناصر ابن سید عطاء اللہ بن سید نعمت اللہ بن سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن سید ظہیر الدین بن سید قاضی شکر اللہ اول، زہد و تقویٰ میں اعجوبۂ روزگار تھے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ انہوں نے زندگی بھر کسی عورت کا منہ نہیں دیکھا، اس حد تک معصوم تھے، کہ جانوروں میں بھی نر و مادہ کی تمیز نہیں تھی، سلسلۂ نقشبندیہ میں وہ کامل تھے، اور عقیدت مندوں کی بہت کثرت تھی، جن کی حاجت روائی فرماتے رہتے تھے،

ایک دفعہ ٹھٹھہ میں خشک سالی ہوئی، لوگ بہت پریشان ہوئے، مزارات اور مقابر پر جاکر دعائیں مانگنے لگے، کسی صاحب کو خواب میں بشارت ہوئی کہ جس شخص نے کبھی عورت کا منہ نہ دیکھا ہو اسے نماز استسقاء پڑھانی چاہئے تاکہ باران رحمت کا نزول ہو، لوگ اُن کے پاس آئے، والدہ محترمہ کے ارشاد سے انھوں نے تین دن تک نماز پڑھائی، اور دعائیں مانگیں، تا آنکہ ابر رحمت جوش میں آیا، اور گوہر مقصود حاصل ہوا،

سید نظام الدین کے جد دوم یعنی سید نور محمد کے دوسرے بھائی سید ظہیر الدین جادم ثانی کی اولاد میں بھی بہت سے اہل کمال پیدا ہوئے،

۱؎ تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۱۹۶، مطبوعہ

سید محمد کاظم | بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی کے متعلق تحفۃ الکرام میں ہے کہ

"عجائب احوالات داشتہ احیاناً ، دو ، دو ، سہ ، سہ روز و شب در خواب کہ عین بیداری توان انگاشت ، بخلوت بودی ، و ذکر قلبی ، از مردم مسموع کردی ، آخر باخود بافاقہ رسیدے ہم چنین کمالات دیگر داشت ، از احصار افزون باشد[۱]"

صاحب تحفۃ الکرام | میر سید علی شیر بن سید عزت اللہ بن سید محمد کاظم بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین بھی اسی سلسلہ عالیہ کے ایک جوہر تابندہ اور گوہر درخشندہ تھے تحفۃ الکرام ، مقالات الشعراء اور کئی دیگر تصانیف انھوں نے یادگار چھوڑی ہیں ، اگر وہ تحفۃ الکرام ، اور مقالات الشعراء نہ لکھتے تو آج سندھ کی سیاسی اور ادبی تاریخ سے ہم قطعی نابلد رہتے ،

میر عظیم الدین | اس خانوادہ کی ایک اور عظیم شخصیت میر عظیم الدین نام کی ہے ، جس کا سلسلہ یوں ہے ، سید عظیم الدین بن سید یار محمد بن سید عزت اللہ بن سید محمد کاظم بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی ، یہ بھی ایک بلند پایہ شاعر و ادیب تھے ، ایک دیوان ، ایک مثنوی میر رانجھا ، اور ایک منظوم تاریخ موسوم بہ فتح نامہ ان کی یادگار ہیں ،

غرض سید نظام الدین مؤلف فتاوی عالمگیری کا تمام خاندان شیراز ہرات اور قندھار سے لے کر سندھ تک کئی صدی برابر علم و فضل کے دریا بہاتا ، اور دین کی بیش بہا خدمات انجام دیتا رہا ،

(۲) قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی

سید نظام الدین کے بعد فتاوی عالمگیری کے مؤلفین میں قاضی ابوالخیر ٹھٹھوی کا نام آتا ہے ، یہ بزرگ بھی سندھ کے مشہور مردم خیز اور تاریخی شہر ٹھٹھہ کے باشندے تھے ،

یہ ٹھٹھہ کے مشہور عالم اور بزرگ علامہ مخدوم فضل اللہ کے فرزند تھے ، جن کے متعلق تحفۃ الکرام

---

[۱] تحفۃ الکرام قلمی ص ۵۵۶ ،

مین ہے کہ

"جامع فضائل قدسیہ حاوی معارف انسیہ، محل زہد و ورع و تقوی بودہ، ہموارہ بدرس علامہ اشتغال مزیدی"[1]

تاریخ معصومی[2] اور مآثر رحیمی[3] مین بھی تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ اسی طرح ان کی تعریف کی گئی ہے، وہ مرزا عیسٰی اور مرزا باقی ترخان کے معاصر تھے، ان کے فرزند مخدوم الخیر کے لئے تحفۃ الکرام کا مصنف بیان کرتا ہے کہ

"در زمانہ خویش طالب علم کامل برآمدہ، در فتاوی عالمگیری شریک استنباط مسائل شد"[4]

ان کے ایک فرزند ہوا ملا اسحاق جو خود بھی بقول تحفۃ الکرام جامع کمالات تھا، ان کے ایک بیٹا کمال الدین ہوا، جس کے کوئی اولاد نہین ہوئی،

---

[1] تحفۃ الکرام قلمی ص ۲۲۰ [2] معصومی ڈاکٹر محمد داؤد پوتہ صفحہ ۲۱۴ [3] مآثر رحیمی ۲۲۸ بنگال

[4] تحفۃ الکرام قلمی، صفحہ ۹۲

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۴)

شیخ محی الدین ابن عربی نے خشوع کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے، ان کے علاوہ اور دوسرے متاخرین علما، صوفیہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں خشوع پر بحث کی ہے لیکن ان کے بیانات میں زیادہ تر متقدمین ہی کے اقوال کا اعادہ یا انہی کی تعبیرات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے، اس لئے تکرار سے بچنے کے لئے ہم ان کے بیانات کو نظر انداز کرتے ہیں، البتہ ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) نے ایک چھوٹا سا رسالہ "الخشوع فی الصلوٰۃ" لکھا ہے جس میں کچھ نئی باتیں بھی ملتی ہیں، اس لئے اس رسالہ کا جستہ جستہ کچھ حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں،

یہ رسالہ نظر سے اس وقت گذرا جب مضمون کی پہلی قسط پریس میں جا چکی تھی، اس لئے بعض ایسی چیزیں جنھیں مضمون کی ترتیب کے لحاظ سے مقدم ہونا چاہئے تھا، ہمیں موخر کرنی پڑیں، مگر بہر نوع مقصود استفادہ ہے جس کے لئے تقدیم و تاخیر کوئی ضروری شرط نہیں، یہ کیفیت کس طرح پیدا ہوتی ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

"وہ خشوع جو قلب میں پیدا ہوتا ہے، اس کا ذریعہ ذات الٰہی کی معرفت، اس کی عظمت اور اس کے جلال و کمال کا عرفان ہے، پس جسے جتنی ہی یہ معرفت حاصل ہوگی،

وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی خاشع ہوگا"

لیکن جن لوگون کو یہ کیفیت حاصل ہوجاتی ہے، یہ ضروری نہین ہے کہ ان مین سے ہر شخص کا حال یکسان ہو، اس لئے کہ خدا کے جن صفات کے تصور سے قلب مین خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ صفتین مختلف ہین، ان مین سے قلب کو جس صفت کا مشاہدہ اور عرفان زیادہ ہوگا، اس کے اوپر اسی صفت کا عکس زیادہ نمایان ہوگا، چنانچہ اس تمہید کے بعد وہ لکھتے ہین :-

"بعض لوگون مین خشوع اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہ قوت مطالعہ رکھتے ہین کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے بالکل قریب ہے، اور اس کے ہر بھید اور راز کی اطلاع رکھتا ہے، (اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا مطالعہ) اس سے شرم و حیا اور (بندہ کے) تمام حرکات و سکنات مین اس کی دیکھ بھال رکھنے (کے تصور پیدا کرانے) کا باعث ہوتا ہے،

اور بعضون مین خشوع اس کی صفت جمال و کمال کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کی محبت مین محویت اور اس کی ملاقات و دیدار کا شوق پیدا ہو بعضون مین خشوع کا باعث اس کے قہر و غضب اور جزا و سزا کا تصور ہوتا ہے جس کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس سے خوف و دہشت پیدا ہو،

اسی اختلاف حال ہی کی وجہ سے مختلف علما، وصوفیہ نے خشوع کی مختلف تعبیرین کی ہین، ورنہ مآل و نتیجہ کے اعتبار سے سب کی تعبیرات کا مقصد ایک ہی ہے،

یہ بحث تمام کرنے کے بعد قرآن و حدیث، آثار صحابہ اور اقوال سلف کی روشنی مین خشوع کی عمومی تشریح اور "خشوع فی الصلوٰۃ" (نماز مین خشوع) کی اہمیت و فضیلت بیان کی ہے، اور آخر مین بہت ہی تفصیلی طور سے نماز کے ان ارکان و آداب اور مواقع کو بتایا ہے، جہان پر خشوع کا اظہار بہت ضروری ہے، مثلاً قیام، رکوع، سجدہ اور دعا وغیرہ، مضمون طویل ہوتا جارہا ہے، اس لئے ہم صرف انہی اشارات پر اس بحث کو ختم کرتے ہین،

نماز میں خشوع مستحب ہے یا واجب؟ نماز اور نماز کے علاوہ ہر شرعی کام میں کیفیتِ خشوع کی موجودگی اور اس کی اہمیت و فضیلت پر تمام محدثین، فقہا اور صوفیہ کا اتفاق ہے، لیکن نماز میں فقہی تقسیم فرض و واجب اور مستحب کے لحاظ سے اس کو کون سا درجہ حاصل ہے، اور بغیر خشوع کی پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کیا جائیگا یا نہیں؟ اس بارے میں ان کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے،

عام فقہا و محدثین تو خشوع کے استحباب ہی کے قائل ہیں لیکن بعض علما اور متکلمین کا رجحان اس کے وجوب[1] کی طرف ہے، ہم دونوں کے بیانات اور دلائل نقل کرنے کے بعد ان میں تطبیق دینے کی کوشش کریں گے،

جو لوگ استحباب کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں کہ

(۱) جس طرح ہم منافق اور ریاکار کی نماز کو باطل قرار نہیں دیتے، بلکہ سب متفق طور سے کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ سے فرض ادا ہو گیا، اور وہ شرعی تعزیر کا مورد نہیں رہا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان خشوع وخضوع اور حضورِ قلب کے بغیر نماز پڑھے، تو بدرجۂ اولیٰ اس کی نماز کو فاسد نہیں قرار دیا جا سکتا، اور نہ اس کو تارکِ صلوٰۃ قرار دے کر سزا دی جا سکتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ نماز عند اللہ مقبول ہوگی یا نہیں، ہم اس کے مکلف نہیں ہیں،

(۲) حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو شیطان اس کے دل میں مختلف قسم کے وسوسے اور بُرے بُرے خیالات ڈالتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آدمی کو یہ یاد نہیں رہتا، کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، جب ایسا محسوس ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ سجدۂ سہو کر لے،

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خشوع اور حضورِ قلب نماز میں مستحب ہے، شرط و واجب نہیں، ورنہ اگر یہ شرط و واجب ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کے اعادہ کا حکم دیتے نہ کہ صرف سجدۂ سہو کا،

---

[1] وجوب بمعنی شرط ہے،

جو لوگ وجوب کے قائل ہیں، مثلاً ابو طالب مکی، سفیان ثوریؒ، حسن بصریؒ، امام غزالیؒ، امام رازیؒ وغیرہ، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں :-

(۱) قرآن نے اس آیت اقم الصلوٰۃ لذکری میں امر (حکم) کا صیغہ استعمال کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ نماز ذکر الٰہی کے لئے ہی پڑھنی چاہئے، اور ذکر الٰہی کے لئے حضور قلب ایک ضروری شرط ہے، اب جو غفلت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، وہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے،

(۲) قرآن نے ان آیات وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ (غافلین میں سے نہ ہو) اور فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے، جو نماز کے بارے میں سستی اور غفلت سے کام لیتے ہیں) میں نماز کے اندر غفلت سستی اور عدم حضور سے روکا ہے، اور ایسا کرنیوالوں کے لئے وعید فرمائی ہے، کیونکہ یہ چیزیں خشوع کے منافی ہیں،

(۳) اس آیت الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ (کیا اس کا وقت نہیں آیا، کہ لوگوں کے دل اللہ کو ذکر کیلئے جھک جائیں) میں ان لوگوں پر مزید وعید کی گئی ہے جو خشوع وخضوع کے بغیر نماز پڑھتے ہیں، اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں، من جملہ اور اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا، کہ صحابہ کرام سے خشوع کے خلاف کچھ افعال سرزد ہو گئے تھے، اس پر یہ آیت اتری، اگر خشوع نماز میں کوئی ضروری شرط نہ ہوتی، تو یہ وعیدیں کیوں کیجاتیں ؟

(۴) حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یتخشع (جس کی نماز خشوع سے خالی ہے، اس کی نماز کچھ نہیں ہے) میں صاف طور سے اس نماز کو جو خشوع سے خالی ہو بے حقیقت تبلایا گیا ہے،

سفیان ثوری سے منقول ہے من لم یتخشع فسدت صلاتہ (جو نماز خشوع کے ساتھ نہ پڑھے، اس کی نماز فاسد ہے۔) حسن بصری سے مروی ہے۔

کُلّ صَلَاۃٍ لَا يَحْضُرُ فِيهَا الْقَلب ہر وہ نماز جو حضور قلب کے بغیر پڑھی گئی ہو

یفحی الی العقوبۃ اسرع، وہ انعام واکرام کے بجائے سزا وعقوبت کی

طرف زیادہ تیزی سے لیجانے والی ہے،

نقلی دلائل کے علاوہ اُن کے پاس عقلی وذوقی دلائل بھی ہیں، وہ کہتے ہیں :-

اعضاء کی ظاہری حرکت نماز کا جسم اور خشوع اس کی روح ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ بغیر روح کے جسم کا قیام ناممکن ہے،

(۲) حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ نماز بندہ کی طرف سے ایک نیاز اور تحفہ ہے، جسے وہ بارگاہ رب العزت میں پیش کرتا ہے، اس لئے اُسے چاہئے کہ وہ بہتر سے بہتر صورت میں پیش کرے، ورنہ اس کی نماز اعزاز واکرام کے بجائے عتاب وعقاب کا سبب بن جائے گی،

(۳) اللہ تعالیٰ نے ان آیات قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون میں مومنین کی فلاح اور وراثت جنت کو جن صفات پر معلق ومشروط رکھا ہے، ان میں سے ایک خشوع بھی ہے،

اگر یہ کوئی بہت اہم صفت نہ ہوتی، تو فلاح وصلاح کو ایک ساتھ مشروط کیوں کیا جاتا؟

(۴) امام غزالی فرماتے ہیں کہ تمام عبادات میں نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں حضور قلب، حضور ذہن اور طمانیت وسکون ایک ضروری ولازمی شرط ہے، مثلاً اگر کوئی شخص حضور قلب کے بغیر بھی زکوٰۃ ادا کردے، تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور اس میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، اسی طرح روزہ وحج بھی، لیکن نماز بغیر اس صفت کے نہیں ادا ہو سکتی، اس لئے نماز ابن عبد اپنے معبود سے ہم کلام ہوتا ہے، اور ہم کلامی قلب وذہن کے حضور وشہود (جس کا دوسرا نام خضوع وخشوع ہے) کے بغیر ناممکن ہے،

لیکن یہ وجوب واستحباب کا اختلاف بالکل نزاع لفظی کے مرادف ہے، انفقا رجو بغیر

خشوع نماز کے جواز کے قائل ہیں، اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس نے بغیر خشوع نماز پڑھی ہو وہ قانون کی گرفت سے بری ہو گیا، اب ہم اُسے تارک الصلوٰۃ نہیں کہہ سکتے، یہ اور بات ہو کہ اس کی نماز مقبول ہوئی یا نہیں یا وہ اس کا اجر و ثواب ملے گا یا نہیں ؟ اور جو لوگ اوس کے وجوب کے قائل ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ خشوع جو روح صلوٰۃ ہے، اگر نماز مین وہ روح ہی مفقود ہے، تو گو وہ قانون کی زد سے نکل جائے لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی اجر و ثواب کا مستحق کیسے ٹھہر سکتا ہے، اور اس بے روح عبادت کو عبادت کیسے کہا جا سکتا ہے ؟ تو دونون استحباب و وجوب کے قائل دو حیثیتون سے ہین، ایک کے پیش نظر صحت عند العباد ہے، اور دوسرے کے پیش نظر صحت عند اللہ، اس نے مختصر الفاظ مین یہ کہنا چاہئے کہ خشوع شرط قبولیت ہے، شرط جواز نہین،

حیاتِ شبلی

حصۂ اوّل

یہ کتاب تنہا علامۂ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری نہین ہے، بلکہ اس مین ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی...... علمی تعلیمی، ادبی، اصلاحی اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت اُس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علماء کے حالات جمع کئے گئے ہین،...... ضخامت مع مقدمہ و دیباچہ ۹۲۰ صفحے، کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت :- غیر مجلد علاوہ محصولڈاک صرف آٹھ روپیہ، مجلد لعہ

"منیجر"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از

مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

(۳)

(۲) مال و اولاد فتنہ ہے :-

۱- یا ایہا الذین آمنوا لا تخونوا	اے ایمان والو اللہ اور رسول سے خیانت
اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم	نہ کرو، اور دانستہ اپنی امانتوں میں خیانت
وانتم تعلمون واعلموا انما	نہ کرو، اور یقین مانو کہ تمہارا مال اور اولاد
اموالکم واولادکم فتنۃ وان	فتنہ ہے، اور یہ کہ خدا وند تعالیٰ کے یہاں
اللہ عندہ اجر عظیم (انفال ۲۸)	بڑا اجر ہے۔
۲- انما اموالکم واولادکم فتنۃ	تمہاری دولت اور اولاد بس تمہارے لئے
واللہ عندہ اجر عظیم	آزمائش کی چیز ہے، اور اللہ کے پاس
(تغابن - ۱۵)	بڑا اجر ہے،
۳- فاذا مس الانسان ضر دعانا	پس جب وقت انسان کو کوئی تکلیف
ثم اذا خولناہ نعمۃ منا قال	پہنچتی ہے، تو ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم

اِنَّمَا اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ	اسے کسی نعمت سے نواز دیتے ہیں، تو کہتا ہے
وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ،	یہ تو مجھے اپنی تدبیر سے ملی ہے، بلکہ وہ
(زمر - ۴۹)	فتنہ ہے، لیکن اُن میں سے اکثر اسے نہیں سمجھتے،
۴- وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَةِ	اور یہ کہ اگر وہ لوگ راستہ پر قائم رہتے،
لَاَسْقَیْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَهُمْ	تو ہم نے اُن کو زیادہ سے زیادہ پانی سے
فِیْهِ الآیہ (جن ۱۶، ۱۷)	سیراب کیا ہوتا تاکہ اس میں انھیں آزمائیں،
۵- وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا	اور تو اپنی نگاہ ان چیزوں کی طرف نہ ڈال
بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا	جس سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں
لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ	کو متمتع کر رکھا ہے، ان کی آزمائش کے لئے
وَّاَبْقٰی،	دنیوی زندگی کی رونق ہے۔ اور تیرے
(طٰہٰ - ۱۳۱)	پروردگار کا عطیہ بہتر اور دیرپا ہے،

اوپر جو آیتیں نقل کی گئی ہیں ان میں کہیں مال اور اولاد دونوں کو اور کہیں صرف مال کو فتنہ ٹھرایا گیا ہے اور یہ پہلو ہر جگہ یہی ہے، کہ ان کی محبت میں غلو حق و صداقت کی راہ سے انحراف کا باعث ہو، اس لئے یہ چیزیں فتنہ ہیں،

(۳) اسلامی جماعت کے خلاف داروگیر بھی فتنہ ہے،

۱- لَوْ خَرَجُوْا فِیْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا	اگر وہ تمھارے ساتھ نکلے ہوتے تو سوائے
وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ یَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ	اس کے کہ اور دونا فساد کرتے، اور کیا
وَفِیْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ،	ہوتا، اور تمھارے درمیان فتنہ پردازی
بِالظّٰلِمِیْنَ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ	کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے، اور

مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّى جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ،

(توبہ - ۷)

اُن کے کچھ جاسوس موجود ہین، اور ان ظالمون کو اللہ خوب سمجھے گا، انھون نے تو پہلے جنگ احد وغیرہ مین بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی اور آپ کی کارروائیون کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے، یہان تک کہ سچائی کا وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب رہا، اور ان کو ناگوار ہی گذرتا رہا،

۲- وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا،

(احزاب - ۱۴)

اور اگر مدینہ مین اس کے اطراف سے ان پر کوئی آجائے، پھر اُن سے فساد کرنے کی درخواست کرے تو یہ اُسے منظور کرلین گے، اور اس مین ذرا بھی دیر نہ کرین گے،

۳- سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا،

(نساء - ۹۱)

بعضے ایسے تم کو ملین گے کہ وہ یہ چاہتے ہین کہ تم سے بھی بےخطر ہو کر رہین، اور اپنی قوم سے بھی بےخطر ہو کر رہین، جب کبھی شرارت کی جانب انھین لے جایا جاتا، وہ اس مین گر پڑتے ہین،

مندرجۂ بالا آیتون مین مخالفین کی ان ریشہ دوانیون کو جو اسلامی جماعت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف وہ عمل مین لاتے تھے، انھین فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ہوتا یہ تھا کہ جب جہاد کے لئے نفیر ہوتی تو منافقین خود بھی میدانِ جنگ مین جانے سے گریز کرتے، اور دوسرے مجاہدین کے سامنے بھی ایسی باتین کرتے کہ اُن کے حوصلے پست ہو جائین، اور وہ بھی شریک جہاد نہ ہون،

۴۔ فراوانی مال اور محرومی مال دونوں فتنہ ہیں،

۱۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ط وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ، (انبیاء۔ ۳۵)	ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا، اور ہم تم کو بری بھلی حالت سے آزمایش کے لئے گذارتے ہیں، اور ہماری طرف تم پلٹائے جاؤ گے،

مذکورۂ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی مال و دولت سے نواز کر آزماتا ہے، اور کبھی سلبِ نعمت سے امتحان کرتا ہے، کامیاب انسان وہ ہے جو دولت کی ریل پیل کی صورت میں شاکر اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونے کی حالت میں صابر رہے،

(۵) مومن کی بدحالی کافر کے لئے فتنہ ہے،

۱۔ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ، (انعام۔ ۵۳)	اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض سے آزمایا ہے تاکہ وہ کہیں، کیا یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے ہمارے درمیان سے احسان کے لئے چن لیا ہے، کیا خدا شاکر بندوں سے واقف نہیں ہے،
۲۔ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا (فرقان۔ ۲۰)	اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، سب کھانا بھی کھاتے تھے، اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے، اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمایش بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ اور تیرا پروردگار دیکھ رہا ہے،

اوپر کی دونوں آیتوں میں مومنین کی فاقہ مستی کو کفار کے لئے وجہ فتنہ قرار دیا گیا ہے، یہ صورت ال اُن کے لئے وجہ فتنہ اس بنا پر بھی کہ وہ ہر چیز کو مادی عینک سے دیکھنے کے عادی تھے، جب وہ قرآن پاک کا یہ دعویٰ سنتے، کہ مسلمان ہی کامیاب ہیں، اور دوسری طرف ان کی یہ بدحالی دیکھتے تو کہتے ہو نہیں سکتا، کہ یہ خدا کے محبوب ہوں، حالانکہ محبوبیتِ الٰہی کے لئے ثروت (خوشحالی) شرط نہیں، مگر انھوں نے یہی معیار ٹھہرا لیا تھا، اور اسی پر اخروی زندگی میں بھی اپنے کو مسلمانوں کے مقابل کامیاب بتاتے،

آیت وَلَئِنْ رُجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّ لِیْ عِنْدَہٗ لَلْحُسْنٰی (حٰمٓ سجدہ ۷) کا ٹکڑا اُن کی اسی ذہنیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے،

۶۔ سلبِ حکومت بھی ایک فتنہ ہے،

۱۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا	اور ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا،
عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ	اور ہم نے اُن کے تخت پر دھڑ ڈال دیا،
(صٓ ۳۴)	پھر انھوں نے رجوع کیا،

ابتلا غایتِ تخلیق ہے، اس سے انبیاءِ کرام بھی نہیں بچے ہیں، بلکہ جس طرح ان کے درجے سوا ہیں، اُسی طرح اُن کی آزمائشیں بھی شدید ہیں،

ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اور اس منزل سے تمام انبیا گذارے گئے ہیں، حضرت سلیمانؑ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے ان کی آزمائش اس طرح ہوئی، کہ ان کو جو عظیم الشان سلطنت بخشی گئی تھی، وہ اُن سے چھن گئی لیکن اس پر انھوں نے جزع فزع نہیں کیا، بلکہ خدا کی جناب میں رجوع کیا، اور ان کی زبان پر یہ کلمات

رَبِّ ھَبْ لِیْ مُلْکًا لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ	اے پروردگار میرے مناسب حال حکومت بخش،

مین بعدی انک انت الوھاب تو بڑا بخشنے والا ہے،

جاری تھے، ان سے سلب حکومت کے سلسلہ مین جو تفصیل عام طور سے مشہور ہے، وہ صحیح نہین ہے، قرآن سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ کسی غلطی پر جھنبی گئی تھی، اس پر انھون نے انابت کی، اور اس کے دوبارہ حاصل ہونے کے لئے دعا کی، جو قبول ہوئی، چنانچہ بعد کی آیتون مین کھلی ہوئی تصریح موجود ہے، سلب حکومت انسان کے لئے بہت بڑا امتحان ہے، عام انسان مشکل سے اس کا متحمل ہوسکتا ہے، لیکن حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ سے صبر و ضبط کا دامن نہین چھوٹا، اور اس موقع پر بھی ان کی عقل نے صحیح رہبری کی،

۱۲- عذاب دنیوی سے دوچار ہونے کو بھی فتنہ کہا گیا ہے،

۱- وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ (دخان - ۱۷)

اور بلاشبہہ ان (مکہ والون) سے پہلے فرعون کی قوم کو ہم نے فتنہ (عذاب) سے دوچار کیا اور ان کے پاس اس سے پہلے خدا کا شریف فرستادہ (موسیٰؑ) ان کی اصلاح و درستگی کے لئے آچکا تھا، لیکن انھون نے اُسے قبول نہین کیا، بلکہ اُسے جھٹلایا،

[illegible]

۲- وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ، (مائدہ - ۱۰۰)

اور وہ اس زعم مین مبتلا ہوگئے، کہ فتنہ (عذاب) ان پر نہ ٹوٹے گا، کہ اس کی زد مین آئین پس اس سے اور وہ اندھے اور بہرے ہوگئے، پھر اللہ اپنی رحمت کیساتھ ان پر لوٹ آیا، پھر بھی ان مین سے بہت سے اندھے اور بہرے بنے

[illegible]

۳- لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ

پیغمبر کے بلاوے کو باہم ایک دوسرے کو پکارنے

كدعاء بعضكم بعضا قد يعلم الله الذين يتسللون منكم لواذا فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم (نور - ۶۳)

کے مانند نہ ٹھہراؤ، خدا تم لوگوں میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے، جو احکام رسول کی تعمیل سے بچنے کے لئے آڑ میں ہو کر کھسک جایا کرتے ہیں، ان لوگوں کو جو اس کے حکم سے الگ ہو جایا کرتے ہیں، انہیں فتنہ (عذاب) سے دوچار ہونے یا دردناک عذاب کی زد میں آنے سے ڈرتے رہنا چاہئے،

اوپر کی آیتوں میں سے پہلی آیت میں کفار مکہ کو فرعون کی قوم کی طرح عذاب سے دوچار کرنے کی دھمکی دی گئی ہے، اس لئے کہ تکذیب دعوت میں وہ اُن کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں، بتعبیر دیگر فرعون اور اس کا جتھا موسیٰؑ کی دعوت حقہ کے جھٹلانے کے سبب تباہ ہوا، اور یہ مکہ والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق و صداقت کے جھٹلانے کے سبب ہلاک ہوں گے، اور دوسری آیت میں یہود کے تکذیب رسل اور قتل انبیاء کے جرائم ذکر کرنے کے بعد ان کی ان شرارتوں کی وجہ یہ بتائی گئی ہے، کہ اُن کے دلوں سے عذاب الٰہی کا خوف بالکل جاتا رہا تھا، اور وہ یہ سمجھنے لگے تھے، کہ خواہ ہم جو کچھ کریں ہم پر کسی طرح کی افتاد نہ آئے گی، تیسری آیت میں ان لوگوں کو جو حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کے باوجود احکام الٰہی کی تعمیل سے کاواکاٹتے تھے، اس حرکت پر عذاب پھوٹ پڑنے کی دھمکی دی گئی ہے، دیکھئے مندرجۂ بالا تینوں آیتوں میں ہر جگہ لفظ "فتنہ" عذاب دنیوی ہی کے مفہوم کو شامل ہے، پہلی جگہ قوم فرعون کو عذاب (دنیا میں) سے دوچار کرنے کے معنی میں اور دوسری جگہ یہود کے دنیوی عذاب سے نڈر اور مطمئن ہونے کے موقع پر اور تیسری جگہ منافقین پر احکام الٰہی کی تعمیل میں سہل انکاری کے سبب عذاب آدھمکنے کے مقام میں،

تحائفِ کشمیر

از

جناب مفتی جلال الدین صاحب ایم اے صدر مفتی ریاست کشمیر

عموی المکرم والمعظم :- السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مین نے آپ کو عم سے خطاب کیا ہے اس لئے کہ میرا ظن غالب ہے کہ آپ قبلہ ام عموی المرحوم قاضی سعد الدین صاحب کے یارِ طریقت وبرادر تلمذ ہین، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قاضی صاحب مذکور کے ذریعہ شرف ملاقات حاصل کرچکا ہون، لیکن اس وقت جب کہ مین چھوٹا تھا، اور سنِ تمیز کو نہین پہنچا تھا، اس بات کا فخر حاصل ہے، کہ علامہ مرحوم نے ہمارے غریب خانہ مین اپنی قیمتی اور مقدس عمر مین سے کچھ دن گذارے ہین، اس لئے اس بڑے مکین نے ہمارے مکان کو شرف بخشا ہے ہین قاضی سعد الدین صاحب کا برادرزادہ ہون، اور اپنے خاندان مین مین ایک فرد ہون، جو جامع شرق وغرب ہے، مین نے پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل ومنشی فاضل ایم اے عربی، اور ایم اے فارسی کے علاوہ بی اے مع انگریزی ارزو علوم ریاضی پاس کیا ہے، یہان کے سکالری کالج مین پروفیسر عربی وفارسی ہون، گو آج کل سیاسی عتاب کی وجہ سے معطل کیا گیا ہون،

فتوی دہی وقضا گری ہمارے خاندان مین احمد شاہ دُرّانی کے وقت سے نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہے، اگرچہ سوداگری کا پیشہ چھوڑکر درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کا پیشہ اس سے بہت مدت پہلے اختیار کیا گیا تھا، یعنی اس خاندان کے جدِ اعلیٰ خواجہ بہار الدین خوارزمی فاروقی اکبر بادشاہ کے ندما

مین سے تھے، اور عالمگیر اورنگ زیب ؒ کے وقت تک یہ خاندان تجارت پیشہ تھا، جب کہ مولوی خیر الدین ابو الخیر نے آبائی پیشہ چھوڑ دیا، اور علم و عرفان کی طرف مائل ہو کر سرچشمۂ شریعت و طریقت ہوئے، فقہ کی مشہور کتاب عالمگیری مرتب کرنے والون مین ممتاز درجہ رکھتے تھے، وہ آستانہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی مین مدفون ہین، اُن کے فرزند مولانا معز الدین امان اللہ شہید نے پدر بزرگوار سے بھی زیادہ عزت و شہرت حاصل کی، اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام تھے، چنانچہ شیخ الاسلام سے ہی تاریخ وفات کا حساب لگایا جاتا ہے، نادر شاہ و محمد شاہ کی جنگ مین شہید ہوئے، مفتی صدر الدین خان آزردہ صدر الصدور دہلی ان کے برادر زادہ تھے،

اس تمام بکواس سے میری مراد یہ ہے کہ عربی و فارسی کے ساتھ ہمین موروثی میلان و رجحان رہا ہے، انہی کی درس و تدریس اور ان کے ساتھ شغل و شغف ہمارا پیشہ اور ذریعۂ معیشت رہا ہے، مین نے اپنے بزرگون کی تقلید کی کوشش کی، اور اپنے والد ماجد قاضی ضیاء الدین صدر مفتی و دیگر اعمام اولی الاحترام قاضی سعد الدین صاحب، قاضی شریف الدین صاحب و مفتی امان اللہ صاحب سے مستفید ہونے کی کوشش مین کوئی کمی نہین کی، لیکن مین یہ نہین کہہ سکتا ہون، کہ پوری طرح کامیاب ہوا، اس لئے مین مجبور ہون کہ مین یہ کہون کہ و ذاک ابی اور ھذا انا کے لئے کسی طرح بھی لائق نہین ہون،

الغرض مین نے اپنے متعلق بہت کچھ عرض کر دیا، قاضی سعد الدین و مفتی امان اللہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے، علامہ شبلی کے ساتھ دوستی و برادری قائم کر چکے تھے، میرا خیال کیا بلکہ پختہ عقیدہ ہے کہ علامہ مرحوم کے ذریعہ کم از کم اگر کسی ذریعہ سے نہین، آپ کے ساتھ بھی رشتہ مواخاۃ قائم کر چکے ہین، اسی عقیدہ کے تحت مین نے جناب کو عم سے خطاب کیا، امید ہے کہ میرا یہ خیال و عقیدہ صحیح ہوگا، ورنہ جناب سے استدعا ہے کہ کم از کم مجھے اب اپنے اس تعارف کے بعد برادر زادہ یا پسر خود کے خطاب سے، بلکہ وہی خیال میرے متعلق ہمیشہ کے لئے رکھین، امید ہے کہ میری استدعا منظور ہوگی

عرض کرچکا ہون کہ عربی فارسی زبانون کے ساتھ میرا تعلق ہے، اس لئے مین اس ادب کے احیار مین مصروف رہتا ہون، جو یہان کشمیر مین ان دو زبانون مین تصنیف کیا گیا ہے، اور جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ سے شائع نہین ہوا ہے، اور منظر عام پر نہین لایا گیا ہے، میرا اپنا خیال ہے کہ یہ لٹریچر اس قابل ہے اور اس درجہ کا ہے، کہ ادبی دنیا مین ایک امتیازی پوزیشن حاصل کرسکتا ہے، ممکن ہے کہ میرا خیال غلط ہو، اس لئے مین چاہتا ہون، کہ جناب کو تکلیف دون، اور اقساطاً مین نمونے بھیج کر جناب کی راے عالیہ کا استصواب کرون، تاکہ اس راے کے مطابق یہ فیصلہ کیا جاسکے، کہ یہ خاص نمونہ اشاعت کے لائق ہے، یا نہین، کشمیر کی زمین کو روحانیت نے اپنے لئے بہت صالح پایا تھا، اس لئے روحانیت کو جس جس کے ساتھ تعلق ہے، مثلاً تصوف، عشق، سلوک، تفسیر و حدیث وغیرہ بہت مقبول ہوا، اس کے نتیجہ مین وہ زبانین مثلاً عربی، فارسی، جو ان مضامین کے لئے ذریعۂ اظہار تھین، وہ بھی مقبول ہوئین، لازمی طور پر ان زبانون کے مقبول ہونے کے یہ معنی ہین کہ ان کا لٹریچر بہت مقبول ہوا، کشمیر ہر لحاظ سے زرخیز ہے، میرا مطلب اس سے یہ ہو کہ علم و ادب کے بیج کے لئے بھی بہت زرخیز ہے، اس لئے کہ یہان کے لوگ بقول ڈاکٹر اقبال، "زیرک و دراک" ہین، انھون نے اپنے آپ کو طبعی طور پر فارسی عربی کے علوم کے لئے صالح پایا، کشمیری کی طبیعت نے فردوسی کے شاہنامہ کے مقابلہ مین اکبر نامہ، نظامی کے خمسہ کے مقابلہ مین خمسہ حضرت صرفی، خمسہ (پنج گنج) بہاء الدین متو پیش کیا، مولوی رومی کا مقابلہ بحر العرفان حضرت اکمل الدین کامل سے کیا گیا، اسی طرح ہر قسم کا لٹریچر تصنیف کیا گیا ہے، اکثر بہت قیمتی اور اعلی پایہ کا ہے لیکن بے اعتنائی و طاق نسیان پر پڑا ہوا ہے، اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ کیڑے مکوڑے اور دیمک کی غذا بنا ہوا ہے، بلکہ فارسی عربی سے اب توجّہ عام ہٹنے اور انگریزی زبان مروج ہونے کی وجہ سے اکثر خاندانون اور گھرانون کی ناخلف اولادان قلمی عدیم المثال کتابون اور واحد نسخون کو پانچ دس آنے کی عوض بنیون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین، بنیا ایک ایک ورق پھاڑ کر، تمباکو، چائے،

ہلدی، کھانڈ، کی فروخت کے لئے استعمال کرتا ہے، مین نے اکثر دیکھا ہے کہ اس نااہل کا اس طرح اوراق پھاڑنا، میرے جگر کے پھاڑنے کا باعث ہوا ہے، مین نے ایسے مواقع پر اپنی گرہ سے پیسہ دیکر حتی الامکان اس کو ضائع ہونے سے بچایا ہے، لیکن تا کجے، سیلاب کو بچے سے روکا نہین جا سکتا ہے، میرے پاس سرمایہ نہین کہ مین اس کو زیور طبع سے آراستہ کرون، عوام اکثر غربا پر مشتمل ہین، وہ کوئی مدد نہین کر سکتے ہین، بلکہ زمانہ کی تبدیلی، مذاق کے تغیر، انگریزی کی ترویج نے حالات اس قسم کے پیدا کئے ہین، کہ عربی اور فارسی جاننے والے کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس کو مولوی کے نام سے پکارا جاتا ہے، مولوی (کشمیری ملّا) حقارت و نفرت مین استعمال ہوتا ہے، غرضیکہ سوسائٹی مین اس کی کوئی وقعت نہین، اس لئے سرمایہ دارون سے یہ توقع رکھنا عبث ہے، کہ وہ اس کی اشاعت و طباعت مین مدد کرین گے، بلکہ اپنی آبرو کو کھو دینا ہے،

مین سالہا سال سے معارف کا خریدار ہون، ایک ایک سال کی اشاعت کی جلد بندی کرا کر کتاب کی شکل مین موجود رکھتا ہون، معارف کی کسی گذشتہ اشاعت مین آپنے شذرات مین ریسرچ کی امداد کا ہمت افزا اعلان کیا ہے، اس کے پڑھنے سے مجھے دفعۃً خیال آیا، کہ شاید معارف کے ذریعہ جناب کی عاطفانہ توجہ سے یہ ہمارا لٹریچر ضائع ہونے سے بچ جائے، اس لئے اس وقت سے لیکر ہمیشہ آپ کو اس بارہ مین لکھنے کا ارادہ کرتا رہا، لیکن اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے اس لئے جھجکتا رہا، کہ معارف کی زبان اردو ہونے کی وجہ سے اور انگریزی مین اظہار پر زیادہ قدرت اور مہارت حاصل ہونے کی وجہ سے دل مین ہول و بیم محسوس کرتا رہا، اس وجہ سے کبھی کبھی یہ بھی خیال آتا رہا، کہ حیدرآباد کے اسلامک کلچر کی طرف رجوع کرون لیکن اس خیال نے باز رکھا کہ وہان اس رسالہ کے بورڈ آف ایڈیٹران مین کسی طرح بھی کوئی ایسا .... موجود نہین جو میری تحریر کی اصلاح کر سکے اور اپنے علم کی کسوٹی پر میرا بھیجا ہوا مضمون پرکھے اور یہ دیکھے کہ آیا

وہ لٹریچر جو مین شائع کرکے وجود مین لانا چاہتا ہون، اس قابل ہی کہ شائع کیا جائے ممکن ہو کہ میرا خیال غلط ہو اور ہو ڈاف ایڈیٹر زمین لائق اور قابل نمبر موجود ہون، مجھے کم از کم علم نہین اور مین ان کو نہین جانتا ہون، اس سے یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ جو شہرت جناب کو علمی دنیا مین اس وقت حاصل ہے، وہ کسی اور ہندستانی کو نصیب نہین، اس لئے کشمیریون کا پیش کردہ لٹریچر عربی و فارسی آپ کی تنقید کی کسوٹی پر پرکھنا خوش قسمتی ہوگی۔

نمونہ شرح قصیدہ بردہ مصنفہ حضرت عبداللہ بوصیری رح،

شارح:۔ حضرت میرزا اکمل الدین کامل بیگ خان بدخشی یکے از اولیائے کشمیر، مدفون محلہ حول سری نگر کشمیر،

أمن تذکر جیران بذی سلم — مزجت دمعا جری من مقلة بدم
ام هبت الریح من تلقاء کاظمة — واومض البرق فی الظلماء من اضم
ہان تذکر یاد کردن وان دجیران جمع جا — جار ہمسایہ بود کو مشتق آمد از جوار
ذی سلم وان نام جای و مزج وان آمیختن — دمع اشک و مقلہ پلک چشم و دم خون ریختن
پس ہبوب آمد وزیدن ریح بادای ہم نشین — ہست تلقا سوی و جانب کاظمہ جائے است دین
پس درخشیدن شد ایماض او مض ماضی آن — ہست ظلما تیرہ شب باشد اضم کوہ کلان
راست بشنو ہم اضم ہم ذی سلم ہم کاظمہ — نام جائے مسکن جانانہ آمد این ہمہ
حاصل این باشد کہ آیا یاد یاران کشان — ساکن اندر ذی سلم ہستند بے شک و گمان
ریختی خونابہ یا از کاظمہ بادی وزید — یا درخشید از اضم برقی کہ اشکت شد پدید ۵۰ نار
ور وزید از کاظمہ بادی کزان یار آمدت — یا درخشید از اضم برقی کہ دل باز آمدت
ناظم عارف باین ابیات عاشق را خطاب — می نماید گرچہ ریزی اشک خونین بے حساب
ہست پیدا و ہویدا گرچہ عشق این کنی — لیک می خواہم کز انواع عشق یکے تعیین کنی

این ز یاد صحبت همسایگانِ ذی سلم   می کنی با خود ز یاد کاظمه یا از اضم

شیخ را مقصود از عاشق همین نفس خود است   غایبش دانسته با وی در تکلم آمده است

اهلِ معنی غائب از خویش اند با حق حاضرند   از همه عالم نظر پوشیده در حق ناظرند

فما لعینیک ان قلت اکففا همتا   وَمَا لِقلبِك انْ قلت استفق یهم

هست فا فاے جزائی گوش کن تقریر را   هست شرط آن مقدر فهم کن تقدیر را

نامِ این فا فاضلان فای فصیحه گفته اند   معنی شرط و جزا اکنون بشنو ای هوشمند

گر نبودست اینچنین وگر چه هست این پس چرا   اشک ریزی دائما کار است چشمان ترا

ما در آغاز دو مصرع بهر استفهام دان   کف چه باشد باز ماندن همت گردیدن دون

استفاقه هوشیاری دان همان حیرت است   حاصل معنی ز من بشنو ترا گر رغبت است

چیست چشمت را که از منع تو گریان تر شود   چیست حال دل که از پند تو حیران تر شود

ایحسب الصب ان الحب منکتم   ما بین منسجم منه ومضطرم

صب بفتح مهمله عاشق که باشد اشک بار   منکتم پوشیده دان و لفظ ما زاید شمار

منسجم دان اشک ریزنده غرض چشم است از آن   مضطرم آتش فروزنده دل است آن بی گمان

کے برد عاشق گمان که عشق او ماند نهان   درمیان چشم گریانِ و دل سوزنده هان

لولا الهوی لم ترق دمعا علی طلل   ولا ارقت لذکر البان والعلم

شد هوا مهر و محبت شد اراقت ریختن   پس طلل باشد نشانِ خانه و کاخ کهن

پس ارِق بے خوابی است بان درختی هست راست   قد خوبان را بان تشبیه کردن خوش بجاست

پس علم آن چوب مشهور است که اهل غزو جاه   پیش پیش خویش می دارند در خیل و سپاه

قد خوبان را بدان هم می توان تشبیه داد   هم علم مر کوه را گویند اصحاب سداد

کوہ ماہم می توان انجا نمودن قصد چون جاے جانان ست کو اندر عرب ای ذوفنون
گر نبودی مہر چون میر نحتی تو؛ شک گو بر نشانہاے سراے دلبران ما ہرہ
ور نبودی عشق چون بے خواب می شد دیدہ ست چون شو دیان و علم مذکورا ے نیکو صفت

یہ ہے حضرت میرزا کے شرح قصیدہ بردہ کا نمونہ، میرزا صاحب کا ایک قصیدہ فارسی زبان میں مخبر الاسرار کے نام سے موسوم ہے، دو سو ہنر ابیات پر مشتمل ہے، غیر مطبوعہ تاریخ حسن میں مرقوم ہے کہ

"الحق قصیدہ ایست در حقائق و معارف بے نظیر و از فصاحت و بلاغت دلپذیر، قطب زمان میر سید محترم لاہوری، قریب بیست ہزار بیت آنرا شرح کردہ است"

اس میں سے نمونہ یہ ہے:۔

شکر للہ چہ خوش است دولت مادر زادم تا برین منزل ویرانہ چنین آبادم
چون بدیدم دو جہان را کہ سواد الوجہ اند چشم پوشیدم و بر ہر دو نظر نکشادم
خویش و بیگانہ ملا منکر[1] و من دلشاد ہیچ در گوش نمی آمد[2] ازان جز یادم
فکر از ذکر تولد[3] شد و بر اصل رسید رستم از باطل و حق راہ بحق بکشادم
سر بس زانوے خود ماندم و رفتم[4] در فکر دل معلم شد و تعلیم تصوف دادم
تلخ شیرین شد و غم شادی و سواس برفت مرکبم رایض و من چابک ورہ آبادم
انس حق و خستم از غیر بجان و دل داد کرد از ظلمت و کثرت زجہان آزادم
فتح کارم شد و امراض بصحت پیوست ذائقہ نیز بحال آمد و لذت دادم
شد تمیزم کہ چہ تلخست و چہ شیرین غذا چیست نافع بدلم و انچہ مضر افتادم
روح می گفت کہ بال و پرم از گل رستا ست می روم من بجائے کہ از آنجا زادم
عقل می گفت کزین بیش مرا طاقت نیست عشق می گفت منت رہبر و استادم

[1] ز لا منکر، [2] کہ آیہ از ان فرا یادم، [3] فکر از ذکر متولد، [4] از فکرت خود،

از سماوات بیک چشم زدن بگذشتم ‌‌ ‌ برق در سرعت رفتار بگفت استادم
غیر ازین ارض و سما ارض و سماہاے دگر ‌ ‌ دیدم آنسو چو ازین حال گذر افتادم
رستن از ہستی خویش است بدل سیر نما ‌ ‌ نیستی راہ بمعراج حقیقت دادم
صوفی از خویش چو فانی شود آن معراج است ‌ ‌ نیست شو تا تو ببینی کہ چہ شد رو دادم

ساٹھ ہزار ابیات کی ایک مثنوی بہ تبعیت حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ لکھی ہے، نمونہ یہ ہے:

با ہزاران ہزار دستانم ‌ ‌ محفل آرای دوست دارانم
بہر صوفی است این ہمہ سازم ‌ ‌ صوفی کو کہ خوب بنوازم
از مریدان شیخ عطارم ‌ ‌ استعانت ز مولوی دارم
سلسلہ گسل و خدا می جو ‌ ‌ تا نماید راہت از ہر سو
سلسلہ تا ز وہ نہ بر داری ‌ ‌ پای رفتار از کجا آری
فانی باید از ہمہ آزاد ‌ ‌ بے مراد و مراد او ارشاد
فارغ از قید دام چون و چرا ‌ ‌ غل و زنجیر از سرا و وا
گر نہ زینگونہ حال داری تو ‌ ‌ سر بدعوی چہ می برآری تو
قادری تا دری شود آنگاہ ‌ ‌ خود شود لا و ماند الا اللہ
کبروی بودنت ندارد سود ‌ ‌ تا نہ گردد خدا ز تو خوشنود
روز و شب در طریق ایشان کوش ‌ ‌ تا کنی جام بحر عرفان نوش
می زنی لاف سہروردی تو ‌ ‌ آنچہ کردند چون نکردی تو
نقشبندی ز قید ہستی رست ‌ ‌ نقش اللہ بر دل خود بست
نقش حق تا بدل نہ بستی تو ‌ ‌ نقشبندی چگونہ ہستی تو

چشتیان چشت ترک خود کردن ذکر اللہ بہ رگِ خود کردن

آن عزیزان کہ حق پرستارند ہیچ بہ غیر ازین نہ پسندارند

دمبدم در فنائے خود کوشند جام عرفان حق ہمی نوشند

چہ زنی لاف حرف درویشان ترک دنیا نمی کنی چون شان

از کرامات شان چہ می گوئی در رہ و رسم شان نمی پوئی

شرم از روحِ پاک ایشان دار ہمچو ایشان بکن درین رہ کار

غزل کا نمونہ بھی لیجئے:

ہستی من ز من بدر کرد کہ کرد؟ یار کرد محو خودم بیک نظر کرد کہ کرد؟ یار کرد

بودہ ام اصل جان جان منبع فیض کن فکان باز مرا در بدر کرد، کہ کرد؟ یار کرد

ہست بصاحب نظر از ہمہ دوست جلوہ گر یک ز دگر خوبتر کرد، کہ کرد؟ یار کرد

اکمل ازین غزل کہ گفت کرد عیان ہمہ نہفت بروے ازین جہان خبر کرد کہ کرد؟ یار کرد

چشم دغا باز را سرمہ چرا کردۂ چشم بلا سرمہ بلا، این چہ بلا کردۂ

ابروے تو چون کمان تیر مژہ در نہان بہر شکار عاشقان حرب بپا کردۂ

دست تو سرخ از حنا قد و لباس خوشنما اے برائے قتل ما حرب بپا کردۂ

خندۂ تو خوشنما غمزۂ تو جانفزا جان و دلم ترا فدا طرفہ ادا کردۂ

ز جام عشق آن دلدار مستم بحمد اللہ عجب ہوشیار مستم

شہید خنجر مژگان یارم میان کشتگان بسیار مستم

ز تار زلف ترسا زادۂ خویش چو صنعا بین کہ در زنار مستم

ز ذوق آن بتے شیرین دوران برنگ کوہکن در کار مستم

بغنچہائے الوان نیست میسلم چو اکمل از پئے دیدا رستم
یار ما بہر محفل آرائی خود تماشا و خود تماشائی
بلکہ نظارہ گی تماشا را اوست در عالم تماشائی
کرد آئینہ خانہ بر پاء اندرو عکسہا برعنائی
جلوہ ہائے عجیب بنماید کس ندارد سر شکیبائی
نفی کن نفی را تو ہر ساعت تا ز کثرت بوحدت آسائی
ہر چہ بینی بگو ہمہ ہست او تا بگویم ترا کہ بینائی
روئے او کرد دعوے اسلام موے او کرد کفر آرائی
نور و ظلمت ازان ظہور نمود اندرین رہ چو دیدہ بکشائی
نیست ہیچ از احاطہ اش بیرون چشم از ماسوی نیالائی
خود بہ بازار محفل آراست او خود بہر کس رفیق تنہائی
کفر و اسلام بجنگ انداخت خود مران جنگ را تماشائی
خود شود مدعی کہ دین اینست خود دہد کفر را توانائی
خود بآدم زگندم ناہی خود کند رہزنش بدانائی
تا محمد ازان شود پیدا
نور حسنش بعالم آرائی

شعر العجم حصہ دوم

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ ابن یمین تک) مع تنقید کلام

ضخم:- صفحے، قیمت:- "منیجر"

استفسار و جواب

ڈاکٹر اقبال اور روح وجسم کا اتحاد

جناب محمد اسلم صاحب سلیم
مقام کوڑوہی سون ضلع سکیسر (پنجاب)

"معارف ماہ مئی ۴۷ء مین مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کا مضمون "اقبال کا فلسفۂ خودی" کے عنوان سے پڑھا، مولانا موصوف اثبات خودی کے پانچوین مقدمہ مین بیان فرماتے ہین، کہ "اقبال مرحوم کا اصل میلان روح وجسم کے اتحاد کی جانب تھا" اگرچہ بعض موقعون پر اس کے خلاف بھی رائے ظاہر کی ہے، مگر جہان تک مجھے پتہ چلتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اقبال مرحوم کا اصلی میلان روح وجسم کے تغایر کی جانب تھا، کیونکہ ایک جگہ فرماتے ہین، ؎

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

اسی شعر کے ذریعہ مرحوم نے انسان کے مابعد الموت کا حال بیان فرمایا ہے، اور انسان کو ایک لازوال چیز بتایا ہے، گو صاف صاف معلوم ہوتا ہے، کہ اقبال مرحوم کا اصل میلان روح وجسم کے تغایر کی جانب تھا، اور مثنوی گلشن جدید کا شعر جس کو مولانا اپنے دعویٰ کی دلیل بیان کرتے ہین:-

تن و جان را دو تا گفتن حرام است
تن و جان را دو تا گفتن کلام است

اس کو متقدمین کے خیال کا دھرا و تصور کرنا چاہئے نہ کہ اقبال مرحوم کے اصل خیال کا مرقع ۔

حضرت المحترم جناب قبلہ مرشد تھانوی کا مسلک بھی یہی ہے، کہ روح و جسم میں تغایر ہوا متکلمین کا مذہب صحیح نہیں ہے، اس لئے گذارش ہے کہ اگر تغایر نہیں ہے جیسا کہ مولانا عبد السلام صاحب تحسہ یہ فرماتے ہیں، بلکہ اتحاد ہے تو اس کو دلائل سے ثابت فرمایا جائے، اور ہماری دلیل کا صحیح محمل بیان فرمایا جائے تاکہ تشفی ہو جائے،

معارف:۔ جس مضمون کا آپ نے حوالہ دیا ہے اس میں یہ بحث نہیں کی گئی ہے، کہ روح و جسم کے اتحاد و مغایرت کے دونوں نظریوں میں کونسا نظریہ صحیح ہے، یہ ایک مستقل بحث ہے، اور جب تک اس پر ایک مدلل و مطول مضمون نہ لکھا جائے، اس کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا، جہاں تک ڈاکٹر صاحب کے نظریہ کا تعلق ہے، خواہ وہ صحیح ہو یا نہ ہو ہمارے لئے صرف یہ دکھانا کافی تھا، کہ ڈاکٹر صاحب کا اصلی میلان یہی ہے، کہ وہ روح و جسم کو متحد سمجھتے ہیں، اور ہم نے اس کو مثنوی گلشن جدید کے ایک شعر سے ثابت کیا تھا، اور اس کی زیادہ تفصیل نہیں کی تھی، کیونکہ ہم شاعری کے حدود سے باہر جانا نہیں چاہتے تھے، ورنہ بہت تفصیل کے ساتھ اُن کے اس میلان کو ثابت کیا جا سکتا تھا، مثلاً پروفیسر خواجہ عبد الحمید نے اقبال کے علمی جواہر ریزے کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے، اور وہ آثار اقبال میں چھپ گیا ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب اپنے فلسفیانہ مضامین میں اس نظریہ پر بہت زور دیا ہے کہ روح اور جسم کی تقسیم قرآنی تعلیم کے بالکل خلاف ہے، اور یہ پرانے مذاہب اور فلسفہ کی غلط تعلیم کا نتیجہ ہو قرآن کے مطابق انسان ایک فرد ہے جس میں روحانی اور جسمانی خاصیتیں موجود ہیں لیکن روح اور جسم دو الگ الگ چیزیں موجود نہیں، جن سے وہ بنا ہو، روح و جسم کی یہی غلط تقسیم ہے جس کی وجہ سے بیسیوں ناقابل حل مسئلے فلسفۂ مذہب میں پیدا ہو چکے ہیں، اسلام انسان کو ایک زندہ شخصیت تصور کرتا ہے، اور یہ تصور قرآن میں نہ صرف اسی ارضی زندگی کے لئے استعمال ہوتا ہے

بلکہ حشر اور حیات بعد الموت کے لئے بھی قائم رہتا ہے، چنانچہ حیات بعد الموت یعنی انسان کے لئے جو جزا اور سزا مقرر ہے جس کا ذکر قرآن میں بار بار آتا ہے، وہ روحانی بھی ہے، اور جسمانی بھی، اسلام کے مطابق روح جسم سے علٰحدہ کوئی شے نہیں" (آثار اقبال ص ۲، ۷، ۳ ۰)

اب اس سے زیادہ ثبوت ڈاکٹر صاحب کے میلان کا اور کیا ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ میں شاعری کے حدود سے باہر جانا نہیں چاہتا تھا، اس لئے میں نے اس عبارت کو نقل کیا، آپ فرماتے ہیں، کہ مثنوی گلشن راز کے شعر کو متقدمین کے خیال کا دہراؤ تصور کرنا چاہئے لیکن میرے خیال میں انھوں نے اس نظریہ کے خلاف جو رائے ظاہر کی ہے، وہی متقدمین کے خیال کا دہراؤ ہے، یا یہ کہ اس وقت تک انھوں نے اس کے مخالف نظریہ پر کافی غور و فکر نہیں کیا تھا لیکن با این ہمہ اس عبارت سے بھی صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا اصلی اور آخری میلان اسی طرف تھا کہ روح و جسم میں اتحاد ہے، یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا یہ نظریہ بالکل صحیح ہے اور اس میں بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں،

"ع"

خزانۃ المفتین

جناب میر منشی محمد اسمٰعیل صاحب محلہ فوج پورا | گورکھپور میں ایک صاحب کے پاس خزانۃ المفتین ایک عربی قلمی کتاب ہے، جس کا حجم تخمیناً ایک ہزار صفحات سے زائد ہے

کتاب ۸۰۹ھ کی لکھی ہوئی (بزبان عربی) ہے میں جناب والا سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ کتاب طبع شدہ ہے یا نہیں، کتاب کے ہر ایک صفحہ پر سنہری حاشیے بھی ہیں اگر یہ کتاب طبع شدہ نہیں، تو اس کی طباعت کے لئے جناب کیا بندوبست کر سکتے ہیں،"

معارف:۔ اس کتاب کا نام خزانۃ المفتین ہے، مصنف کا نام شیخ حسین ابن محمد سمیقانی ہے، حکیم الدین محمد بن علی فارسی کی فرمایش سے تصنیف پائی، زمانۂ تصنیف ۷۴۰ھ ہے، یہ کتاب طبع نہیں ہوئی ہے، اور نہ بظاہر اس کے طبع ہونے کی صورت کوئی سبیل ہو سکتی ہے، دار السلام

ادبیات

نیرنگِ بہار

از جناب انور کرمانی

مہک رہی ہیں فضائیں حسین ہیں کوہ و دمن
ضمیرِ خاک کے اسرار ہیں بہارِ چمن

ہے آب آب نمایش سے رنگِ عصمتِ گل!
کلی کلی کا یہاں شبنمی ہے پیراہن

بصیرت دل و جاں ہو متاعِ سوز و گداز
کہ داغِ لالہ سے ہو چشمِ گلستاں روشن

سلگ رہے ہیں نشیمن ہوا کی لرزش سے
بہار آتشِ گل سے ہے شعلہ در دامن

چمن ہو دشت ہو فصلِ بہار ہو کہ خزاں
حقیقت ایک ہر اک شے میں ہو ضیا افگن

ضیائے جلوہ سے ہو اس طرح نظر معمور
کہ دستِ گل میں ہو جیسے بہار کا دامن

ٹھہر سکا نہ حجاباتِ رنگ و بو میں جنون
قلندروں کا ازل سے یہی رہا ہے چلن

متاعِ فقر ہے بےخویشی و خود آگاہی
نہ آب و گل کی پرستش نہ بندگیٔ وطن

ہنوز سینۂ غنچہ میں نکہتِ گل ہے
ہنوز تو لبِ جوئے خودی ہو تشنہ دہن

ہنوز ضعفِ یقیں سے ہے آدمِ خاکی
فریب خوردۂ نیرنگِ سومناتِ کہن

جو بے بصر ہے مقاماتِ حال کیا جانے
دلِ فسردہ و مردہ نہیں حریفِ سخن

شعلے

از جناب شفق جوالاپوری

وہ بھی نہ سمجھے ہم بھی نہ جانے
عشق میں گذرے وہ بھی زمانے

اُس کے کوچے میں جانے کے
ڈھونڈ نکالے دل نے بہانے

جلوے ترے معراجِ نظر ہیں
عرش پہ ہیں اب اپنے ٹھکانے

چھلنی چھلنی قلب و جگر ہیں
اُف رے! تری نظروں کے نشانے

پتی پتی، بوٹا بوٹا
سب کی زبان پر میرے فسانے

بلبل قمری، کوئل بھونرا
ہر اک ساز پہ میرے ترانے

قطرہ قطرہ، موج بداماں
ذرہ ذرہ آئینہ خانے

آئینہ دار رنگِ تبسم
غنچہ و گل ہیں کس کے نہ جانے؟

کوئی پوچھے تو واعظ سے
آپ کسے آئے سمجھانے

تیل نہ بتی۔ جلتے ہیں لیکن
طور پہ حضرت دیا جلانے ق

عشق کے ہاتھوں ہم پہ جو گذری
جس پہ نہ گذری وہ کیا جانے

دیکھتے اک دن روٹھ کے ہم بھی
کون آتا ہے ہمیں منانے

اپنی عزت آپ ہے ناصح!
دیوانے ہیں پھر دیوانے

لمحۂ فرصت، سمجھو غنیمت
کل کیا ہوگا؟ کون! یہ جانے

خوابِ گراں ہے، مدہوشی ہے
کون! شفق کو آئے جگانے

بادۂ عرفان

حضرت عرفان اسلام پوری

اسے کیا دیکھیں، اس میں ہے دھرا کیا تماشا ہے جہانِ بے بقا کیا
اسیرِ زلفِ پُر خم ہو گیا یہ کہیں ہم تم سے دل کا ماجرا کیا
سراسر اپنی یہ ہستی ہے بے بود بقا کی کیا خوشی۔ رنج فنا کیا!
معطر، فضا ہے کیسی نکہتِ گل ہوائے باغ ہے فرحت فزا کیا
اگر ہوتا یہاں وہ رشکِ گل بھی بر آتیں آرزوئیں دل کی کیا کیا
جمالِ یار پہ ہونا ہی تھا محو دلِ عرفاں کی اس میں ہے خطا کیا

شاعر سے خطاب

از جناب طالوت

نوائے دل کو سوز دے دل و جگر فگار کر دکھا کے داغ سینہ کے جہان کو لالہ زار کر
فروغِ گل ہے بے ثبات جامِ مل ہے بے فروغ انھیں کے پیچھے شاعری کو یوں نہ بے وقار کر
جہانِ حسن و رنگ و بو فقط فریبِ چشم ہے نظر کے اس فریب کو فریب ہی شمار کر
چمن چمن میں یوں نہ گھوم عہدِ عشق یاد رکھ جبین تیغ تیز چوم عہد استوار کر
نشانِ منزلِ طلب یہاں سے دور کچھ نہ ہو فلاحِ قوم کے لئے وہ راہ اختیار کر
خدا نے دی ہے جب زبان تو دل کی بات کر بیاں فغانِ بے اثر کو یوں نہ رو کشِ ہزار کر
کلامِ دلفریب سے عیارِ زندگی بڑھا نشانِ زندگی بتا دلوں کو بے قرار کر
خزاں چمن پہ چھا گئی تو کون آفت آ گئی خزاں کو رنگِ انقلاب دے کے نو بہار کر
جمالِ عاشقی میں تو جلالِ زندگی نہ کھو کمالِ شاعری کو یوں نہ اب ذلیل و خوار کر

وفیات

حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروی امیر شریعت بہار

پھلواری پٹنہ سے چند میل پچھم ایک مردم خیز قصبہ ہے، جو صدیوں سے اس صوبہ کا علمی اور مذہبی مرکز ہے یہاں خانقاہ مجیبی قائم ہے، جہاں ظاہر و باطن اور علم و عمل دونوں کے سرچشمے اُگرتے ہیں، اس خانقاہ کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ شروع سے اب تک اس کے سجادہ نشین علم شریعت و طریقت دونوں کے جامع رہے ہیں یعنی یہ صاحب سجادہ صوفی صافی ہونے کے ساتھ عالم دین بھی ہوتے آئے ہیں، دستار فضیلت اور خرقۂ مشیخت دونوں یہاں ایک جسم پر آراستہ رہے ہیں، اور اب دو پشتوں سے یہاں کے صاحب سجادہ صوبہ کے امیر شریعت بھی ہو رہے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے ملفوظات میں اس خاندان کے معاصر شیخ کا تذکرہ مدح کے ساتھ آیا ہے، مولانا شاہ اسمٰعیل شہید نے اپنے سفر بہار و بنگال میں اس خانقاہ میں بھی قدم رنجہ فرمایا۔

سجادہ نشین حال حضرت مولانا شاہ محی الدین رحمہ اللہ خلف حضرت مولانا شاہ بدر الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے چند سال کے اضمحلال صحت اور تسلسل علالت کے بعد ۲۹ رجادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۲ راپریل ۱۹۴۷ء کی صبح کو ستر سال کی عمر میں اس دار فانی کو الوداع کہا، اور زمانۂ قدیم کی ایسی یادگار مٹ گئی، جس کی زیارت سے بزرگوں کی بہت سی نشانیاں ایک ذات میں نظر آتی تھیں، مجھ ہیچمدان کو مرحوم سے گوناگوں تعلقات حاصل تھے، میرے والد مرحوم نے اُن کے والد مرحوم

کے ساتھ ان کے نانا حضرت شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہ، سے فیض ارادت اور تکمیل باطن حاصل کی تھی، میرے والد مرحوم کی پیدائش ۱۲۵۷ھ میں ہوئی تھی، اور اخذ و فیض و استفادہ جوانی میں شروع کیا، جس کے معنی یہ ہیں، کہ اس واقعہ پر اسّی نوّے برس گذر چکے، میرے بڑے بھائی مرحوم کی تعلیم کی تکمیل اور دستار بندی شاہ محی الدین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ماموں مولانا شاہ عین الحق صاحب مرحوم کے ساتھ اسی خانقاہ پھلواری ہی میں ہوئی، میری عمر جب تیرہ چودہ برس کی تھی، غالباً ۱۸۹۵ء میں والد مرحوم کے حسب الحکم بغرض تعلیم اسی خانقاہ میں طالب العلم رہا، اس وقت شاہ محی الدین صاحب کی آخری کتابیں مولانا عبدالرحمان صاحب سے ہو رہی تھیں، یہ مولانا عبدالرحمان صاحب نامی گنج ضلع آرہ کے باشندہ اور مولانا عبدالعزیز صاحب امروہوی کے شاگرد تھے، جو مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی کے مشہور شاگرد اور ممتاز مدرس تھے، اس وقت میری عربی کی ابتدائی کتابیں تھیں، مجھے خانقاہ میں خاص حضرت شاہ صاحب مرحوم کے قریب قیام کی اور ایک ساتھ طعام کی اور زیر درس کتابوں میں شاگردی کی سعادت حاصل ہوئی، مجھے اس نسبت پر فخر اور انھیں اس پر مسرت تھی، انہیں جب دیکھتا تھا، عہد اوّل یاد آجاتا تھا، اور ان کو بھی خوشی ہوتی تھی، افسوس کہ اس بزرگانہ تبسم کا منظر اب ہمیشہ کے لئے آنکھوں سے پنہاں ہو گیا،

مرحوم کی پیدائش کا سال ۱۲۹۶ھ ہے، ابتدائی کتابیں اپنے والد بزرگوار امیر شریعت اوّل مولانا شاہ بدرالدین صاحب قدس سرہ سے پڑھیں، بقیہ درسیات مولانا عبداللہ صاحب رامپوری سے حاصل کیں، اور تحصیل فراغ جیسا کہ ابھی گذرا ۱۳۱۳ھ میں مولانا عبدالرحمان صاحب سے حاصل ہوئی، طب کی تعلیم بھی پھلواری ہی کے ایک قیام پذیر بزرگ مولوی حکیم وارث حسن صاحب سے حاصل کی، مگر عملاً کبھی مطب نہیں کیا، سجادہ نشینی سے پہلے تک درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا، ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد وہ سجادہ نشین اور صوبہ بہار کے امیر شریعت ثانی ہوئے اور

اس وقت سے آخر وقت تک وہ ہدایت خلق اور اپنے منتسبین اور معتقدین کے تزکیہ و تصفیہ و تعلیم طریقت، اور اپنے نقطۂ نظر سے بہار کے مسلمانوں کی قومی خدمت میں مصروف رہے، ۱۳۴۴ھ میں حج و زیارت کے لئے حجاز و عراق و شام کا سفر کیا، اور لوگوں کو اپنے برکات سے مستفید اور ان ملکوں کے بعض بزرگوں سے استفادہ کیا،

وہ حد درجہ شریف، نیک، صلح پسند، متواضع، اور صورت اور سیرت لباس، ہر چیز میں نمونہ سلف تھے، مذاق حال سے بھی آشنا تھے، تقریر و تحریر پر قدرت رکھتے تھے، متعدد مجالس میں شرکت فرمائی، قومی اجتماعات میں تقریریں کیں، مساجد میں وعظ و پند سنائے، تحریک خلافت کے زمانہ سے سیاسیات میں بھی شرکت کی، خلافت کانفرنس منعقدہ آرہ اور جمعیۃ العلمائے بہار کے اجلاس منعقدہ در بھنگہ کی صدارت کی تھی، وقتاً فوقتاً ان کے سیاسی خیالات اور امیر شریعت کی حیثیت سے ان کے فرامین بھی شائع ہوا کرتے تھے،

اب ان کی وفات سے مسلمانان بہار ایک بڑی نعمت سے محروم ہو گئے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانے والے کو اپنی نوازش بے پایاں سے اور رہ جانے والوں کو اپنی نصرت بے کراں سے سرفراز فرمائے۔

"س"

مطبوعات جدیدہ

مسلمان اور غیر مسلم حکومت از جناب پروفیسر محمد سرور صاحب حجم ۲۳۲ صفحے تقطیع چھوٹی، کھائی چھپائی اچھی، قیمت ۸ر، پتہ :- ادارۂ ادبیات نو، نمبرہ ۵ ٹمپل روڈ لاہور،

۱۹۲۱ء کی خلافت تحریک مین کراچی کے اس مشہور مقدمہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل رہی ہے جو مولانا محمد علی مرحوم اور ان کے رفقائے کرام پر فوج کو ورغلانے کے الزام مین چلایا گیا تھا یہ عجیب دور تھا، مسلمانان ہند مخلصانہ دینی کیف سے سرشار تھے، وہ ہر مسئلہ کو دینی نقطۂ نظر سے دیکھتے اور اسی ترازو پر تولتے تھے، مقدمہ کراچی کے استغاثہ کے جواب مین مولانا محمد علی اور ان کے رفقار نے جو پہلو اختیار کیا، وہ بھی اسی کیفیت کا آئینہ دار تھا کہ فوج کے ہندوستانی مسلمانون کو ترکون پر گولی چلانی پڑیگی، وہ مسلم کے قتل عمد کے مجرم ہون گے جس کی قرآن مجید مین صریح ممانعت آئی ہے، اس لئے ان لوگون تک اس قرآنی حکم کو پہنچانا ہر مسلمان کا فرض ہے، اور انھین ایسا کرنے کا حق ملکہ وکٹوریہ کے اس اعلان کے رو سے حاصل ہے جس مین ہندوستانیون کو ان کی مذہبی آزادی کا یقین دلایا گیا ہے، پھر اس سے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ اگر دنیاوی قانون کسی حکم الٰہی سے ٹکرائے، تو ہندوستان کے مسلمان دنیاوی قانون کو چھوڑ دینے مین حق بجانب ہین، ملکۂ وکٹوریہ کے اعلان کے بموجب لائق گرفت بھی نہین ہین، کراچی کے مقدمہ کی مسل اسی نقطۂ نظر سے مرتب ہوئی، اور مولانا محمد علی مرحوم نے اپنے جواب مین دینی وعلمی نقطۂ نظر سے اسی مسئلہ کو شرح وبسط سے پیش کیا تھا، یہ مسئلہ اپنی روح کے اعتبار سے آج بھی زندہ ہے، اور مصنف نے اس تصنیف مین اسی مسئلہ کو اٹھایا ہے، اور ایک فاضلانہ مقدمہ کے بعد مقدمۂ کراچی کی مفصل روداد مولانا

محمد علی مرحوم اوران کے رفقا کے بیانات، جج کی جوابی تقریر اور فیصلہ کو درج کیا ہے، جج اور مولانا محمد علی مرحوم مین جو نوک جھونک رہی، اس حصّہ کو بھی مکالمہ کی شکل مین پیش کیا گیا ہے، مولانا مرحوم کے بیان مین جہان سنجیدہ مسائل پر گفتگو ہے، اس کے پہلو بہ پہلو یہ مکالمے خاصے دلچسپ ہین سشن جج نے جیوریون کو مخاطب کرکے مولانا مرحوم کے بیان کا جو جواب دیا ہے اس مین ضرورت تھی، کہ حاشیہ دیکر بعض مسائل کی تشریح کی جاتی، اور اسلامی مسائل وعقائد کو رنگ آمیزی سے جس طرح پیش کیا گیا ہے، اس کو نمایان کیا جاتا، اگرچہ ملزمین کے بیانات خود اپنی جگہ سیر حاصل ہین، اور ان سے مسئلہ روشنی مین آجاتا ہے، لائق مصنف نے مقدمہ کی روداد نقل کرکے محاکمہ" قومی تحریک کے تین رجحانات" ردعمل، اس کے اسباب "مسلم ترقی پسند سیاست کی ناکامی"، "ہندوستانی مسلمان اور غیر مسلم حکومت" وغیرہ عنوانون سے ۱۸۵۷ء سے دور حاضر تک کے ہندوستان کی اسلامی سیاست اور اس وقت تک کی مسلمانون کی ذہنی تحریکون اور کشمکشون کا جائزہ بڑی احتیاط، سنجیدگی، اصابت رائے سے لیا ہے، اور کمال غور وفکر کے ساتھ متین لب ولہجہ مین گفتگو کی ہے، اور مختلف دور کے ممتاز سیاسی رہنماؤن کے خیالات عوام پر ان کے اثرات اور ان کے ذہنی رجحانات اور ان رجحانات کے اثرات کو دکھایا ہے، کتاب کا یہ حصّہ خاص طور پر قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے، ہم مصنف کو اس دلچسپ اور مفید تصنیف پر مبارکباد دیتے ہین، امید ہے کہ اس سے پورا فائدہ اٹھایا جائے گا،

مسلمانون کا حصّہ علم جغرافیہ کی ترقی مین - Muslim contributions To Geography

از جناب نفیس احمد صاحب حجم ۱۰۰ صفحے، قیمت ۱۰ روپئے ۔ شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار، لاہور،

اس تصنیف مین مسلمانون کی جغرافیائی ترقیون کا اختصار کے ساتھ خاکہ کھینچا گیا ہے، یون تو اردو

مین اس موضوع پر جامع مقالات اور مستند تصانیف شائع ہو چکے ہین، لیکن انگریزی مین اس پر کسی اچھی کتاب کی ضرورت تھی، اس تصنیف سے یہ ضرورت پوری ہوئی، مصنف نے اس مین علم جغرافیہ کے متعلق مسلمانون کی ابتدائی دلچسپیون، مسلمان سیاحون اور جغرافیہ نویسون کے خدمات عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے مختلف جغرافیائی نظریون کو سلیقہ کے ساتھ پیش کیا ہے، اگرچہ اختصار مد نظر رکھنے کی وجہ سے مباحث مین کہین کہین تشنگی باقی رہ گئی ہے، با این ہمہ یہ اپنے موضوع پر ایک مرتب اور اچھی تصنیف ہے،

شخصیت اور کردار، از جناب شیر محمد صاحب اختر، ناشر ادارۂ اشاعت اردو عابد روڈ، حیدرآباد، دکن، حجم ۱۰۵ صفحے، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت:- عمر

اس کتاب مین انسانی شخصیت و انفرادیت اور اس کے مختلف اجزار کا جائزہ لے کر اپنی اثر انداز شخصیت کی تعمیر کرنے کے طریقے بتائے گئے ہین، اور انھین مثالون سے واضح کیا گیا ہے، کتاب دو حصون مین تقسیم ہے، پہلے حصہ مین "شخصیت اور اس کے خصوصیات" پر نظر ڈالی گئی ہے، اور ایسے لوازم بتائے گئے ہین جن سے کوئی انسانی شخصیت کسی سوسائٹی مین اپنا وقار قائم کر کے محبوب بنائی جا سکتی ہے، "بالغ نظری" "جدت پسندی"، "شخصیت کے منفی پہلو"، "شخصیت کی خامیان"، "موقع شناسی" وغیرہ، اس حصہ کے ایسے عنوانات ہین، جن مین زندگی کے نشیب و فراز کو دکھایا گیا ہے، دوسرا حصہ "کردار" کے اجزار کی تفصیل پر مشتمل ہے، اس مین انسانی سیرت کی تعمیر کے لئے جن خصائل حمیدہ کی ضرورت ہوتی ہے، اُن کو پیش کیا گیا ہے، اور اخلاق رذیلہ سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، کتاب کے طرز بیان اور زبان مین مزید شگفتگی کی ضرورت تھی، اور مسائل کو زیادہ پھیلانے کے بجائے سمیٹ کر لکھا جاتا تو مناسب ہوتا،

زندگی کے جائزے، از جناب ابو سعید صاحب بزمی، ایم اے، ناشر مکتبۂ دانش، مزنگ لاہور، حجم ۲۲۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت:- عیر

جناب ابو سعید صاحب بزمی تجربہ کار صحیفہ نگار ہیں "زندگی کے جائزے" کے ذریعہ شاید وہ پہلی مرتبہ افسانہ نگار کے روپ میں سامنے آئے ہیں، یہ ان کے چند افسانوں کا مجموعہ ہے، ابتدا میں دو افسانوں "عید کا تحفہ" اور "عید کی قربانی" میں تحریک اشتراکیت کے دوررس نتائج کا جائزہ کامیابی سے لیا گیا ہے، ایسے افسانے ہمارے تیز رو نوجوانوں کے لئے مفید ہو سکتے ہیں، کہ اشتراکیت کے اثرات صرف معاشی معاملات کے بجائے، انسانی نظام زندگی کے ہر شعبہ تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے، ان افسانوں کو پڑھ کر ہمارے نوجوان اشتراکی ایک لمحہ کے لئے غور و فکر کر سکتے ہیں، اسی طرح دوسرے افسانوں میں معاشرت و معیشت کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالی گئی ہے، امید ہے کہ یہ افسانے دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔

نئے خاکے، از جناب قدوس صہبائی، حجم ۱۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، پتہ:- مکتبہ ادب اردو بازار، جامع مسجد دہلی،

مصنف بقول مقدمہ نگار، "ترقی پسند فن کاروں کی صف میں اپنی انقلابی ذکاوت ترقی پسندانہ رجحان اور پسندیدہ ادبی و افسانوی حیثیت کے اعتبار سے ممتاز مقام رکھتے ہیں" اس مجموعہ کی تحریروں میں جن میں افسانہ نما چھوٹے چھوٹے جذباتی مضامین ہیں، مصنف کے یہی اوصاف نمایاں ہیں، یہ تحریریں گویا مختصر افسانوں کا خاکہ ہیں، اس لئے "نئے خاکے" اس مجموعہ کا مناسب نام تجویز پایا ہے، ترقی پسند تحریروں کا ذوق رکھنے والے ہی نوجوان اس سے دلچسپی حاصل کر سکتے ہیں،

حضرت ابوبکر صدیقؓ از جناب مشیر الحق صاحب بجری آبادی حجم ۹۵ صفحے، قیمت:- ۱۰ر

حضرت عمر فاروقؓ از مولوی احتشام علی صاحب ندوی رحیم آبادی حجم ۸۰ صفحے قیمت:- ۱۰ر

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ از مولوی صلاح الدین احمد حجم ۴۶ صفحے، قیمت:- ۴۰ر

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ از مولوی احتشام علی صاحب ندوی رحیم آبادی حجم ۷۱ صفحے قیمت ۱۲ر

امام غزالیؒ از مولوی عبدالحفیظ صاحب ندوائی ندوی حجم ۱۶ صفحے، قیمت :- ۲ر

ناشر مکتبہ تعلیمات اسلام نمبر ۱۳ امین آباد پارک لکھنؤ،

لکھنؤ کا ادارۂ تعلیمات اسلام عربی زبان کو نئے طریق سے پڑھانے کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اوس نے اپنے دائرہ کو وسیع کیا ہے، اور چھوٹے بچون اور کم استعداد عام اردو خوانون کیلئے اوس نے چھوٹی چھوٹی مفید دینی و تاریخی کتابین اور رسالے جیبی تقطیع پر شائع کرنا شروع کیا ہی مذکورۂ بالا پانچ رسالے اس سلسلہ کی تازہ کڑیان ہین، یہ رسالے عام فہم، سادہ اور آسان زبان مین لکھے ہین، اور بچون کی ضرورت کے مطابق ان بزرگون کے ضروری سوانح حیات ان مین قلمبند ہوگئے ہین بچون کے لئے ان کا مطالعہ مفید ہوگا،

مولانا مدنی کا قیام سلہٹ، مرتبہ مولوی عبدالحمید صاحب اعظمی حجم ۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی ۔

پتہ :- جناب غلام ربانی صاحب نظام آباد ضلع اعظم گڈھ،

مولانا حسین احمد صاحب مدنی خیر و برکت کے مہینہ رمضان کو ہر سال سلہٹ مین گذارتے ہین ان کے عقیدتمند مولوی عبدالحمید صاحب اعظمی نے مولانا موصوف کے قیام سلہٹ کے معمولات و مشاغل کو اس رسالہ مین قلمبند کیا ہے، اور مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی اور مولانا محمد میان صاحب نے اس پر تقریظین لکھی ہین، امید ہے کہ مولانا مدنی کے حلقۂ ارادت مین اس کو قبولیت حاصل ہوگی،

گاؤن سدھار، از جناب ماسٹر محمد شفیع الدین صاحب نیر، ناشر آزاد بک ڈپو، کوچہ چیلان دہلی حجم ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

اس رسالہ مین گاؤن کی اصلاح کے لئے مختلف موضوعون پر نظمین لکھی گئی ہین، زبان سہل اور آسان ہے،